لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ

ترجمہ: میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا موجود رہے گا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت پر قائم رہے گا

قرة عيون السلفية

بالأجوبة الجامية

یعنی

سوالات وجوابات کا ایک سلفی مجموعہ

تالیف:

فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد امان بن علی الجامی

مترجم:

د/ اجمل منظور المدنی

عرض مترجم

الحمد للہ، والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

حمد وثناء کے بعد:

یہ کتاب دراصل سوالات و جوابات کا ایک بہترین مجموعہ ہے جس کے اندر موجودہ دور میں پیش آنے والے مسائل اور عقدی و دینی سوالات کے کتاب وسنت پر مبنی منہجی جوابات ہیں۔ شیخ نے ہر سوال کا جواب بہترین، متواضع اور مختصر اسلوب میں دیا ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ ہر جواب کتاب وسنت اور منہج سلف پر مبنی ہو، اسی لئے اس کتاب کا نام (قرة عيون السلفية بالأجوبة الجامية) رکھا گیا ہے۔ یہ سوالات دراصل شیخ سے مسجد نبوی کے اندر علمی دروس کے اندر سوالات و جوابات کے سیشن میں کئے گئے تھے جنہیں الگ کر کے کتابی شکل دے دی گئی ہے۔ کتاب کی اہمیت اور افادے کی خاطر اسے اردو قالب میں ڈھال کر آپ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

چونکہ اخوانی تحریکی اور دشمنان سلفیت کی طرف سے علامہ شیخ محمد امان جامی رحمہ اللہ کی شخصیت کو بھی بدنام کرنے اور آپ پر طرح طرح کے الزامات لگانے کی کوشش کی گئی ہے کیوں کہ آپ نے صحیح عقیدہ کی نشر و اشاعت اور باطل تحریکوں پر رد کرنے میں نمایاں کردار نبھایا ہے۔ اسلئے ضروری محسوس کیا گیا کہ آپ کی شخصیت اور آپکے علمی و دینی کارنامے کو اردو قارئین کے سامنے بھی پیش کر دیا جائے تاکہ دشمنان سلفیت کی قلعی کھل جائے۔۔۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ کی مختصر سوانح پیش خدمت ہے:

شیخ محمد امان جامی جنکی کنیت ابو احمد ہے، آپ کا تعلق حبشہ یعنی ایتھوپیا کے علاقے ھرر سے ہے، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ہی میں حاصل کی، اسکے بعد عربی زبان وادب اور کتب فقہ آپ نے شیخ محمد امین ھرری سے حاصل کی۔ پھر اپنے ایک ساتھی شیخ عبدالکریم کے ساتھ مکہ کیلئے روانہ ہو گئے، مقصد خانہ کعبہ کی زیارت اور حرم کے اندر رہ کر علوم شریعت کا حصول تھا۔ چنانچہ اپنے وطن سے صومالیہ آئے اور

وہیں سے کشتی کے ذریعے یمن کے شہر حدیدہ پہونچے، وہاں پر رمضان کا پورا مہینہ گزارنے کے بعد پیدل مکہ کیلئے روانہ ہو گئے، یمن میں اس وقت سلفیوں کو وہابی کہہ کر بدنام کیا جاتا تھا اسلئے یہ لوگ چھپ چھپ کر کسی طرح سعودی عرب کے بارڈر پر پہونچے اور وہاں پر کسی طرح سعودی عرب کے حدود میں جانے کی اجازت مل گئی، تو وہاں سے سیدھا پیدل مکہ پہونچے، اور 1369 ھجری میں پہلا حج کیا، پھر وہیں پر مسجد حرام کے اندر علمی حلقات سے استفادہ کرنے لگے، بطور خاص فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق حمزہ، فضیلۃ الشیخ عبد الحق الہاشمی، فضیلۃ الشیخ محمد عبداللہ الصومالی وغیرہ سے۔

مکہ مکرمہ ہی کے اندر شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے تعارف ہوا، علمی گفتگو اور سلفیت کو دیکھ کر آپ اپنے ساتھ ریاض لے کر چلے گئے، اور وہاں آپ نے معہد علمی کے نام سے جس مدرسے کی بنیاد رکھی تھی اسی میں پڑھنے کیلئے رکھ لیا، آپ ہی کے ساتھ اس مدرسے میں فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن بن حمد العبّاد نے بھی تعلیم حاصل کی تھی، ساتھ ہی قاضی مدینہ شیخ علی بن مھنا بھی ساتھ میں اسی مدرسے کے اندر پڑھائی کی تھی۔

آپ نے اس مدرسے کے علاوہ ریاض کے اندر دیگر علمی حلقوں سے بھی استفادہ کیا، بطور خاص سماحۃ المفتي العلاّمۃ الفقیہ الاصولی الشیخ محمد بن إبراہیم آل الشیخ سے۔ اسی طرح ریاض میں رہ کر فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن الافریقي اور سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز سے بھی بھرپور علمی فائدہ اٹھایا۔ ان کے علاوہ فضیلۃ الشیخ محمد الأمین الشنقیطی اور فضیلۃ الشیخ العلاّمہ المحدّث حماد الانصاری سے بھی استفادہ کیا۔ آپ نے شیخ عبدالرزاق عفیفی اور فضیلۃ الشیخ العلاّمہ عبدالرحمن بن ناصر السعدی، فضیلۃ الشیخ العلاّمہ محمد خلیل ہراس اور فضیلۃ الشیخ عبداللہ القرعاوی سے اسلوب تدریس میں استفادہ کیا۔

یہ مذکورہ شخصیات سعودی عرب کی مایاناز علمی ستارے ہیں جن سے آپ نے علم وعمل میں استفادہ کیا اور انہیں کے نقش قدم پر چل کر کتاب وسنت کو عام کیا۔

آپ کے علمی اور منہجی مقام نیز عقیدہ ہی کو دیکھ کر علامہ ابن باز نے اس وقت کے مفتی عام شیخ محمد بن

ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ کی خدمت میں آپ کو پیش کیا تھا جنہوں نے یمن کے قریب جازان صوبے میں واقع معہد صامطہ میں تدریس کیلئے بھیج دیا تاکہ جازان صوبے اور یمن کے قریبی علاقے میں سلفیت کی جڑ مضبوط ہو جائے۔

اور جب مدینہ کے اندر جامعہ اسلامیہ کی بنیاد پڑی تو اس وقت علامہ ابن باز رحمہ اللہ نے آپکو عقیدہ پڑھانے کیلئے مدینہ طلب کرلیا۔اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اس جامعہ کی بنیاد ہی پوری دنیا میں سلفیت کی نشر واشاعت کیلئے ڈالی گئی ہے، چنانچہ آپ اس جامعہ کے اندر معہد ثانوی اور کلیہ شریعہ میں عقیدہ پڑھانے لگے۔

آپ کے شاگرد رشید شیخ ربیع بن ہادی مدخلی حفظہ اللہ آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

(.. وأما الشيخ محمد آمان رحمه الله فما علمت منه إلا رجلاً مؤمناً موحداً سلفياً فقيهاً في دينه متمكناً من علوم العقيدة. ما رأيت أجود منه في عرض العقيدة، إذ كان الرجل قد درسنا في المرحلة الثانوية، درسنا " الواسطية والحموية"؛ فما رأينا أجود منه وأفضل، ولا أكبر على تفهيم طلابه من هذا الرجل رحمه الله. وعرفناه بحسن الأخلاق والتواضع والوقار، يُتعلَّم -والله- منه هذه الأخلاق).

ترجمہ: اور جہاں تک شیخ محمد امان جامی رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو میں نے آپ کو ایسا موحد سلفی مومن دیکھا جو فقیہ دین اور علوم عقیدہ میں ماہر تھے، جس بہترین اسلوب میں عقیدہ آپ پڑھاتے تھے اس طرح میں نے کسی کو نہیں دیکھا، مجھے آپ نے عقیدہ واسطیہ اور الحمویہ پڑھایا ہے، دوران تدریس جس بہترین انداز میں طلبہ کو آپ سمجھاتے تھے اس طرح میں نے کسی کو نہیں پایا، آپ حسن اخلاق، تواضع اور وقار کا پیکر تھے، اللہ کی قسم! اخلاق و کردار آپ ہی سے سیکھا جائے۔

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ کہتے ہیں:

(محمد الجامي هو أخونا وزميلنا تخرج من هذه الجامعة المباركة وذهب إلى الجامعة الإسلامية مدرساً في الجامعة الإسلامية وفي المسجد النبوي وداعياً إلى الله سبحانه وتعالى وما علمنا عليه إلا خيراً وليس هناك جماعة تسمى بالجامية هذا من الافتراء ومن التشويه هذا ما نعلمه عن الشيخ محمد أمان الجامي لكن لأنه يدعو إلى التوحيد وينهى عن البدع وعن الأفكار المنحرفة صاروا يعادونه ويلقبونه بهذا اللقب)۔

ترجمہ: محمد جامی ہمارے بھائی اور ساتھی ہیں، اسی مبارک جامعہ سے انہوں نے پڑھائی کی ہے، پھر مدینہ یونیورسٹی تدریس کیلئے چلے گئے، مسجد نبوی میں درس بھی دینے لگے، اور دعوت کے میدان میں سرگرم ہوگئے۔ ہم آپ کے تعلق سے خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے ہیں، یہاں آپ کی ذات سے تعصب کرنے والی جامی نام کی کوئی جماعت نہیں ہے، یہ آپ پر افتراء پردازی اور آپ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی سازش ہے، شیخ محمد امان جامی رحمہ اللہ چونکہ توحید کی طرف دعوت دیتے تھے اور بدعات نیز منحرف افکار سے منع کرتے تھے اسی لئے دشمنان سلفیت آپ سے دشمنی کرنے لگے اور اس لقب سے پکارنے لگے۔

۲۶/شعبان ۱۴۱۶ ہجری میں مدینہ طیبہ کے اندر آپ کی وفات ہوئی ہے۔آپ نے وفات سے پہلے دو چیزوں کی وصیت کی تھی: عقیدہ اور علماء کو لازم پکڑنا۔

اللہ اس کتاب کو مفید اور بابرکت بنائے اور شیخ کی مغفرت فرمائے، آمین۔

کتبہ

ڈا/ اجمل منظور المدنی

مقدمہ

برائے ناشر

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله، وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله.

قال تعالى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ} ، {يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً} . يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيداً * يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيماً} .

أما بعد؛ فإن أصدق الحديث كتاب الله، وخير الهدى هدى محمد ﷺ، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار۔

حمد وثناء کے بعد:

علمائے کرام ہر زمانے اور ہر علاقے میں آسمان کے تارے اور ہدایت کے منارے رہے ہیں اور قیامت تک رہیں گے، کیونکہ اللہ کے دین کو وہی لیکر چل رہے ہیں اور اسکے رسول ﷺ کے پیغام کو وہی پھیلا رہے ہیں، اور نبی اکرم ﷺ کا یہ قول انہیں پر صادق آتا ہے: (لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ

عَلَى ذَٰلِكَ) ترجمہ: میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا موجود رہے گا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت پر قائم رہے گا، انہیں ذلیل کرنے کی کوشش کرنے والے اور اسی طرح ان کی مخالفت کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچاسکیں گے، یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور وہ اسی حالت پر رہیں گے۔اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ وہ لوگوں پر غالب رہیں گے۔

انہیں علم و ہدایت کے روشن ستاروں میں سے جن سے لوگوں نے ان ہی کی زندگی میں مسجد نبوی کے اندر علمی فائدہ اٹھایا، اور مرنے کے بعد ایک بڑا علمی ذخیرہ چھوڑ کر گئے، علامہ محمد امان بن علی الجامی رحمہ اللہ ہیں، آپ علمی حلقے میں معروف ہیں، آپ کے چاہنے والے اور مخالفین سب آپ کو جانتے ہیں، اس سے پہلے ہی آپ کا ایک علمی مجموعہ (الاصول الثلاثه ومكملاتها) کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔

اب اس وقت شیخ کی ایک نئی کتاب بنام(قرة عيون السلفيه بالأجوبة الجامية) شیخ صالح بن سعد السحیمی کی نگرانی اور سرپرستی میں منظر عام پر آرہی ہے جس کے شائع کرنے کی ذمیداری (اللجنة العلمية للعناية بتراث الشيخ محمد أمان الجامی) نے لی ہے، اور اس کتاب کو اس وقت منظر عام پر لانے کے کئی اسباب ہیں جو درج ذیل ہیں:

١- یہ وقت کی ضرورت تھی کہ نوجوانوں کو صحیح رہنمائی کی جائے تا کہ وہ صحیح عقیدہ، علم شرعی اور صحیح منہج پر قائم رہیں، اس کتاب کو پڑھنے سے لگے گا کہ شیخ اس موجودہ پرفتن دور میں ہمارے بیچ میں موجود ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ کس قدر علماء کے خلاف کیچڑ اچھالا جا رہا ہے اور حکمرانوں کے خلاف خروج و بغاوت اور پروپیگنڈا پھیلایا جا رہا ہے۔

٢- اس کتاب کے اندر آپ کے جوابات بہت سارے شعبوں کو محیط ہے خواہ اسکا تعلق مناہج وعقائد سے ہو یا علوم و معارف سے ہو مثلاً تفسیر وعقیدہ، حدیث وفقہ اور سلوک واخلاق وغیرہ، ان تمام شعبوں میں

قارئین کو بہترین رہنمائی ملے گی بالخصوص ایک طالب علم کو۔

یہ اوراس طرح کے دیگر اسباب کی وجہ سے دوسری کتابوں سے پہلے اس کتاب کو منظر عام پر لایا جارہا ہے۔

اس کتاب کے اندر علمی دقت نظری سے کام لیا گیا ہے اوراسکے لئے درج ذیل امور کا خیال کیا گیا ہے:

۱- بہت سارے مکرر کلام کو محذوف کر دیا گیا ہے اور بہت ساری ایسی چیزیں جو قابل نشر نہیں تھیں۔

۲- بعض ساقط عبارتوں کو جس کا تعلق سیاق وسباق کے مناسب نہیں تھا انہیں یا تو حذف کر دیا گیا یا انہیں سیاق وسباق سے جوڑنے کیلئے کچھ مناسب عبارت کا اضافہ کیا گیا ہے جسے بین القوسین رکھا گیا ہے۔

۳- آیات واحادیث کی تخریج کر دی گئی ہے اوراختصار کے ساتھ ان کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔

۴- بعض احادیث کا دراسہ کیا گیا ہے، اوران پر ائمہ حدیث کا حکم بھی لگایا گیا ہے۔

۵- علمی اورلغوی مراجعہ کے بعد ہی اس کتاب کو شائع ہونے کیلئے دیا گیا ہے۔

۶- کتاب کو بہترین اورمنظم انداز میں قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس عمل کو قبول فرمائے، اورشیخ رحمہ اللہ کی مغفرت فرما کر آپ کو اعلی علیین میں جگہ عنایت فرمائے، اورآپ کی علمی خدمت اوردعوت توحید کو شرف قبولیت عطا کرے، إنہ ولی ذلک والقادر علیہ۔

کتبہ:

لجنۃ العنایۃ بموروث الشیخ: محمد امان الجامی رحمہ اللہ

۞۞۞

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

علامہ محمد بن امان علی جامی رحمہ اللہ نے کہا:

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله، وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، إمام المرسلين وخاتم النبين صلى الله عليه وعلى آله وصحبه أجمعين.

حمد وصلاۃ کے بعد:

میں اپنے نوجوان ساتھیوں اور سامعین کرام سے کہنا چاہوں گا کہ ہم جس اسلامی پرسکون ماحول میں رہ رہے ہیں یہ فرقہ بندیوں اور حزبیت زدہ مکدر ماحول سے دور ہے، یہ ہم پر اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے جہاں ہم کتاب وسنت کے مطابق علم سیکھتے ہیں اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں، ایسی نعمت آپ کو کہیں نہیں ملے گی، اسلئے ہمیں اسے یاد کرتے رہنا چاہیئے اور اس پر اللہ کا بار بار شکریہ ادا کرتے رہنا چاہئے، یہ عقیدہ اور شریعت کی وحدت کی نعمت ہے، ارشاد باری ہے: {وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ} ترجمہ: اور لیکن اپنے رب کی نعمت، پس (اسے) بیان کر۔

ہم جس ماحول میں رہتے ہیں وہاں مصدر ومرجع کی وحدت ہے خواہ وہ عقیدے میں ہو، یا شریعت میں، احکامات ومعاملات میں ہو یا سیاسیات میں، ہر میدان میں ہمارے پاس کتاب وسنت کی شکل میں وحدت مصدر وحی کی شکل میں موجود ہے، اسکے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے، اور یہ ایک بے نظیر نعمت ہے، ضروری ہے کہ ہم اسے جانیں اور اس پر اللہ کا شکریہ ادا کریں۔

عقیدے کے باب میں خواہ وہ توحید ربوبیت ہو یا توحید عبادت ہو، یا توحید اسماء صفات ہو، قضاء وقدر کا باب ہو یا غیبات پر ایمان لانے کا باب ہو، نبوت ورسالت کا باب ہو یا الٰہیات کا باب ہو، ہر باب میں ہمارا عقیدہ ایک ہے ہمارے پاس صرف وحی ہے، وحی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اور کیا آپ لوگوں کو پتہ ہے کہ یہ عقیدہ جو فقط وحی پر مشتمل ہے آپ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں ہے! سوائے اس کے جو آپ کے پاس آئے، آپ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرے، آپ کے پاس وفود کی شکل میں آئے اور آپ کے جامعات ومدارس میں رہ کر علم سیکھے، پھر اپنی قوم کی طرف جا کر اس عقیدے کی دعوت دے، اور الحمدللہ، ایسا بہت ہورہا ہے، مگر اصل آپ ہی لوگ ہیں۔

اس لئے اس نعمت کا جاننا ضروری ہے تاکہ یہ آپ سے ضائع نہ ہوجائے، اور اس پر شکریہ بھی ادا کرتے رہو تاکہ اللہ اپنا فضل آپ پر بڑھاتا رہے، عقیدہ کو اچھی طرح پڑھو کیونکہ یہ ایمان کا اہم پہلو ہے، آپ دیکھیں گے بہت سے لوگ ہم پر تنقید اسی وجہ سے کرتے ہیں کہ ہم عقیدہ کو بہت پڑھتے ہیں، وہ اعتراض اسی لئے کرتے ہیں کیونکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ عقیدہ کیا ہے، اسکی کیا اہمیت ہے اور اسکے کیا فوائد ہیں، یہ ایمان کا ایک اہم پہلو اور عنصر ہے، کیونکہ حقیقی ایمان اعتقاد قلب، اقرار لسان اور عمل جوارح سے عبارت ہے؛ اس طرح اعتقاد قلب عناصر ایمان کا ایک اہم عنصر ہے۔

قلبی ایمان ہی عقیدہ ہے؛ یہیں سے آپ کو پتہ چلے گا کہ لوگ عقیدہ سے اعراض کیوں کرتے ہیں اور جو اس پہلو کا اہتمام زیادہ کرتے ہیں ان پر وہ تنقید اور اعتراض کیوں کرتے ہیں؟! وہ دراصل عقیدہ کی حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں، اور جو کسی چیز سے ناواقف ہوتا ہے وہ اسکا دشمن ہوتا ہے، اگر انہیں یہ پتہ ہوجاتا کہ عقیدہ ایمان کا ایک اہم عنصر ہے اور یہ کہ ایمان مجرد زبانی تصدیق کا نام نہیں ہے اور نہ ہی محض زبان سے لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دینے کا نام ہے، بلکہ سب سے پہلے دل کے اندر یہ تصدیق کرنا ہوگا کہ جو بھی محمد ﷺ لے کر آئے ہیں وہ برحق ہے، پھر زبان سے اسکا اقرار کرنا ہوگا اور پھر اعضاء وجوارح سے

اس پر عمل کر کے دکھانا ہوگا، کیونکہ دل کی گواہی اور سچائی کا پتہ انہیں اعضاء وجوارح سے ہوتا ہے، اور ایمان کا کلمہ ہی کلمہ اخلاص ہے جسے لاالہ الا اللہ کہتے ہیں جو کہ دل میں ہوتا ہے اور یہ جب دل کے اندر پختہ ہوتا ہے تو اعضاء وجوارح عملی میدان میں اسکی تصدیق کرتے ہیں۔

جب ہم اس ایمان عظیم کے بارے میں جو ہمارے دل میں ہوتا ہے یہ سمجھ لیں گے کہ یہی عقیدہ ہے جسکے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا اس وقت ہم پر واجب ہو جائے گا کہ ہم اللہ کا شکر یہ ادا کریں، ارشاد باری ہے: {الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ} ترجمہ: سب تعریف اللہ کی ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت دی اور ہم کبھی نہ تھے کہ ہدایت پاتے، اگر یہ نہ ہوتا کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی۔

کیونکہ ہم اپنا عقیدہ ایک ہی مصدر سے لیتے ہیں، ہمارے یہاں اسماء وصفات کے باب میں نہ جہمیت ہے نہ اعتزال، نہ اشعریت ہے نہ ماتریدیت، اور عبادت کے باب میں نہ صوفیت ہے نہ حزبیت، بلکہ ہماری عبادت صرف کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، ہمارے امام ایک ہیں اور وہ محمد ﷺ ہیں، رسول اللہ ﷺ کے سوا ہمارا کوئی ایسا امام نہیں جسکے لئے ہم تعصب کریں، جو کہ خاتم النبین، امام المرسلین بھی ہیں، وہی ہمارے امام اور قدوہ ہیں۔

یہ کس قدر عظیم نعمت ہے کہ ہم صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی امامت پر اکتفا کر رہے ہیں، ہم اپنے عقیدے میں بطور مصدر و مرجع کے صرف وحی الہی پر اکتفا کر رہے ہیں، اور احکام شریعت میں بھی صرف وحی پر اکتفا کر رہے ہیں، آخر ہماری طرح اس وقت کون ہے جن کے یہاں کے قاضی صرف کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے ہوں جس وقت وہ عدالتوں میں فیصلہ کر رہے ہوتے ہیں؟!

دوسرے ممالک کے قاضی جس وقت فیصلہ سناتے ہیں اس وقت وہ کہتے ہیں کہ فرانسیسی یا برطانوی یا امریکی دستور کے آرٹیکل فلاں کے مطابق یہ فیصلہ کیا جاتا ہے، اور ہمارے یہاں قاضی کہتا ہے کہ فلاں

آیت اور فلاں حدیث کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جاتا ہے، یہ ایسی خصوصیت ہے جو اس وقت دنیا میں کہیں نہیں پائی جاتی ، بلکہ اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہو کہ جس طرح ہمارا صاف عقیدہ اور کتاب وسنت پر مبنی ہماری شریعت ہے اس وقت دنیا میں کہیں نہیں ہوگا، اس پر ہمیں اللہ کا شکرادا کرنا چاہئیے ۔

میں یہ بات بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں اور اللہ سے اسی عقیدے اور وحدت مصدر پر ثابت قدم رہنے کی دعاء کرتا ہوں کہ جس کے ساتھ کسی دوسرے مصدر اور مرجع کی گنجائش نہیں، اور نہ ہی اسکا کوئی بدل ہے، ایسی کوئی بھی کوشش کفر کے مترادف ہوگی، چنانچہ اگر کوئی اس مصدر کو ترک کرکے کوئی دوسرا مصدر اختیار کرے گا یا اسکے ساتھ دوسرے مصادر کو شامل کرے گا وہ اللہ، اسکی کتاب اور اسکے رسول کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرے گا۔

عقیدہ، احکام شریعت اور سیاست کے باب میں مصدر کی وحدت ۔بہت بڑی نعمت ہے، اور سیاست شرعیہ کے اندر کتاب وسنت کو مرجع ومصدر بنانا ایک ایسی بڑی نعمت ہے جسکی کوئی مثال نہیں، بطور خاص ہم جس پر آشوب ماحول میں جی رہے ہیں، جہاں لوگوں کے عقائد بے بنیاد ہیں، احکام شریعت انکے یہاں اضطراب کا شکار ہے، سیاسیات کی کشتی ہچکولے کھا رہی ہے، ایسے وقت میں اسلام کا صحیح مفہوم خود کو اللہ کے حوالے کر دینا خواہ وہ عقیدہ میں ہو یا شریعت میں یا کسی بھی چیز میں یہ ہمیں صرف یہیں نظر آئے گا اور یہ اللہ کی ۔بہت بڑی نعمت ہے ۔

اس وحدت مصدر سے اکثر لوگ غافل ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی طرف اپنی نسبت کر لینا ہی کافی ہے خواہ وہ اپنا عقیدہ علم کلام سے لیں یا اشعریت اور ماتریدیت سے لیں یا اعتزال اور جہمیت سے لیں، وہ عقیدہ کے باب میں آزاد ہیں، بس ان کے پاس مسلمان ہونے کی تاریخ پیدائش کی سرٹیفکٹ موجود ہے، وہ مسلمان اس لئے ہے کہ اسکے والدین مسلمان ہیں ، اسے اسلام نہیں کہتے، اسلام عقیدے اور عبادت کا نام ہے، اسلام کہتے ہیں کہ آپ امام اور قدوہ صرف رسول اللہ ﷺ کو مانیں، دیکھیں اللہ تعالی

اپنے رسول ﷺ کے مقام ومرتبہ کوکس انداز میں بیان کر رہا ہے، ارشاد باری ہے: {قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ [31] قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ} ترجمہ: کہہ دیں! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھیں تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔ [31] کہہ دے اللہ اور رسول کا حکم مانو، پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ کافروں سے محبت نہیں رکھتا۔

یعنی اے محمد! آپ کہہ دیں ان لوگوں سے جو آپ پر ایمان لانے اور اللہ سے محبت کرنے کا دعوی کرتے ہیں! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو اور اللہ اور اسکی شریعت کی تعظیم کرنے کے اعتبار سے اللہ کی محبت میں سچے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اس طرح رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنا اللہ سے محبت کرنے، اسکی اور اسکی شریعت کی تعظیم کرنے کے دعوی میں سچائی کیلئے بنیادی شرط ہے۔

اور بھی جان لیں کہ عقیدہ اور احکام شریعت میں مصدر کی وحدت اسی وقت پوری ہوگی جب ہم امام اور قدوہ کے طور پر صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ پر اکتفا کریں گے، بایں طور کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کیلئے تعصب نہیں کریں گے، اور یہاں تعصب سے میری مراد یہ ہیکہ ہم سختی سے اس رسالت اور شریعت کو تھام لیں جسے آپ ﷺ لیکر آئے ہیں کہ جس کا تھامنا ہم واجب بھی ہے۔

سو یہ تعصب مطلق طور پر مذموم نہیں ہے، یہ تعصب ہے کہ ہم دین اسلام کو اسی طرح تھام کر رہیں جس طرح نبی اکرم ﷺ لیکر آئے ہیں اور اسکا ہم مرتے دم تک دفاع کریں، یہ تعصب ہر مسلمان سے مطلوب ہے، بلکہ واجب ہے، کیونکہ اس صورت میں تعصب کا معنی ہوگا کہ ہم رسول اللہ ﷺ پر اور آپ جو شریعت لیکر آئے ہیں اس پر ایمان لائیں، اس کو مضبوطی سے تھام لیں، پھر اس پر عمل کریں اور اسکی طرف

دوسروں کو بھی دعوت دیں، اور اس میدان میں آنے والی تکلیفوں پر صبر کریں، اور ساتھ ہی اس آخری نبی جناب محمد ﷺ سے بے انتہاء محبت کریں جسکی اتباع کرنے کی ہمیں اللہ نے توفیق دی ہے، جس کی امت میں ہمیں شامل کیا جو سب سے بعد میں آئی ہے اور جنت کے اندر سب سے پہلے جائے گی۔

آپ ﷺ جو شریعت لیکر آئے ہیں ہم اسی کو تنہا مصدر اور مرجع مانتے ہیں، اسلئے ہم پر ضروری ہے ہم کہ اس مصدر کی حفاظت کریں اور اس پر جمے رہیں، اپنے عقیدے اور شریعت میں فرقہ بندی اور حزبیت سے دور رہیں، اور اسی عظیم اصول پر ہم اپنے بچوں کی بھی تربیت کریں۔

ہم پر یہ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے بچے تحفیظ القرآن سے لیکر اونچی تعلیم تک سب ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی دین سیکھتے ہیں، اور ایک ہی شریعت کے پابند ہیں، یعنی ایک ہی مصدر اور مرجع کے پابند ہیں جس کی ہم گفتگو کر رہے ہیں اور یہ ہم پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

ہمارے نوجوانوں پر واجب ہے کہ وہ اس نعمت کو سمجھیں، اسے مضبوطی سے پکڑ لیں اور اس پر عمل کریں اور اسکی طرف دعوت دیں، اور اس پر صبر کریں، بالخصوص موجودہ ماحول میں کہ اس وقت نوجوانوں کے عقیدے اور انکے دین کو متزلزل کرنے والے بہت سے فتنہ پرور موجود ہیں، ان کی پوری کوشش ہے کہ ان کے عقیدے کو مشکوک بنا دیں، شریعت الہی سے انکی ہمت پست کر دیں، ایسے بہت سے لوگ پائے جاتے ہیں، ان سے دور رہنا ضروری ہے۔

طلبہ اور مربین کرام پر واجب ہے کہ وہ اس پہلو کا بڑا خیال کریں، کیونکہ آج کے یہ نوجوان کل کے قائد اور اسوہ بنیں گے، مربین، معلمین اور داعی بنیں گے، اسلئے ان کی تربیت آج ہی سے وحدت مصدر پر کی جائے، عقیدہ اور شریعت ہر ایک میں یہ تربیت ہو، اور انتہائی اعلی درجے کی تربیت ہو، اللہ ہم سب کو اس کی توفیق بخشے۔

سوالوں کا جواب دینے سے پہلے ہم ایک بار پھر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں نعمت اسلام،

نعمت ایمان، نعمت عقیدہ، نعمت امن وامان، پاکیزہ زندگی کی نعمت، علم ومعرفت کی نعمت اور بہت ساری ایسی نعمتوں سے نوازا ہے جنکا ہم شمار نہیں کر سکتے، ہم ان سب نعمتوں پر اللہ پاک کا شکریہ ادا کرتے ہیں، اسلام پر اور اس پر عمل کی توفیق پر اسکا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرتے ہیں۔

۞۞۞

قرة عيون السلفية

یعنی سوالات وجوابات کا

ایک سلفی مجموعہ

سوال نمبر ١:

عقیدہ، تفسیر، فقہ، حدیث اور علوم حدیث میں آپ کن کتابوں کے پڑھنے کی نصیحت فرمائیں گے؟

جواب:

مبتدی طلبہ کو میری نصیحت ہے کہ وہ سب سے پہلے اصول ثلاثہ کو یاد کریں، جس میں انکے دلائل، ارکان نماز، واجبات نماز اور شروط نماز موجود ہیں، اور ساتھ ہی (القواعد الاربع) بھی۔

بہتر یہ بھی ہوگا کہ لا الہ الا اللہ کے شروط اور اسکے نواقض بھی یاد کرلیں، مناسب یہی ہے کہ ان مسائل کو اچھی طرح یاد کیا جائے پھر انہیں طلبہ پر پیش کیا جائے تاکہ وہ بلاواسطہ علم حاصل کریں نہ کہ صرف کتابوں سے مطالعہ کی روشنی میں۔

اسکے بعد اگر میسر ہو تو (کشف الشبہات) کو یاد کرنا زیادہ بہتر ہوگا، لیکن عقیدہ اور بالخصوص توحید الوہیت اور توحید حاکمیت کے باب میں جو کتاب طلبہ کیلئے زیادہ مناسب ہے وہ کتاب التوحید ہے، یہ بہت ہی عظیم کتاب ہے، اسکے اندر قرآنی آیات، احادیث اور اقوال سلف کو چن چن کر پرو دیا گیا ہے، اللہ نے اس کتاب کے ذریعے بہتوں کو فائدہ پہونچایا ہے۔

ہم نوجوانوں کو نصیحت کریں گے کہ اس کتاب پر خصوصی دھیان دیں، اسے سمجھ کر یاد کریں، پھر اسکے شروحات کو دیکھیں، پھر اسکے بعد توحید اسماء وصفات کے باب میں اگر کسی طالب علم کو دلچسپی ہے تو وہ اسکے لئے الواسطیہ کا متن یاد کرے اور اسے اچھی طرح پڑھ لے، یہ کتاب دراصل مجموع فتاوی شیخ الاسلام کا حصہ ہے، اسی مجموع کے تحت بہت سارے اہم رسائل ہیں جو طلبہ کیلئے بہت ہی مفید ہیں۔

اسماء وصفات کے باب میں اگر مزید درک حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اسکے لئے شرح الطحاویہ پڑھیں، کیونکہ مصنف رحمہ اللہ نے پوری کتاب کو یا اکثر کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شاگرد رشید ابن القیم رحمہ اللہ اور ابن کثیر رحمہ اللہ کی کتابوں سے اخذ کیا ہے، اس طرح یہ ایک بہت ہی جامع اور مفید کتاب ہے۔

اور جہاں تک تفسیر کا تعلق ہے تو اس باب میں مبتدی طلبہ کیلئے سب سے بہتر کتاب تفسیر سعدی ہے، اس لئے کہ یہ مختصر ہے اور اسکا منہج خالص سلفی ہے، اور طالب علم کے اندر اگر عربی زبان میں مہارت ہے، ساتھ ہی کسی سلفی استاذ اور مفسر کی شاگردی مل گئی ہے تو ایسی صورت میں وہ علامہ شوکانی کی فتح القدیر پڑھے، اس کتاب کیلئے میں نے یہ شرط اسلئے لگائی ہے کیونکہ امام شوکانی کے یہاں علم کی وسعت ہے، حسن تالیف پائی جاتی ہے، بالخصوص فتح القدیر اور نیل الاوطار کے اندر، مگر اس کے باوجود آپ بعض صفات باری کی تاویل سے محفوظ نہیں رہ سکے اور بغیر رہنمائی اور ادراک کے مبتدی طلبہ متاثر ہوجائیں گے۔

اسلئے ضروری ہے کہ تفسیر کیلئے سلفی استاذ کی شاگردی حاصل کی جائے، پھر اس کتاب کو دلچسپی سے پڑھا جائے کیونکہ اس کتاب کے اندر کتاب اللہ کے معانی کو بہترین اسلوب میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، کبھی وجوہ اعراب پر بحث کی گئی ہے تو کبھی بلاغی نکتے سمجھائے گئے ہیں۔

پھر اسکے بعد مشہور تفسیر ابن کثیر کی ہے، اگر اسکی مختصر کوئی تفسیر مل جائے تو اسکے پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، پھر بعد میں وسعت علم کے لئے اسے پڑھے۔

اور جیسا کہ میں نے اشارہ کیا کہ طالب علم ان کتابوں کا صرف مطالعہ ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ اہل علم کی نگرانی اور رہنمائی میں پڑھے، ساتھ ہی علوم تفسیر، فن تجوید اور عربی قواعد وضوابط کا مطالعہ بھی کرے۔

اور جہاں تک حدیث اور علوم حدیث کا تعلق ہے تو اسکے لئے متون کو یاد کرے، اور اس میں سب سے پہلے اربعین نوویہ، عمدة الأحكام اور بلوغ المرام سے آغاز کرے، پھر دیگر حدیث کی شروحات کو دیکھے، اور ان کتابوں کو حدیث اور فقہ کے متخصصین کی رہنمائی میں پڑھے۔

اور اگر طالب علم اس باب میں مزید وسعت چاہتا ہے تو اسکے لئے وہ فروعی مسائل میں چاروں مذاہب پر متون کو یاد کرلے اور کسی معین مذہب کو نہ پکڑے اور نہ ہی کسی کیلئے تعصب رکھے، اس لئے کہ دین کی صحیح فقہ اس نے عمدة الأحكام، بلوغ المرام، فقہ السنہ اور امام شوکانی کی بعض کتابوں میں

حاصل کرلی ہے،اور دوران تعلیم یہ شرط یاد رہے کہ وہ کسی شخصیت یا کسی مذہب کے لئے تعصب نہ رکھے۔

واللہ اعلم۔

قرة عيون السلفية

یعنی سوالات وجوابات کا

ایک سلفی مجموعہ

فن تفسیر سے متعلق فتاوے:

سوال نمبر ۱:

بعض مدرسین تفسیر کے مادے میں فخر الدین رازی کی تفسیر کے تعلق سے کہتے ہیں کہ غلطیاں ہر ایک سے ہوتی ہیں ویسے ان سے بھی ہوئی ہیں، اس بارے میں آپ کا کیا موقف ہے؟

جواب:

تفسیر کی کئی قسمیں ہیں:

پہلی قسم: تفسیر بالرائے، اور یہ تفسیر کی سب سے بیکار قسم ہے۔

دوسری قسم: تفسیر باللغہ جیسے ابوحیان کی تفسیر البحر المحیط، یہ تفسیر کا سمندر ہے، ابوحیان نے اپنی تفسیر کے اندر لغت پر زیادہ اعتماد کیا ہے اسی لئے اعراب اور وجوہ اعراب پر بحث زیادہ کی ہے، مگر اسکی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ابوحیان رحمہ اللہ صوفی تفاسیر کا مناقشہ زیادہ کرتے ہیں، اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ لوگ اہل رائے، نفس پرست اور ذوق وخواہش کے بندے ہیں، یہ قرآن کی تفسیر نہ تو لغت کی روشنی میں کرتے ہیں اور نہ ہی آثار کی روشنی میں، یہ اپنی رائے اور ذوق کی روشنی میں تفسیر کرتے ہیں، اسی طرح معتزلہ کے رد میں بھی یہ تفسیر بہت عمدہ ہے، چنانچہ جسے عربی زبان وادب، نحو وصرف اور بلاغہ سے دلچسپی ہو وہ البحر المحیط کا مطالعہ کرے۔

تیسری قسم: تفسیر بالاثر: جیسے تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر، اور چند تاویلات کو چھوڑ کر لغت اور آثار دونوں کا مجموعہ ہے علامہ شوکانی کی فتح القدیر، آپ لغت میں امام ہیں، تفسیر کرتے وقت پہلے لغت پر اعتماد کرتے ہیں پھر آثار کا ذکر کرتے ہیں، مگر معاملہ اس وقت کرکرا ہو جاتا ہے جب بعض نصوص کی تاویل کرنے لگتے ہیں، کیونکہ آپ بہت سارے مراحل سے گزر کر اہل سنت کی راہ پر پہونچے ہیں، پہلے آپ زیدی تھے، پھر اشاعرہ سے جڑے پھر سلف کے منہج تک پہونچے، مگر یہ صرف مطالعے سے ہوا، سلفی مدرسین اور اساتذہ کا ساتھ نہیں مل سکا، اسی لئے کہیں کہیں بھٹک گئے ہیں، بطور خاص صفات کے نصوص میں، مگر

کوشش یہی رہی ہے کہ کتاب وسنت پر عمل رہے، اسی لئے ہم آپ کی کوششوں کی قدر کرتے ہیں، اور آپ کی کتابوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں، آپ کی یہ کتاب اپنے باب میں بہت ہی مفید اور عظیم ہے۔

اسی لئے جامعہ اسلامیہ نے اسے اپنے یہاں نصاب تعلیم میں داخل کیا ہے اور بعض کلیات میں اسے پڑھایا جاتا ہے، اس لئے ہم طلبہ کو اس کتاب کے پڑھنے کی نصیحت کریں گے اس تنبیہ کے ساتھ کہ اس کتاب کو پڑھنے سے پہلے عقیدے کے کتاب کو ضرور پڑھیں بطور خاص اسماء وصفات کے باب کو کہ جس میں صاحب کتاب نے تاویل کی ہے تاکہ اس خطرے سے محفوظ رہ سکیں، پھر اسکے بعد اس کتاب سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اب آتے ہیں رازی کی طرف، ان کا شمار ان علمائے کلام میں ہوتا ہے جو شک اور تردد کا شکار رہے، اور علم کلام کے سمندر میں گھسنے پر نادم ہوئے، مگر توبہ کے تعلق سے انکا موقف صاف اور صریح نہیں ہے الا یہ کہ ندامت ہی کو توبہ مان لیا جائے، یہی معاملہ صاحب کتاب الملل علامہ شہرستانی، غزالی اور ابو المعالی امام الحرمین کا بھی ہے، ان لوگوں نے اپنی شرمندگی کا اظہار کیا ہے اور ان سب کا کلام شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب میں درج ہے، اور میں نے (الصفات الالھیۃ) میں مراجع کے ساتھ انکے کلام کو نقل کیا ہے، ان کتابوں کی طرف رجوع کرکے معلوم کر سکتے ہو کہ فخرالدین رازی کون ہیں۔

اور جہاں تک یہ کہنا کہ انہوں نے جو کیا وہ انکے ساتھ ہے، تو کہنے کیلئے تو اپنی جگہ ٹھیک ہے، مگر جب ہم ایسے لوگوں سے طلبہ کو آگاہ کرتے ہیں اور انکی حقیقت واشگاف کرتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں کہ علمائے کلام اور صوفیوں کی کتابوں سے دھوکہ نہ کھائیں تو یہ غیبت نہیں نصیحت ہے۔

ہمارا موقف وہی ہے جو جرح وتعدیل کے باب میں محدثین کا رہا ہے، اور آپ لوگ جانتے ہیں کہ بعض لوگوں کے بارے میں علمائے جرح وتعدیل کہتے ہیں کہ فلاں کذاب اور دجال ہے، بات تو بہت

سخت ہے مگر کیا پتہ لگا یا آپ نے کہ وہ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ وہ اسلئے کہتے ہیں تا کہ ایسے لوگوں کے شر سے دوسرے لوگ آگاہ ہوجائیں؛ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حدیثیں گڑھتے ہیں، اسی طرح جب ہم لوگوں کو اپنی کتابوں اور دروس میں غزالی، رازی اور شہرستانی جیسے لوگوں کے کلام سے آگاہ کرتے ہیں تو یہی مراد ہوتا ہے کہ ہم نوجوانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ ایسے لوگوں کے کلام سے دھوکہ نہ کھائیں، کیونکہ یہ لوگ علمائے کلام ہیں انکی بڑی شہرت ہے، اس لئے ممکن ہے بعض لوگ انکے کلام سے دھوکہ کھا جائیں، سوایسے لوگوں سے تنبیہ کرنا اور لوگوں کو آگاہ کرنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے، بلکہ عقیدے اور تصوف کے میدان میں انکی غلطیوں پر تنبیہ اور آگاہ کرنا واجب ہے؛ کیونکہ نصیحت ہر مسلمان پر واجب ہے، اور دین نصیحت ہی کا نام ہے۔

سوال نمبر ۲:
بعض مسجدوں میں اشاعرہ کی تفاسیر پائی جاتی ہیں، اس پر آپ کیا کہیں گے؟

جواب:

مسجد کے ذمہ دار سے پوچھیں اور کہیں کہ ایسے کتابوں کو مسجد میں کیوں رکھتے ہیں؟ مسجد کیلئے کتاب کی نوعیت اور فائدے کے اعتبار سے کتابوں کو اختیار کیوں نہیں کرتے؟ تفسیر ابن کثیر، تفسیر طبری اور فتح الباری جیسی کتابیں الماریوں میں رکھ کر تالا لگا دیا جاتا ہے، نمازی آتے ہیں نماز پڑھ کر چلے جاتے ہیں، وہ قرآن اور تفسیر و حدیث پڑھنا چاہتے ہیں تو ایسی اچھی کتابوں کو الماریوں میں رکھ کر تالا کیوں لگا دیا جاتا ہے؟ ممکن ہے طلبہ ایسی مفید کتابوں سے فائدہ اٹھائیں جیسے کتب تفسیر، کتب حدیث، کتب توحید، کتب فقہ اور کتب نحو، حتیٰ کہ ایسی مسجدیں جہاں عوام الناس اور بازار والے آتے ہیں انکے پاس وقت ہوتا ہے وہ ایسی کتابوں کو پڑھ سکتے ہیں مگر وہ نماز پڑھ کر چلے جاتے ہیں اور کتابیں الماریوں میں بند ہوتی ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔

اور جہاں تک ہماری مسجدوں کا تعلق ہے تو یہاں پر واضح کتابوں کو چنا جاتا ہے جن میں صحیح عقیدہ بتایا گیا ہو، طلبہ جن سے فائدہ اٹھائیں، کیونکہ جو کتابوں کو خرید کر رکھتا ہے وہ خیر اور نیکی چاہتا ہے، وہ ایسی کتابوں کو وقف نہیں کرے گا جن میں اشعریت یا تفسیر بالرائے ہو، یہ خطرناک تفاسیر ہوتی ہیں، تفسیر میں یا تو لغوی تفسیر ہو جیسے تفسیر ابی حیان، تفسیر ماثور ہو جیسے تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر، اور انہیں میں شوکانی کی تفسیر بھی آسکتی ہے، جنہوں نے لغت اور ماثور دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

اور جہاں تک تفسیر بالرائے کا تعلق ہے جس میں عقل سے تفسیر کی جاتی ہے، اس میں نہ لغت دیکھی جاتی ہے اور نہ حدیث، جو من کو بھا جائے اسکے بارے میں کہہ دیا کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے، اور جو نہ بھائے اسکے بارے میں کہہ دیا کہ اسکے بارے میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے۔

صحیح بات یہ ہیکہ اگر نہیں معلوم ہے تو سوال کرو اور معلومات حاصل کرو پھر اپنی طرف سے کہو کہ استواء کا مطلب غلبہ ہے، آخر اس میں شک کیوں نہیں کرتے؟ یہ علم تم کو کہاں سے آگیا؟ کس نے استواء کو غلبہ سے تفسیر کی ہے یہاں تک تم نے اس پر یقین کرلیا؟ تمہیں اپنے کلام پر شک نہیں ہے، ٹھیک ہے پر تمہارا کلام علم بھی نہیں ہے۔

اب ایسی کتابوں کو جب مساجد میں رکھا جائے گا تو نوجوانوں پر اس کا کیا اثر ہوگا، وہ یہی کہے گا کہ فلاں کتاب میں فلاں مفسر نے کہا ہے کہ استواء کا مطلب غلبہ ہے۔ پھر وہ وہی کلام دوسروں کو بھی بتائے گا۔ تو کیا آپ بھلائی چاہتے ہیں یا لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں؟! لہذا ایسی تفسیریں پڑھو جو معروف اور معتبر ہیں، ان کا پڑھنا اور استفادہ کرنا آسان ہو۔ واللہ اعلم

سوال نمبر ۳:

کیا قرآن پاک کے اندر یا عربی زبان کے اندر (من) زائدہ پایا جاتا ہے؟ جواب دیکر شکریہ کا موقع دیں۔

جواب:

کتب تفسیر میں یہ بات اکثر آتی ہے کہ یہاں پر (من) زائدہ ہے، فاء زائدہ ہے، کاف زائدہ ہے، جیسے کہ اللہ تبارک وتعالی کے اس قول میں: (لیس کمثلہ شیء)، کہتے ہیں کہ یہاں پر کاف زائدہ ہے، یہ اصلا (لیس مثلہ شیء) کے معنی میں ہے۔

زائدہ کا مطلب: حرف زائد کا مطلب یہ ہیکہ قرآن یا لغت میں ایسا کوئی حرف زائد نہیں ہے جس کا کوئی معنی اور فائدہ نہ ہو، چنانچہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حرف زائد ہے تو اسکا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اسے ایک زائد معنی کیلئے لایا گیا ہے جو اس حرف کے معانی میں سے ایک زائد معنی پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ ہر حرف کے کئی معانی ہوتے ہیں۔

چنانچہ اس آیت کے اندر کاف کو تشبیہ کیلئے نہیں لایا گیا ہے جو کہ کاف کے معانی میں سے ایک معنی ہے، بلکہ یہاں پر تاکید نفی کیلئے لایا گیا ہے، سو قرآن کے اندر جس حرف کے بارے میں کہا جائے کہ یہ حرف زائد ہے تو اسکا مفہوم یہ ہوتا ہے اس حرف کے اصلی معنوں میں سے ایک زائد معنی کیلئے لایا گیا ہے۔

سوال نمبر ۴:

سائل محمد علی صابونی کے بارے میں سوال کررہا ہے؟

جواب:

شاید آپ لوگ جانتے ہوں گے یہ وہی شخص ہے جس سے دکتور سفر کا سخت مناظرہ ہوا تھا جن دنوں میں یہ طالب علم تھے، یہاں تک کہ دکتور ہو گئے۔

صابونی دراصل اس بھیگی ہوئی صابون کی طرح ہیں جسے پکڑنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ یہ جناب کبھی خود کو سلفی کہتے ہیں، اور کبھی تلبیس ابلیس کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اشاعرہ ہی سلف ہیں، یا کہتے ہیں کہ اشاعرہ سلف میں سے ہیں، یہ دراصل اشعریت اور سلفیت کے درمیان فرق کو بتانا نہیں چاہتے۔ بلکہ یہ نوجوانوں کو دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی باتوں سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ صوفیت، اشعریت اور سلفیت میں کوئی فرق نہیں ہے، ان میں سے ہر ایک ایک ہی باب سے اور ایک ہی شاخ سے نکلے ہوئے ہیں۔

میری ان سے صرف ایک ملاقات ہوئی ہے، میرے لئے یہی ظاہر ہوا کہ وہ حق پہچانتے ہیں، مگر وہ نہیں چاہتے کہ جو انہوں نے پڑھا اور جس سے انہیں انسیت ہوگئی ہے اسے چھوڑ دیں، کیونکہ اس سے منہج سلف لوگوں کے سامنے واضح ہو جائے گا۔ مکہ مکرمہ میں اتنی لمبی مدت تک رہ کر انہیں حق کی پہچان ہو گئی تھی، وہ اچھی طرح منہج سلف کو جانتے تھے اور منہج سلف اور منہج خلف میں فرق بھی جانتے تھے، مگر وہ اعتراف حق سے عاجز تھے اور بھاگتے تھے، ممکن ہے اعتراف حق سے وہ رکے رہے ویسے ہی جیسے ابو طالب کے ساتھ ہوا تھا کہ جنہوں نے قبول حق سے منع کر دیا ورنہ انہیں اسکا اعتراف تھا اور وہ جانتے تھے کہ حق کیا ہے۔

صابونی کی کتاب (صفوۃ التفاسیر) کے اندر اچھی باتیں بھی ہیں، مگر اس میں بعض تاویلات بھی

پائی جاتی ہیں، البتہ یہی لگتا ہے کہ اس کتاب کو سلفی ماحول میں لکھا ہے، مگر ہمارے بعض ساتھی اس تفسیر پر نقد کرتے ہیں بایں طور کہ اس میں بلاغی نقاط بہت بیان کئے گئے ہیں، مگر جو قرآن کی بلاغت واضح کرے تو اس میں کسی عیب کی بات نہیں ہے، یہ تو قابل تعریف ہے، اس تفسیر میں عیب کی بات یہ ہیکہ حق جاننے کے بعد بھی نصوص صفات کی تاویل کی ہے، اپنے قدیم ماحول اور مشائخ کا خیال کر کے۔

اسی باب میں عیب لگا سکتے ہیں۔ اور اس کتاب کا نام صفوۃ التفاسیر رکھا کیوں کہ یہ بہت مختصر ہے، گرچہ بعض دفعہ یہ اختصار مخل ہو جاتا ہے، البتہ انہوں نے مختصر معانی بیان کئے ہیں جن سے طلبہ مستفید ہو سکتے ہیں، اور ہم انکے عقیدے اور منہج میں گرچہ ان سے اختلاف رکھتے ہیں، مگر یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ انکے علم وفہم پر سمجھوتہ کریں، انہیں عربی زبان اور بالخصوص بلاغت میں مہارت حاصل تھی۔

چنانچہ ایک طالب علم اگر اس کتاب سے بلاغی نکتوں کو جاننا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ استفادہ کرے، کیونکہ یہ کتاب احیاء علوم الدین کے مقابلے میں زیادہ بری نہیں ہے بلکہ اس کے مقابلے کئی گنا زیادہ بہتر اور مفید ہے۔

احیاء علوم الدین کے مقابلے صفوۃ التفاسیر زیادہ خراب نہیں ہے، میری ملاقات صاحب کتاب سے کافی عرصہ پہلے ہوئی تھی پر اس وقت کتنی سدھار آئی مجھے نہیں معلوم!! ممکن ہے منہج سلف پر کلی طور پر آگئے ہوں کیونکہ وہ مکہ مکرمہ ہی کے اندر سلفیوں کے بیچ میں رہتے ہیں اور سلفی طلبہ سے انکی گفتگو ہوتی رہتی ہے جس نے انکی فکر کو کافی متاثر کیا ہے، مگر ہوتا یہ ہیکہ بہت سے لوگ غرور اور تعصب کی بنا پر حق کو قبول نہیں کرتے، جہاں تک ان کا مسئلہ ہے تو ان تک حق بات پہونچ چکی ہے اور یہ سمجھ بھی چکے ہیں جیسا کہ انکی کتابیں اور گفتگو سے پتہ چلتا ہے، واللہ اعلم، نسال اللہ لنا ولہ الھدایہ والتوفیق۔

قرة عيون السلفية

یعنی سوالات و جوابات کا
ایک سلفی مجموعہ
حدیث سے متعلق فتاوے

سوال نمبر ۱:

کیا حدیث قدسی کے اندر ہم (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ سکتے ہیں؟ اور حدیث قدسی کو روایت بالمعنی کر سکتے ہیں؟ یعنی کیا اسکا مفہوم روایت کر سکتے ہیں؟

جواب:

حدیث قدسی روایت کرتے وقت کہا جائے گا: (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما یرویہ عن ربہ)، اہل علم حدیث قدسی کو اسی طرح روایت کرتے ہیں، کیونکہ حدیث قدسی لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے اللہ کا کلام ہوتا ہے، یہ دوسری حدیثوں کی طرح نہیں ہوتی، ان کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہیں اور معانی اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ [3] إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ) ترجمہ: اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ [3] وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔

یہاں پر وحی معنوی طور پر ہوتا ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فصیح عربی عبارت میں ادا کردیتے ہیں، جیسا کہ ایک جگہ فرمایا: (إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوَى) ترجمہ: تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر عمل کا نتیجہ ہر انسان کو اس کی نیت کے مطابق ہی ملے گا۔ اس حدیث کا معنی اللہ کی طرف سے ہے جبکہ الفاظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں، مگر حدیث قدسی جسکے الفاظ اور معنی دونوں اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس بات کی صراحت کرتے ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان الفاظ کی نسبت بھی اللہ کی طرف کرتے ہیں، جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ نے فرمایا: (يَا عِبَادِي: إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوا، يَا عِبَادِي: كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ) ترجمہ: اے میرے بندو! میں نے ظلم کو

اپنے او پر حرام کیا اور تم پر بھی حرام کیا، تو تم مت ظلم کرو آپس میں ایک دوسرے پر۔ اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو مگر جس کو میں راہ بتلاؤں تو مجھ سے راہ مانگو میں تم راہ بتلاؤں گا۔

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ اگر ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ حدیث قدسی میں لفظ اور معنی دونوں اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں تو پھر اس میں اور قرآن میں کیا فرق ہے؟

جواب:

اہل علم نے بہت سارے فروق بیان کئے ہیں انہیں میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے:

* حدیث قدسی کے ذریعے نماز نہیں ہوگی۔
* حدیث قدسی کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے۔
* حدیث قدسی سند کے اعتبار سے صحیح اور ضعیف دونوں ہوسکتی ہے۔
* حدیث قدسی کے اندر روایت بالمعنی جائز ہے جب کہ قرآن میں جائز نہیں ہے۔

ان فروق کے ذریعے ہم حدیث قدسی اور قرآن کے درمیان فرق کر سکتے ہیں، ورنہ اہل علم کے نزدیک صحیح قول کے مطابق حدیث قدسی اللہ ہی کا کلام ہے، اور بعض اہل علم اشاعرہ کی اصطلاح سے متاثر ہو کر کہتے ہیں: حدیث قدسی کے اندر الفاظ اور معنی دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ اشاعرہ کے عقیدے میں ملوث ہو گئے مگر انہیں احساس ہی نہیں ہوا، یہ اشاعرہ نے اسلئے کہا ہے کیونکہ انکے نزدیک لفظی کلام اللہ پر محال ہے۔

اور قرآن خود اشاعرہ کے نزدیک اللہ کا کلام نہیں ہے، اسی قاعدے کے مطابق انکے نزدیک حدیث قدسی بھی اللہ کا کلام نہیں ہے، اسلئے مولف اور کاتب سب کو اشاعرہ کے اس اصول سے آگاہ رہنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ اب علم اصول اور مصطلح الحدیث میں داخل ہے، اسی لئے اس قاعدے سے بعض لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ اور اسے مسلمہ اصول کے طور پر مان کر حدیث قدسی کو لفظ اور معنی دونوں

اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا کلام مان لیتے ہیں، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس حدیث کو بیان کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے، یعنی اس کلام کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کرتے ہیں، آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کلام کی نسبت اللہ کی طرف کیسے کر سکتے ہیں اگر اسکا کلام نہیں ہو گا، آپ نے فرمایا ہے کہ یہ کلام اللہ کا ہے اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (يَا عِبَادِي: إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوا، يَا عِبَادِي: كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ)

ترجمہ: اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا اور تم پر بھی حرام کیا، تو تم مت ظلم کرو آپس میں ایک دوسرے پر۔ اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو مگر جس کو میں راہ بتلاؤں تو مجھ سے راہ مانگو میں تم راہ بتلاؤں گا۔

اس روایت کے اندر قائل اللہ تعالی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف روایت کیا ہے اور اللہ کی طرف سے خبر دی ہے۔

ان فروق کے جاننے کے بعد پتہ چلا کہ حدیث قدسی اللہ کا کلام ہے گرچہ ہمارے بعض علماء اور محققین اسکے برخلاف کہتے ہیں کیونکہ وہ اشاعرہ کے اصول کی سنگینی سے واقف نہیں ہو سکے اسلئے کہ اس اصول کو انہوں نے سلفی کتابوں کے اندر دیکھا ہے جہاں انکے آراء کو نقد کرنے کیلئے نقل کیا جاتا ہے۔

مثلاً شیخ خلیل ہراس اور شیخ حامد الفقی جیسے لوگوں نے اس عقیدہ کو اس بنیاد پر سیکھا کہ یہ اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ ہے، پھر اللہ تعالی نے انہیں توبہ کی توفیق عنایت فرمائی، اور اس عقیدے سے توبہ کر لیا، چنانچہ ان لوگوں کو ہر آفت کا اندازہ ہے۔ مگر بعض ہمارے وہ فاضل علماء جنہوں نے اس منہج کو نہیں پڑھا ہے بلکہ انہوں نے سلفی منہج ہی ہو پڑھا ہے، اور انکے عیوب کو انہیں کتابوں کے مطالعہ کے دوران جانا جن کے اندر انکے عقیدے پر نقد کیا جاتا ہے جیسے ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابن القیم رحمہ اللہ اور محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی کتابیں۔

ان ائمہ دین کو معلوم تھا کہ ان کے یہاں کیا برائی اور عقیدے کی کیا خرابی ہے، اسی لئے اسے اپنی کتابوں میں داخل نہیں کیا ہے، کہ کہیں اسے بھی اسی طرح نہ پڑھ لیا جائے جن سے دوسروں کے یہاں پڑھا جاتا ہے، اور دونوں نوعیت میں بہت فرق ہے، اسی لئے انہوں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس کلام کو غور سے سمجھا: (إنما تُنقَضُ عُرى الإسلام عروة عروة إذا نشأ في الإسلام من لم يعرف الجاهلية) ترجمہ: اسلام ایک ایک کڑی کر کے ٹوٹتا چلا جائے گا جب ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو جاہلیت کی خبر نہیں رکھیں گے۔

اس کلام کی تحلیل کیلئے میں ابن القیم کی کتاب الفوائد کا حوالہ دوں گا جس کے اندر علامہ ابن قیم نے اس کلام کی بہترین تحلیل کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ صحابہ کرام ایک طرف مجرمین کے راستے کو جانتے تھے اور دوسری طرف مسلمین کے راستے کو بھی جانتے تھے، اور اس طرح ان پر معاملہ مشکوک اور مشتبہ نہ رہا، اور یہاں پر لوگوں کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں، اسکے لئے الفوائد کی طرف رجوع کریں۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ کلام بہت عظیم ہے، یہ چیز ہمارے نوجوان ساتھیوں اور ہمارے مولفین کے یہاں پائی جاتی ہے، مگر کبھی کبھی اشاعرہ کے عقدی مسائل کو لیکر غلطیاں ہو جاتی ہیں، اسلئے کہ انہوں نے انکے عقائد کو گہرائی سے نہیں پڑھا ہے بلکہ دوسروں کے واسطے سے انکی حقیقت معلوم کی ہے۔ واللہ اعلم۔

قرة عيون السلفية

یعنی سوالات وجوابات کا

ایک سلفی مجموعہ

عقیدے سے متعلق سوالات:

سوال نمبر ۱:

شیخ نے کہا: اسلام کہتے ہیں اللہ کی توحید کا اقرار کرنا، اسکی اطاعت وفرمانبرداری کرنا اور شرک سے پاک ہونا۔ تو کیا شرک کے ساتھ بدعت کے لفظ کا بھی اضافہ کرسکتے ہیں؟

جواب:

بدعت کی اضافت (محمد رسول اللہ) کی تفسیر کے وقت کرسکتے ہیں، نہ کہ اسلام کی تفسیر کے وقت، شیخ نے جب (محمد رسول اللہ) کی تفسیر کی ہے اس وقت کیا کہا ہے؟ یہی کہا کہ ان چیزوں کی تصدیق کرنا جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا ان تمام چیزوں میں جن کا آپ نے حکم دیا ہے، اور ان تمام چیزوں سے اجتناب کرنا جن سے آپ نے منع کیا ہے اور اللہ کی عبادت اسی طریقے پر ہو جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے ہیں۔

آخری جملے کا وہی مطلب ہے جو آپ مراد لے رہے ہیں، یعنی وہ بدعات کا ارتکاب نہ کرے کیوں کہ یہ آپ کے اس قول کے مخالف ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

سوال نمبر ۲:

ایک لمبا سوال ہے جس کا خلاصہ یہ ہیکہ بعض اہل علم نے عقیدے کے باب میں غلطی کی ہے، بلکہ بسا اوقات انہوں نے اشعری طریقے پر صفات باری کی تاویل بھی کی ہے، کچھ نے زیادہ کیا ہے کچھ نے کم، کچھ سال پہلے امام شہید حسن بنا بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے، ایسے لوگوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ہم ابھی چھوٹے طلبہ ہیں ایسے کبار علماء کے تعلق سے ہمارا کیا موقف ہونا چاہیے؟

جواب:

سب سے پہلے میں (شہید حسن بنا) کہنے پر تبصرہ کروں گا، دراصل ہم اپنی طرف سے کسی کو شہید نہیں کہہ سکتے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ شہید کون ہے، اور شہید کون نہیں ہے، کون میدان جنگ میں جا کر شہید ہو کر مرتا ہے اور کون نہیں، لوگ افغانستان جا کر وہاں جہاد کرتے ہیں پھر مارے جاتے ہیں، کیا ہم انکے بارے میں شہید کہہ سکتے ہیں؟ نہیں، کیونکہ شہید اسے کہتے ہیں جو اس لئے کفار سے جہاد کرتا ہے تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، اور آپ نہیں جانتے کہ اس مقصد کیلئے کون جہاد کرتا ہے۔

اس لئے ہم کسی کے بارے میں یہ گواہی نہیں دے سکتے کہ فلاں شہید ہے خواہ وہ میدان جنگ میں مارا جائے یا کسی ظالم نے اسے مارا ہو، جیسے حسن بنا ہی کا قتل ہوا۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دھوکے سے قتل کیا گیا، اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا، کیا کبھی آپ نے سنا کہ کوئی انہیں شہید عمر یا شہید عثمان کہتا ہو؟! دراصل یہ عبارت یعنی ایسا کہنا سلف کے یہاں رائج نہیں تھا، یہ دور جدید کی ایجاد ہے، یہ جائز نہیں ہے کہ جو بھی میدان جنگ میں مارا جائے یا کسی ظالم نے قتل کر دیا ہو تو اسے ہم شہید کہنے لگیں، اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ہم حسن بنا کی برائی کر رہے ہیں، میں نے بارہا کہا ہے کہ انکے یہاں کچھ ایسی خوبیاں بھی تھیں جو ازہریوں کے یہاں بھی نہیں پائی جاتی ہیں۔ مگر انکا شمار کبار علماء میں نہیں ہوتا ہے، وہ ایک عام طالب علم تھے، البتہ اصلاحی میدان میں

انہوں نے دوسروں کے مقابلے اچھا کام کیا ہے۔

حسن بنا جس وقت میدان عمل میں آئے اس وقت علاقے کے نوجوان باراور قہوہ خانوں میں وقت گزارتے تھے، انہوں نے نوجوانوں کو وہاں سے نکال کر مساجد کا راستہ دکھایا، انکی اصلاح کی، اور بہت سارے اصلاحی کام کئے، وہ ایک داعی تھے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حسن بنا کا عقیدہ بھی صحیح تھا، بلکہ وہ کوئی مشہور عالم بھی نہیں تھے، نہ ہی احکام دین میں اور نہ ہی عقائد میں، وہ عقیدے میں اشعری تھے، عبادات میں صوفی تھے، وہ اپنے صوفی سلسلے پر فخر کرتے تھے، بڑے احترام سے اسکا نام لیتے تھے، کیونکہ انکا پیر طریقت انکے والد کا بھی پیر تھا، اسی طرح حسن بنا کہا کرتے تھے۔

ملاحظہ:

حسن بنا کے تعلق سے شیخ کی یہ رائے بہت قدیم ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب شیخ کو حسن بنا کے منہج ومسلک کا باقاعدہ علم نہیں تھا، مگر جب حسن بنا اور انکے پیروکاروں کا حال واضح ہوگیا تو ان سب کے تعلق سے شیخ نے بہت کچھ کہا اور لکھا، انہیں میں یہ بھی ہے: حقیقت یہ ہیکہ اس وقت جو میں نے حسن بنا کے تعلق سے کہا اس سے وہ حسن بنا مراد نہیں ہیں جس حسن بنا کو میں نے بعد میں جانا، اس وقت میں یہی سمجھتا تھا کہ وہ ایک مصلح داعی ہیں، اور ان کی جماعت ایک اصلاحی سماجی اسلامی دعوت کا نام ہے، گرچہ کامیاب نہیں ہوئے، مگر بعد میں واضح ہوا کہ وہ ایک سیاسی قومی تنظیم ہے، اسکے یہاں تشکیل جماعت کے اندر مسلم وغیر مسلم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس تنظیم کے اندر مسلم وغیر مسلم سب پائے جاتے ہیں، اس طرح یہ ایک سیاسی جماعت ہے جو قومی پیمانے پر اسی طرح اپنے مقاصد رکھتی ہے جس دوسری سیاسی جماعتیں رکھتی ہیں، یہی میں نے اب سمجھا ہے، طالب علم نے ممکن ہے پہلے کی بات کو مدح کے پیرائے میں سمجھ لیا ہو مگر میرا مقصد

وہ نہیں ہے۔

ان سب کے باوجود میں آپ کے بارے میں (رحمہ اللہ) کہتا ہوں، اس پر تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ لوگوں کیلئے رحمت کی دعا مطلوب ہے اس وقت تک جب تک یک نہ معلوم ہو جائے کہ وہ کافر یا مرتد ہے، ایسا ہم ان لوگوں کے بارے میں کہہ بھی نہیں سکتے، گرچہ انکے یہاں غلطیاں ہیں، یہ غلطیاں بھیانک بھی ہوسکتی ہیں، جیسے اسماء وصفات اور عبادات کی غلطیاں، مگر ان غلطیوں پر ہم انہیں معذور سمجھ لیں گے اس ماحول کی وجہ سے جس میں رہتے تھے، کیونکہ ایسے لوگوں کا مقصد اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت نہیں ہے، اسلئے یہ معذور ہیں۔

ان لوگوں نے اپنے اسی عقیدے کو شبہات کی بنیاد پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا عقیدہ سمجھ لیا ہے، ایسے لوگوں میں بڑے بڑے ائمہ دین بھی ہیں جنہوں نے دین اسلام کی خاطر گرانقدر خدمات انجام دینے ہیں، چنانچہ انہوں نے بیان حق، دفاع کتاب وسنت اور بالخصوص خدمت سنت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں جیسے حافظ ابن حجر، امام نووی اور امام بیہقی وغیرہ، اور ساتھ ہی ان سے تاویلات بھی سرزد ہوئی ہیں جن میں یہ سب معذور ہیں۔

اور میں نے بارہاں یہ کہا ہے کہ ایسے مسئلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے موقف کو پڑھیں جسے آپ نے اپنی کتاب (الرد علی البکری) کے مقدمے میں بیان کیا ہے، بلکہ ان مسائل کو بڑے ہی اختصار سے شیخ ابن عثیمین نے اپنی کتاب (القواعد المثلی) میں بیان کیا ہے، اسی طرح میں نے بھی اپنی کتاب (الصفات الالھیہ) کے اندر جو میسر ہوا بیان کر دیا ہے۔

طلبہ کو چاہیئے کہ بغیر سوچے سمجھے سوالات نہ کریں بالخصوص وہ طلبہ جو جامعات میں اعلی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ایسے طلبہ کو مجرد توجیہ اور رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے، وہ لائبریریوں میں جا کر علمی کتابوں سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

بہرصورت سائل نے جن ائمہ کا ذکر سوال میں کیا ہے ان کا حال امام شوکانی جیسا ہے، مجھے امید ہے کہ عند اللہ یہ سب معذور رہوں گے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالی اس شخص کو معاف معذور سمجھ سکتا ہے جو شراب کی حرمت کو نہ جان کر پی لیتا ہے اسی طرح ترک صلاۃ کا حکم نہ جان کر چھوڑ دیتا ہے، تو ایسے ائمہ کو بھی معذور سمجھ لے گا جنہوں نے معرفت حق کیلئے پوری کوشش صرف کردی مگر سمجھنے سے عاجز رہے۔ یہ عذر کے زیادہ لائق ہیں۔

سوال نمبر ۳:

اگر کوئی شخص یہ حدیث بیان کرے کہ بندوں کے دل رحمن کی انگلیوں میں سے میں دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں، پھر اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کرے، تو اس تشبیہ کا کیا حکم ہے؟

جواب:

تعجب ہے، اگر آپ کہتے کہ اس اشارے کا کیا حکم ہے؟ تو یہ انصاف کی بات ہوتی، آخر اسے آپ نے تشبیہ کا نام کیوں دیا؟

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت پڑھی: (وكان الله سميعا بصيرا) اور اشارہ کیا، تو کیا آپ مشبہ ہو گئے؟؟ نہیں ہر گز نہیں۔

اسی طرح جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن کہا تھا: (اللهم فاشهد) یعنی اے اللہ! تو گواہ رہ اور اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا تھا درج ذیل حدیث کہنے کے بعد:

(وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابُ اللَّهِ، وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟، قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ، فَقَالَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ: اللَّهُمَّ اشْهَدِ اللَّهُمَّ اشْهَدْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ)

ترجمہ: اور تمہارے درمیان چھوڑے جاتا ہوں میں ایسی چیز کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہو اللہ کی کتاب اور تم سے سوال ہو گا (قیامت میں) اور میرا حال پوچھا جائے گا پھر تم کیا کہو گے؟" تو ان سب نے عرض کی کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا پیغام پہنچایا اور رسالت کا حق ادا کیا اور امت کی خیر خواہی کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا اپنی انگشت شہادت (کلمہ کی انگلی) سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور لوگوں کی طرف جھکاتے

تھے اور فرماتے تھے: "یا اللہ! گواہ رہو، یا اللہ! گواہ رہو، یا اللہ! گواہ رہو۔" تین بار یہی فرمایا اور یونہی اشارہ کیا۔

سوال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی کس کی طرف اٹھائی تھی؟ اللہ کی طرف، اور یہ کہہ رہے تھے: یا اللہ! گواہ رہنا۔ کیونکہ اللہ تمام مخلوقات کے اوپر ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر اللہ کو گواہ بنا رہے تھے، بایں طور لوگوں نے بھی اسکی گواہی دی۔

چنانچہ یہاں اشارہ تاکید کیلئے ہے، تشبیہ کیلئے نہیں ہے، بلکہ حقیقی معنی کی تاکید کیلئے، کیونکہ کوئی بات کہہ کر جب آدمی اپنی انگلیوں سے اشارہ بھی کر دیتا ہے تو اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس پر وہ کلام کرتا ہے، اس میں کوئی تشبیہ نہیں ہوتی، اسلئے حکم لگانے میں جلدی نہیں کرنا چاہئیے کہ یہ تشبیہ ہے۔

سوال نمبر ۴:

کیا (المغیث) اللہ کے ناموں میں سے ہے؟

جواب:

جہاں تک مجھے علم ہے، یہ اللہ کے ناموں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ خبر کے طور پر استعمال ہوتا ہے اسی طرح جیسے اور دوسرے کلمات ہیں جیسے صانع، متکلم اور مرید وغیرہ۔ بطور خبر کے یہ کہا جائے گا کہ اللہ اس کائنات کا صانع ہے، مگر الصانع اللہ کے ناموں میں سے نہیں ہے، اسی لئے کہتے ہیں کہ اخبار کے باب میں جو جائز ہے وہ اسماء وصفات کے باب میں نہیں۔ یعنی بطور خبر کے ایسے الفاظ کا استعمال کر سکتے ہیں مگر بطور اسماء وصفات کے نہیں کر سکتے۔

سوال نمبر ۵:

نظر بد اور حسد سے خوف کرنا دونوں ایک ہی معنی میں ہے، کیا اس سے صحیح عقیدے پر کوئی ضرب پڑتی ہے؟ وضاحت مطلوب ہے۔

جواب:

نظر بد ہی کو بہت سے لوگ حسد کہتے ہیں، مفہوم ایک ہی ہے، اگر آپ کو کسی کے بارے میں معلوم ہو کہ اس سے نظر بد ہوتا ہے، آپ اس سے خائف ہوں تو اس وقت کیا کرنا چاہیے؟ اس وقت آپ اللہ کی پناہ مانگیں، اللہ کی طرف رجوع کریں اور دعاء کریں کہ اللہ تعالی آپ کو اس کی نظر بد کے شر سے بچالے، یہ شرک نہیں ہے، یہ طبعی اور فطری خوف ہے۔

آپ کسی شخص سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ وہ آپ کو چاقو مار دے گا یا وہ آپ کو زہر دے دے گا، اسی طرح آپ کسی شخص سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ وہ آپ کو نظر بد کر دے گا دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اسلئے کہ اسکی آنکھ میں بھی معنوی زہر ہوتا ہے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ آپ اللہ تعالی کی طرف رجوع کریں اور دعاء کریں کہ وہ آپ کو اس کے شر سے محفوظ رکھے، اس سے آپ کے عقیدے پر کوئی ضرب نہیں پڑے گی۔

سوال نمبر ٦:

ایک شخص پوچھتا ہے کہ آپ نے اپنے رب کو کیسے پہچانا؟ اسکی معرفت کیسے حاصل کی؟ تو یہاں معرفت سے کیا مقصود ہوتا ہے؟

جواب:

یہاں معرفت سے مراد آپکی معرفت ہے، یہ اللہ کی صفت نہیں ہے، آپ نے اللہ کی معرفت حاصل کی ہے، یہاں معرفت علم کے معنی میں ہے، یعنی آپ نے اپنے رب کو کیسے جانا؟ اسکے وجود کو جانا اور اسکے صفات کو جانا، کیسے؟ اسکی مخلوقات کے ذریعے، چنانچہ اللہ کی معرفت وحی پر موقوف نہیں ہے، اللہ کی معرفت فطرت پر موقوف ہے، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَثَلِ الْبَهِيمَةِ تُنْتَجُ الْبَهِيمَةَ، هَلْ تَرَى فِيهَا جَدْعَاءَ؟ ".

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ کی پیدائش فطرت پر ہوتی ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں بالکل اس طرح جیسے جانور کے بچے صحیح سالم ہوتے ہیں۔ کیا تم نے (پیدائشی طور پر) کوئی ان کے جسم کا حصہ کٹا ہوا دیکھا ہے۔

اس لئے یہاں مراد یہی ہے کہ اس نے اپنے رب کو عقل سلیم سے پہچانا، فطرت سلیمہ سے جانا، مگر صرف دلیل فطرت سے بندوں پر حجت قائم نہیں ہوگی، اور نہ ہی عقل سے حجت قائم ہوگی، حجت کیلئے وحی کا ہونا ضروری ہے، وحی سے ہی اللہ کی معرفت مکمل ہوگی، اور ساتھ ہی مضبوط بھی ہوگی، جس سے بندوں پر حجت تمام ہو جائے گی۔

چنانچہ اگر بندوں پر حجت فطرت اور عقل سے پوری ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ رسولوں کو مبعوث نہ کرتا اور نہ ہی کتابوں کو اتارتا، مگر چونکہ یہ دلائل بندوں پر حجت کے قیام میں متعاون ہوتے ہیں اسی لئے ان کا انتظام کیا۔

سوال نمبر ۷:

معتزلہ کہتے ہیں: (إن الله عالم بذاته وقادر بذاته) یعنی اللہ تعالی ذات کے اعتبار سے عالم اور ذات کے اعتبار سے قادر ہے۔ اس کا کیا مفہوم ہے؟

جواب:

یہ بے معنی کلام ہے، اسکا مقصد اثبات علم سے فرار ہے، دراصل ان کے یہاں اثبات صفات جائز نہیں ہے، اسلئے اگر آپ نے علم کو ثابت کر دیا تو ایسی صورت میں یا تو آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ کی ذات کی قدامت کے ساتھ صفت علم بھی قدیم ہے، پھر اس سے تعدد قدماء لازم آئے گا، یا پھر کہیں کہ علم قدیم نہیں بلکہ حادث ہے، تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ کی ذات حوادث کا محل ہے۔ انہیں ساری باطل اور فضول فلسفیانہ موشگافیوں کی وجہ سے یہ اثبات علم سے بھاگتے ہیں، اور یہی ان کے اجتہاد کی انتہاء ہے، حالانکہ انہیں وحی الہی کی طرف بھاگنا چاہئے تھا جس میں کہ اللہ تعالی صاف صاف کہہ رہا ہے: {لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ} ترجمہ: اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالی نے اس آیت کے اندر دو صفتوں کو ثابت کیا ہے، اور اس باب میں مماثلت کی نفی بھی کیا ہے، یعنی آپ صفات کو ثابت بھی کریں گے اور کتاب وسنت کے اندر ثابت شدہ صفات باری کے درمیان اور مخلوقین کی صفات کے درمیان کسی بھی طرح کی مماثلت اور مشابہت کی نفی بھی کریں گے، اور یہی وہ صحیح اور سالم تنزیہ اور پاکی ہے جو قرآن کے اندر آیا ہے، مگر معتزلہ نے کتاب وسنت سے اعراض کیا، اور اللہ کی تنزیہ خود اپنی طرف سے کی، اسی لئے یہ نفی صفات کے دلدل میں جا پڑے، اور غیر معقول باتیں کہنے پر مجبور ہوئے۔ اور ایسی باتیں کہنی پڑیں کہ اللہ اپنی ذات کے اعتبار سے جانتا ہے نہ کہ اپنی صفت علم کے اعتبار سے، اور اس طرح کا کلام بے معنی ہے۔

سوال نمبر ۸:

کیا یہ ضروری ہے کہ اللہ کی معرفت اسکی نشانیوں اور اسکی مخلوقات کے ذریعے ہو؟ اور کیا انسان پہلے اللہ کی ذات سے ناواقف تھا پھر وہ جب اسکی نشانیوں میں غور کرنے لگا تو اپنے رب کو پہچانا؟ کیا انسان کا اپنے رب کو فطرت ہی سے پہچان لیتا ہے اس کے لئے علمی معرفت کی ضرورت نہیں ہے؟

جواب:

ہم اللہ کی ذات کو اسکی عظیم نشانیوں جیسے آسمان وزمین، لیل ونہار اور شمس وقمر کے ذریعے جانتے ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کو پہچاننے کیلئے ہمیں ان کے اندر غور کرنے کی ضرورت ہے، دراصل یہ دلیل عقلی ہے اور اس سے پہلے دلیل فطری ہے، ایک انسان اپنے رب کو دلیل فطری ہی کے ذریعے پہچان لیتا ہے اگر وہ خاری اثرات سے محفوظ ہے۔

اب اگر اس کے ساتھ اس کے پاس دلیل عقلی بھی آجائے تو ان عظیم نشانیوں کے ذریعے اسکے ایمان میں اضافہ ہوجاتا ہے، اسکا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ اس سے پہلے آپ اللہ کی ذات سے ناواقف تھے یہاں تک کہ جب ان نشانیوں میں غور کیا تو پھر اپنے رب کو پہچانا، ایسی بات نہیں ہے، بلکہ آپ اس سے پہلے بھی اپنے رب کو فطری طور پر پہچانتے تھے۔

سوال نمبر ۹:

سائل کہتا ہے: اشاعرہ اور ماتریدیہ میں کیا فرق ہے؟

جواب:

اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، بس شکلی طور پر فرق ہے، جوہری طور پر کوئی فرق نہیں ہے، ان کا مذہب ایک ہے، یعنی صفات خبریہ اور صفات فعلیہ کی تاویل کے وجوب میں، ہاں وہ چند مسائل کے اندر آپس میں اختلاف رکھتے ہیں، ان مسائل کو آپ اپنے ہاتھ کی انگلیوں پر گن سکتے ہیں، انہیں یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ کسی لائق اعتناء نہیں ہیں۔

❁❁❁

سوال نمبر ۱۰:
خلق قرآن کہنے سے کیا لازم آئے گا؟

جواب:

جو خلق قرآن کا عقیدہ رکھے گا اس حال میں کہ وہ جہالت یا کسی شبہے کی وجہ سے معذور نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ کافر ہوگا، سلف کا اجماع ہے ایسی شخص کی تکفیر پر جو خلق قرآن کا عقیدہ رکھتا ہے۔ تکفیر کی دلیل کیا ہے؟ تکذیب فرمان باری ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: {وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ} ترجمہ: اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دے، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پر پہنچا دے۔ یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔

نبی اکرم ﷺ نے مشرکین پر جس کلام کی تلاوت کی اور مشرکین نے جسے سنا اس کلام اور قرآن کو اللہ نے اپنا کلام کہا ہے، جیسا کہ فرمایا: (حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ): یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے، اب ایسی صورت میں جو یہ کہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے تو وہ کافر ہوگا؛ اسلئے کہ اس نے اللہ کی تکذیب کی، اور جو اللہ یا اسکے رسول کی تکذیب کرے وہ بالاتفاق کافر ہے۔

البتہ میں یہاں بھی یہ اشارہ کرتا چلوں جیسا کہ اس سے پہلے کہہ چکا ہوں کہ ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جو کفریہ کلام کہے وہ کافر ہے، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ جو کفریہ عمل کا ارتکاب کرے وہ کافر ہے؛ بلکہ پہلے ضروری ہے کہ اس سے معذرت اور شبہات کا پتہ لگایا جائے، بطور خاص موجودہ وقت میں، کیونکہ یہ دور جہالت اور شبہات کی کثرت کا ہے۔ مگر اصلی حکم یہی ہے کہ جو خلق قرآن کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔

❁❁❁

سوال نمبر ۱۱:

کتاب وسنت میں مجاز کہنے سے کیا مرتب ہوگا؟

جواب:

کتاب وسنت کے اندر مجاز کہنا یا نہ کہنا ایک طویل بحث ہے، مگر یہاں اختصار کے ساتھ یہ کہوں گا کہ نصوص صفات کے اندر مجاز کا کہنا مناسب نہیں ہے، البتہ صفات کے علاوہ دوسری جگہوں پر گنجائش ہے، ہاں دوسری جگہوں پر بھی اختلاف ہوسکتا ہے مگر وہ لفظی ہوگا جوہری اختلاف نہیں ہوگا، جیسے کہ بستی سے سوال کرنے والی آیت ہے: {وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ} ترجمہ: اور اس بستی سے پوچھ لے جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے بھی جس میں ہم آئے ہیں اور بلا شبہ ہم یقینا سچے ہیں۔

اب یہاں اگر آپ مجاز کے قائل ہیں تو مجازی معنی بھی مراد لے سکتے ہیں اور آپ حقیقت پر بھی اسے محمول کرسکتے ہیں؛ اسلئے کہ بستی کا اطلاق بسنے والوں سے خالی ویران گھروں پر نہیں ہوتا ہے، بستی اسی وقت کہا جائے گا جب وہاں پر بسنے والے بھی ہوں گے، چنانچہ جب آپ کہتے ہیں کہ میں فلاں بستی سے فلاں بستی کیلئے روانہ ہوا، تو اسکا یہی مقصد ہوتا ہے کہ آپ اس سے ایسی گھروں کو مراد لیتے ہیں جن کے اندر بسنے والے رہتے ہوں، یعنی بستی کا اطلاق بسیرا اور بسنے والے دونوں پر ہوگا۔

اس لفظی اختلاف کو طول دینا مناسب نہیں ہے، مگر یہ جاننا ضروری ہے کہ نصوص صفات میں مجاز کے استعمال کرنے سے تعطیل صفات لازم آئے گا، یہی علمائے کلام نے کیا ہے؛ کیونکہ مجاز کہنے کا مطلب ہی ہے حقیقت کا انکار کرنا، چنانچہ جب آپ کہتے ہیں کہ صفت علم مجاز ہے یعنی یہ حقیقت نہیں ہے، اب یہاں جائز ہوا کہ آپ صفت علم کا انکار کردیں اسی طرح صفت سمع وبصر، کلام اور دیگر صفات کا انکار کردیں، جبکہ یہ سارے صفات حقیقی ہیں مجازی نہیں ہیں، بلکہ وہ علم اللہ کا ہو یا مخلوق کا سب حقیقت ہے اپنے اپنے اعتبار

سے، اللہ حقیقت میں عالم ہے اور انسان بھی حقیقت میں عالم ہے، البتہ دونوں کے علم میں فرق ہے، انسان کا محدود اور ناقص ہے جبکہ اللہ کا لامحدود اور سب کو محیط اور کامل ہے، اور مجاز کو قرینہ کی ضرورت پڑتی ہے جبکہ حقیقت کو کسی قرینہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالی کے علم اور انسان کے علم کے درمیان اختلاف ہے، ہر ایک کے الگ الگ مواصفات اور خصوصیات ہیں، مگر سب حقائق ہیں، البتہ اگر آپ اس پر تفصیلی معلومات لینا چاہتے ہیں کہ اسکے لئے ابن القیم کی کتاب [مختصر الصواعق المرسلة علی الجھمیه والمعطلة] کا مطالعہ کریں کہ آپ نے اس کتاب کے اندر کئی ابواب خاص کئے ہیں جن کے اندر بہترین علمی مناقشہ کیا ہے، اور اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنی کتاب [الحموية] کے آخر میں باب العلم کے نام سے اس مسئلے پر نفیس بحث کی ہے، مگر یہ باب بعض نسخوں میں موجود نہیں ہے۔

بہرحال میری نظر میں صحیح یہی ہے کہ اسماء وصفات کے باب کو ہمیں حقیقت پر ہی چھوڑ دینا چاہئے اسلئے کہ کلام میں اصل حقیقت ہے، اسکے علاوہ دوسرے ابواب میں مجاز اور لغت کے تعلق سے گنجائش ہونی چاہئے، اگر کوئی معمولی اختلاف ہوگا بھی تو وہ نقصان دہ نہیں ہوگا ان شاء اللہ۔

۞۞۞

سوال نمبر ۱۲:

اسلام کے اندر شیعہ کا کیا حکم ہے؟ کیا ان میں کچھ ایسے ہیں جو اسلام سے خارج ہیں؟

جواب:

اسلام کے اندر شیعہ کا کیا حکم ہے؟ سوال کچھ درست نہیں لگتا، اگر سوال یہ کیا جائے کہ کیا مسلمانوں کے اندر شیعہ پائے جاتے ہیں؟ تو اس کا جواب ہاں میں ہوگا۔ البتہ یہ کب ظاہر ہوئے اور انہیں شیعہ کیوں کہا گیا؟ شیعہ کے فرقے کیا ہیں؟ اس طرح کے کئی سوالات ہو سکتے ہیں۔

شیعہ میں اصل یہ ہیکہ یہ سیدنا علی کی طرف مائل ہو گئے تھے، پھر ان کے اندر بہت سے فرقے وجود میں آگئے، اگر آپ انہیں شمار کرنا چاہتے ہیں اور انکی حقیقت کا پتہ لگانا چاہتے ہیں تو اسکے لئے بغدادی کی کتاب [الفرق بین الفرق]، ابوالحسن اشعری کی کتاب [مقالات الاسلامیین]، شہرستانی کی کتاب [الملل والنحل] اور ابن حزم کی کتاب [الفصل] کا مطالعہ کریں، وہاں آپ سارے فرقوں کی تفصیل پا جائیں گے۔

البتہ یہاں ہمیں مقصود صرف ایک فرقہ ہے اور وہ ہے غالی شیعہ فرقہ جسے روافض کہتے ہیں، اور یہ بھی متفاوت ہیں، ان میں جو اسلام سے سب سے زیادہ دور ہیں بلکہ حقیقت میں وہ مسلمان ہی نہیں ہیں وہ امامیہ ہیں جو خود کو جعفریہ کہتے ہیں، ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، انہوں نے صرف چند کو چھوڑ کر رسول اللہ کے صحابہ کی تکفیر کی ہے، یہ قرآن کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں، اسکے اندر نقص اور تحریف کے قائل ہیں، یہ تمام احادیث کے منکر ہیں سوائے اس حدیث کے جو ائمہ اہلبیت کے طریق سے آئے، جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی گواہی دی ہے ان کے بارے میں یہ دوزخی ہونے کا حکم لگاتے ہیں، ایسے لوگوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان کے علاوہ کے حالات متفاوت ہیں اور اسی تفاوت کے وہ دین اسلام سے قریب اور دور ہیں اور ان میں سب سے زیادہ اسلام کے قریب زیدی فرقہ ہے۔

زیدی فرقہ دین اسلام کے قریب ہے بلکہ انکی تکفیر کوئی نہیں کرتا، اختصار کے ساتھ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دین اسلام سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہیں جنہیں امامیہ اور جعفریہ کہتے ہیں اور یہی روافض ہیں، اور زیدیہ دین اسلام کے سب سے زیادہ قریب ہیں، اور ان دونوں کے اندر بہت فرق ہے۔

۞ ۞ ۞

سوال نمبر ۱۳:

اشاعرہ کون ہیں؟

جواب:

اشاعرہ اہل کلام یعنی متکلمین کا ایک فرقہ ہے، ابو الحسن اشعری کی طرف نسبت کر کے انہیں اشاعرہ کہا جاتا ہے، اور ابوالحسن اشعری اپنی نسبت صحابی رسول سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ ونہ کی طرف کرتے تھے، دراصل ابوالحسن اشعری کی پرورش انکے سوتیلے باپ ابوعلی جبائی کی زیرنگرانی ہوئی تھی اور وہ معتزلی تھے، اور آپ انہیں کے شاگرد رہ چکے ہیں۔

اسلئے اصل سوال معتزلہ کے بارے میں ہونا چاہئے کہ وہ کون ہیں؟

معتزلہ بھی متکلمین ہی کا ایک فرقہ ہے جو صفات باری تعالی کی نفی کرتے ہیں، یہ اللہ کیلئے کسی بھی صفت کو ثابت نہیں کرتے، اور اسی کو یہ اپنے گمان کے مطابق اللہ کی تنزیہ اور اسکی پاکی سمجھتے ہیں، نفی صفات سے مراد یہ ہیکہ اللہ کی کوئی قدرت نہیں ہے، اسکا کوئی ارادہ اور سمع و بصر اور کلام نہیں ہے۔

انہیں معتزلہ کیوں کہا جاتا ہے؟ یہ حسن بصری کی مجلس میں بیٹھتے تھے، ان کا سردار واصل بن عطا تھا، اس نے ایک بار آپ کی مجلس سے نکل کر اعتزال کر لیا یعنی الگ تھلگ جا کر بیٹھ گیا، اور وہیں پر اپنے ساتھیوں کو نئی نئی بائیں بتانے لگا، اور مسلمانوں کے عقائد میں وہ بالکل الگ ہوگیا، اسی لئے انہیں معتزلہ کہا گیا، کیونکہ وہ حسن بصری کی مجلس سے الگ ہو گئے، پھر مسلمانوں سے انکے عقائد میں الگ ہو گئے، اور اعتزال کا مطلب الگ تھلگ ہونا ہوتا ہے۔

معتزلہ ایک بہت بڑا گروہ ہے، اگر آپ سوال کریں گے کہ کیا یہ اب بھی پائے جاتے ہیں؟ تو اسکا جواب ہاں میں ہوگا، کیونکہ ہر شیعہ معتزلی ہے، یعنی جو اہل سنت کے سب سے زیادہ قریب زیدیہ ہیں ان سے لیکر جو سب سے زیادہ دور ہیں امامیہ جعفریہ تک سب عقیدے میں معتزلہ ہیں۔

اسی فرقے کے اندر ابوالحسن اشعری تقریباً چالیس سال تک رہے یہاں تک اپنے چچا کے بعد اس فرقے کے امام ہو گئے، مگر یہ اللہ کو منظور تھا کہ آپ نے چند مسائل میں اپنے چچا سے اختلاف کر لیا، انہیں میں سے ایک بھی تھا کہ کیا یہ واجب ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے حق میں وہی کرے جو ان کیلئے زیادہ لائق ہے؟ اور یہی ابوالحسن کا اس وقت اعتزالی عقیدہ بھی تھا، مگر یہ فطرت کے اعتبار سے دل میں انکار کرتے تھے کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ہم کسی چیز کو اللہ پر واجب کر دیں کہ اسے ایسا کرنا واجب ہے، اسی مسئلے کو لیکر انہوں نے معتزلہ کو چھوڑ دیا، اور حق کی تلاش میں لگ گئے۔

اس طرح انکا معاملہ بالکل سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرح ہو گیا جنہوں نے مجوسیت کو چھوڑ کر حق کی تلاش کی اور عیسائی راہبوں کے پاس گئے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو ہدایت دی اور آپ مدینہ طیبہ میں آ کر رسول اکرم ﷺ سے مل گئے، چنانچہ یہی معاملہ ابوالحسن کے ساتھ بھی ہوا کہ آپ اعتزال سے نکل کر حق کی تلاش میں نکل گئے، اور جا کر ابن کلاب کے پاس عقیدہ کلابیہ کو سیکھا، لیکن چونکہ آپ ایک مشہور امام تھے اور آپ کا حسب ونسب بھی عالی تھا اسلئے کلابی کی طرف نسبت نہ ہو کر آپ ہی کی طرف مشہور کر دیا گیا اور اسے اشعریہ سے جانا گیا، جو کہ صفات کے درمیان فرق کرتے ہیں، یعنی یہ معتزلہ کی طرح تمام صفات کا انکار نہیں کرتے ہیں، بلکہ جن صفات کا تعلق صفات عقلیہ سے ہے انہیں یہ ثابت کرتے ہیں اور جن صفات کا تعلق صفات خبریہ سے ہے انکی تاویل کرتے ہیں، یہی اشعری طریقہ ہے۔

اسی اعتزالی منہج پر آپ ایک مدت تک رہے اور جس طرح سیدنا سلمان فارسی اخیر میں رسول اللہ ﷺ سے جا کر مل گئے اور اللہ نے آپ کو ہدایت سے سرفراز کیا اسی طرح ابوالحسن بھی اخیر میں منہج سلف سے مل گئے، اور ایک کتاب لکھی جس کا نام [الإبانة] رکھا، اور اس کتاب کے مقدمے میں ذکر کیا کہ اس وقت وہ امام اہل سنت امام احمد بن حنبل کے منہج پر ہیں اور آپ کی مناسب تعریف بھی کی، اور یہ اعلان کیا کہ اب سلف صالح کے منہج کی طرف واپس آ گئے ہیں۔

اور جو اشعریت آج کل موجود ہے جسے اس ملک کے سوا دیگر ممالک کے مدارس اور جامعات میں پڑھایا جاتا ہے وہ دراصل عقیدہ کلابیہ پر ہے، جس پر اعتزال سے نکلنے کے بعد شروع میں ابوالحسن اشعری تھے اور بعد میں اس سے بھی رجوع کر کے اہل سنت کے منہج پر آگئے تھے، مگر یہ لوگ (الابانہ) کی تکذیب کرتے ہیں، او کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ ابوالحسن نے کبھی اپنا منہج چھوڑا تھا وہ منہج سلف کی طرف نہیں آئے تھے، اور یہ کتاب انکی نہیں ہے، جو سلفیت کا دعوی کرتے ہیں انہیں میں سے کسی نے لکھ کر آپ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

مگر چونکہ اللہ کو انکا جھوٹ واشگاف کرنا تھا اسلئے ابوالحسن اشعری کے بڑے نامور نامور شاگردوں نے بھی سلف کے منہج کی طرف رجوع کرلیا انہیں میں سے غزالی بھی ہیں، جو بہت ہی شرمندہ تھے اور بہت زیادہ روئے اپنے اشعری عقیدے پر، پھر [إلجام العوام عن علم الكلام] نامی کتاب لکھی، جس میں متکلمین کے فرقے اشعریت پر رد کیا، اور اسی طرح انہیں میں سے امام الحرمین اور انکے والد بھی ہیں، رازی اور شہرستانی بھی ہیں، یہ سب بڑے بڑے علمائے اشاعرہ تھے، سب نے اپنی ندامت ظاہر کی اور علم کلام اور اشعریت کی مذمت کی، امام الحرمین کے والد نے واضح طور پر ایک رسالہ لکھا جس کے اندر اپنے عقیدے کو واضح کیا اور یہ بیان کیا کہ آپ کا عقیدہ کیسا ہے اور کیسے اشعریت سے رجوع کیا۔ یہ رسالہ [المتون المنيرية] کے مجموعہ کے ضمن میں موجود ہے، وہاں دیکھ سکتے ہیں۔

لہذا اشعریت وہ عقیدہ ہے جس پر ابوالحسن منہج سلف کی طرف رجوع سے قبل قائم تھے، پھر اسے ترک کر دیا، اور اسی اشعریت کو آج کل اس ملک کے سوا دیگر مسلم ممالک میں پڑھایا جاتا ہے جیسے جامع ازہر اور اسکی تمام شاخوں میں، چنانچہ جامع ازہر کے تمام پیروکار اسی اشعری کلابی عقیدے پر ہوتے ہیں جس سے ابوالحسن نے توبہ کرلیا تھا، اور وہی اشعریت ہے۔

سوال نمبر ۱۴:

ان مفوضہ کے بارے میں کیا خیال ہے جو اللہ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں: {لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا} ترجمہ: اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق؟

جواب:

یہ استدلال صحیح نہیں ہے، پہلے ایک مسلمان کی کوشش ہونی چاہیئے کہ وہ عربی زبان سمجھے، اور پھر وہ ان صفات کا معنی اور مفہوم سمجھے جو کتاب وسنت میں وارد ہوئے ہیں، اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى} ترجمہ: وہ بے حد رحم والا عرش پر بلند ہوا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ، فَيَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ؟ وَمَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ؟ وَمَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ؟) ترجمہ: ہمارا پروردگار جو بڑی برکتوں اور بلند ذات والا ہے آخر تہائی رات میں ہر رات آسمان دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے، میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اس کو دوں، کوئی ہے جو مجھ سے بخشش چاہے میں اسے بخش دوں۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَجَاءَ رَبُّكَ} ترجمہ: اور تمہارا رب آئے گا۔ اور اسی طرح فرمایا: {وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ} ترجمہ: اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ اور ان تمام نصوص کے معنی ومفہوم کا سمجھنا ہر ایک کیلئے ممکن ہے۔

یہاں سوال یہ ہیکہ آخر اس استدلال کا کیا مطلب ہے؟ اور کیا یہ استدلال سائل نے خود کیا ہے یا مفوضہ نے ایسا کہا ہے؟ اگر کہتے ہو کہ انہوں نے ایسا کہا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے اور اگر یہ سائل کی طرف سے ہے تو اسے چاہیئے کہ اپنی معلومات میں اضافہ کرے۔

سورہ بقرہ کی یہ آیت اس بات پر نہیں کرتی ہے کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے کلام میں انہیں جو

مخاطب کیا جاتا ہے اس کا مطلب وہ نہیں سمجھ پاتے ہیں، بلکہ اس آیت سے زیادہ سے زیادہ ہم یہ استدلال کرسکتے ہیں کہ ہم اللہ کی ذات اوراسکے اسماء وصفات کی حقیقت وکیفیت کے سمجھنے سے عاجز ہیں، جیسا کہ سیدنا ابو بکر سے منقول ہے- اگر یہ اثر صحیح ہو- کہ علم وادراک سے عاجز ہونا علم ہے۔

چنانچہ ہم رب العالمین کی ذات اوراسکی صفات کی حقیقت کے ادراک سے عاجز ہیں، اور یہی ہمارا علم وادراک ہے کہ ہم نے اس تعلق سے اپنی عاجزی کا اعتراف کرلیا ہے، اوراس معنی میں اس آیت سے استدلال کرنا صحیح ہوگا، مگر اسکے معنی اور مفہوم سے عاجز ہونے کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ صحیح نہیں ہے، چنانچہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ سلف ان صفات کا معنی اور مفہوم بھی اللہ کے حوالے کرتے تھے تو یہ غلط سوچ ہے اور انکی تعریف نہیں ہے، بلکہ ان پر طعن وتشنیع ہے، کیا ایسا ممکن ہے کہ لوگ ایسا کلام پڑھیں جس کا مفہوم ہی نہیں سمجھیں، وہ قرآن پڑھیں اوراسکا مطلب ہی نہ سمجھیں وہ احادیث رسول سنیں اوران کا معنی ہی نہ سمجھیں اور نہ ہی اس تعلق سے کچھ سوال کریں، یقینا ایسا سوچنا اور دعوی کرنا سلف بالخصوص صحابہ پر طعن ہوگا نہ کہ ان کی تعریف ہوگی۔

اور صفات کا معنی تفویض کرنا یعنی اسے اللہ کے حوالے کرنا اہل سنت والجماعہ کا کبھی طریقہ نہیں رہا ہے، بلکہ یہ معطلہ کا طریقہ ہے جو صحیح معنی کی نفی کرتے ہیں اوراسکے لئے دوسرے غلط معنی کو ثابت کرتے ہیں، یعنی ایک ثابت شدہ معنی کو معطل کرکے دوسرے غیر ثابت شدہ معنی کا دعوی کرنا۔

۞۞۞

سوال نمبر ۱۵:

ہم بہت سارے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ غزالی کی کتاب [إحیاء علوم الدین] سے اجتناب کرنے کی وصیت کرتے ہیں اور بلاشبہ اہل سنت علماء نے اس کتاب پر کلام کیا ہے، مگر یہ لوگ شیخ جیلانی کی کتاب [غنیۃ الطالبین] پر کلام کیوں نہیں کرتے بطور خاص اسکی آخر مجلد جس میں ضعیف وموضوع روایتیں بھری پڑی ہیں؟ آپ ہمیں اس پر کیا نصیحت کریں گے؟

جواب:

(احیاء علوم الدین) ایک ایسی کتاب ہے جس کے اندر مفید علم بھی ہے اور صوفیوں کے خرافات بھی بھرے پڑے ہیں، اور تیسری طرف فلاسفہ اور متکلمین کے آراء اور انکی فضول موشگافیاں بھی موجود ہیں، اسی کتاب کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا ہے: یہ غزالی کی کتابوں میں سب سے بہتر کتاب ہے۔

غزالی کی بہت سی کتابیں ہیں، ان میں کچھ خالص فلسفیانہ ہیں جیسے [المظنون به علی غير أهله]، یہاں اہل سے مراد فلاسفہ ہیں، یعنی یہ کتاب خالص فلسفہ پر مشتمل ہے، اسی طرح ایک کتاب کا نام [الاقتصاد] ہے جو فن اقتصاد پر نہیں بلکہ فلسفہ پر ہے، اسی طرح اور کئی کتاب ہیں، مگر الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ احیاء علوم الدین ہی انکی سب سے بہتر کتاب ہے، اور اس کے اندر علم بھی ہے، جس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ کتاب خرافات سے محفوظ ہے۔

اور یہاں بہتری سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ کتاب مکمل طور پر بہتر ہے، بلکہ یہ مراد ہے کہ انکی دیگر کتابوں سے یہ کتاب زیادہ بہتر ہے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ کہیں کہیں جب وعظ ونصیحت کی باتیں ہوتی ہیں تو بہت ہی مفید ہوتی ہیں، مگر جب فلسفیانہ اور صوفیانہ خرافات کا ذکر کرتے ہیں تو دل اچاٹ ہو جاتا ہے، گویا یہ کنویں میں ڈول ڈالنے جیسا ہے

کہ کبھی اس میں صاف پانی نکلتا ہے تو کبھی کیچڑ کے ساتھ گندلا پانی آتا ہے، اسی لئے اس کتاب کو پڑھنے سے روکا جاتا ہے مگر اسی نسخے کو جس میں تعلیق اور حاشیہ لگا ہو جس کے اندر خامیوں کی وضاحت ہو تو ممکن ہے طلبہ اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں، بطور خاص وہ طلبہ جو نفع ونقصان میں تمیز کر سکتے ہیں۔

البتہ مبتدی طلبہ کیلئے مناسب نہیں ہے، بلکہ منتہی طلبہ جو جامعات میں پڑھتے ہیں وہی اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں مگر اس نسخے سے جس کے اندر حاشیہ اور تعلیق ہے۔

اور جہاں تک کتاب [غنیۃ الطالبین] کی بات ہے تو ہم نے آج تک طلبہ کو اس کے پڑھنے کی نصیحت نہیں کی ہے، گرچہ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض کتابوں میں اس کتاب کے بعض نقول سے استدلال کیا ہے یعنی شیخ عبد القادر جیلانی کے کلام سے تو یہ ویسے ہی ہے جیسے الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے غزالی کے کلام سے استدلال کیا ہے۔

چنانچہ جس طرح غزالی کے بھی بعض کلام عمدہ ہیں بطور خاص [الجام العوام] کی عبارتیں، اسی طرح ان کا بھی بعض کلام عمدہ ہے، اور اس کا یہ معنی بالکل نہیں ہے کہ اگر ہم اپنی کتابوں میں ایسے لوگوں کے کلام سے استدلال کرتے ہیں تو گویا ہم انہیں سرٹیفکٹ دے رہے ہیں اور یہ کہ ہم ان کی تمام باتوں کے پابند ہو گئے۔

یعنی ایسا نہیں ہے کہ ہم جس کے کسی کلام کو نقل کریں تو اس کے تمام کلام کو واجبی طور پر لیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیوں سے بھی اور فلاسفہ سے بھی کلام کو نقل کیا ہے اگر ان کے یہاں کوئی حق بات ملی ہے، بلکہ آپ انکے کلام کو نقل کرنے کے بعد انکی طرف اور انکی کتابوں کی طرف اس کلام کا حوالہ بھی دیتے ہیں، اور یہ علمی امانت ہے، حق بات مومن کی گمشدہ پونجی ہے اسے وہ جہاں بھی پائے لے لے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب ایک شیطان سے استفادہ کر سکتے ہیں تو ہم صوفیوں اور علمائے کلام کی

کتابوں سے استفادہ کیوں نہیں کرسکتے ،اچھی بات لے لیں گے اور نقصان دہ چھوڑ دیں گے،مگر یہ کب؟ یہ اس وقت جب ہم اچھے اور برے میں تمیز کرسکیں، اس سے پہلے نہیں، اسی لئے پہلے ضروری ہے کہ عقیدہ اور توحید سے متعلق ابتدائی کتابیں پڑھ لیں جیسے اصول الثلاثہ، الطحاویہ، الحمویہ، کتاب التوحید، اور دیگر عقیدہ اور توحید کی کتابیں تاکہ ہم پہلے علم سے مسلح ہوجائیں۔

۞۞۞

سوال نمبر ۱۶:

موجودہ زمانے کے معاصر اشاعرہ کی کچھ ایسی کتابوں اور کچھ اشعری مولفین کا نام بتائیں تا کہ ہم ان سے آگاہ رہیں؟

جواب:

یہ بات صحیح ہے کہ اشعری عقیدے میں کتابوں کے تعلق سے بعض نوجوان یہ نہیں جانتے، اور میں نے یہ بات پچھلے دروس میں کہی ہے کہ ہمارے ملک میں انکی کتابیں نہیں ہیں، مگر اس وقت آنے لگی ہیں۔ان میں سے چند کا ذکر یہاں کر دیتے ہیں:

* العقیدہ السنوسیۃ۔
* عقیدۃ العوام۔
* جوھرۃ التوحید۔
* حیاۃ الاسلام۔

ان ساری کتابوں کے متون اور شروحات اس وقت سب مل جائیں گے۔

سب سے پہلے عقیدہ سنوسیہ کے بارے میں کلام کریں گے اور اس سے آگاہ کریں گے کیونکہ یہی کتاب سے زیادہ خطرناک ہے، اسی سے اس کلام کو نقل کر کے پھیلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالی نہ تو عرش کے اوپر ہے اور نہ نیچے ہے، نہ اسکے دائیں ہے اور نہ ہی اسکے بائیں۔

یہ الفاظ عقیدہ سنوسیہ کے ہیں جس کی شرح ابراہیم بیجوری شافعی نے اپنے حاشیہ میں کی ہے کا نام [حاشیۃ البیجوری علی السنوسیۃ] ہے۔اور یہ حاشیہ اس وقت ہر جگہ موجود ہے۔

اور جہاں تک [جوھرۃ التوحید] کا تعلق ہے تو یہ منظوم ہے، اس کے اندر اشعری عقیدہ کو منظوم کر دیا گیا ہے، اس کے اندر اکثر متناقض باتیں ہیں، مگر کچھ باتیں ٹھیک ہیں جیسے کہ یہ اشعار:

فکن کما کان خیار الخلق　　　حلیف علم تابعاً للحق

ترجمہ: اسی طرح ہو جاؤ جیسے خیر البشر رہا کرتے تھے، علم کے دلدادہ اور حق کا پیروکار بن کر۔

مزید ایک جگہ کہا:

وکل خیر فی اتباع من سلف　　　وکل شر فی ابتداع من خلف

ترجمہ: ہر بھلائی سلف کے اتباع میں ہے اور ہر برائی خلف کے ابتداع یعنی بدعت ایجاد کرنے میں ہے۔

ان جیسے چند کلام کو چھوڑ کر باقی دیگر کلام اشاعرہ کے طریقے پر ہیں۔

یہ منظوم کتاب جس کی شرح ابراہیم بیجوری نے کی ہے اور جنہوں نے عقیدہ سنوسیہ کی شرح بھی لکھی ہے دونوں کتابیں مطبوع ہیں اور ہمارے یہاں مدینہ کے اندر مکتبہ طیبہ میں موجود ہیں، اور جب یہاں مدینہ میں موجود ہیں تو پھر جدہ میں بھی موجود ہوں گی، تلاش کرنے کے بعد اور دیگر مکتبات میں بھی پاجائیں گے۔

یہ اور اس طرح کی بہت سی کتابیں ہیں جو مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں اور اب تو اس ملک میں بھی آچکی ہیں، ان کتابوں کے متون کو یاد کرایا جاتا ہے جس طرح سورہ فاتحہ یاد کرایا جاتا ہے، اسلئے کہ اس کے لئے ایک عجیب وغریب خرافاتی قصہ بیان کیا جاتا ہے جسے حاشیہ کے شروع ہی میں لکھا گیا ہے کہ ایک شخص کی وفات ہوگئی، کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوا؟ تو اس نے کہا: مجھ سے عقیدہ سنوسیہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا تم اسے پڑھتے تھے؟ میں نے کہا: نہیں، تو مجھے فرشتے نے لوہے کے آنکڑے سے مارا اور کہا: تم نے سنوسیہ کو کیوں نہیں پڑھا؟ میں نے کہا: میں نے عقیدہ دوسری کتاب سے سیکھا ہے، فرشتے نے کہا: گرچہ تم نے عقیدہ دوسری کتاب سے سیکھا ہے مگر سنوسیہ کو پڑھنا تمہارے لئے ضروری تھا۔

پھر ان مسلمان بچوں کا ذکر کیا گیا جو اس کتاب کے لکھنے سے پہلے ہی وفات پا چکے ہیں کہ ان کا کیا ہوگا؟ تو کہا: اللہ تعالی ابراہیم علیہ السلام کو جنت میں مکلف بنائے گا کہ وہ ان بچوں کو یہ کتاب پڑھادیں۔

یہ خرافاتی کہانی بیجوری کے حاشیہ کے پہلے ہی صفحے پر موجود ہے جو انہوں نے سنوسیہ پر لگائی ہے، چنانچہ ان ملکوں کے بچے اس کتاب کے متن تک کو سورہ فاتحہ کی طرح یاد کر لیتے ہیں کہ کہیں اس سزا کا مستحق نہ ہو جائیں اور اسی کو دین سمجھتے ہیں، اور اسے مغرب اور عشاء کے بیچ میں دہراتے ہیں کہ بھول نہ جائیں۔

یہ اشاعرہ کی بعض کتابیں تھیں جنہیں بطور مثال کے بیان کر دیا گیا، ورنہ مارکٹ میں بہت ساری کتابیں موجود ہیں۔

سوال نمبر ۱۷:

حدیث کے اندر آتا ہے: (وکلتا یدی ربی یمین مبارکۃ) یعنی میرے رب کے دونوں ہاتھ مبارک دایاں ہے۔ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

جواب:

اس حدیث کے اندر متعدد الفاظ وارد ہوئے ہیں، البتہ شاہد یہی الفاظ ہیں: (وکلتا یدیہ یمین): اسکے دونوں ہاتھ داہاں ہیں۔ اوراسکے علاوہ صحیح مسلم کے اندر یسار یعنی بائیں ہاتھ کی بھی صراحت آئی ہے۔

اور یہ حدیث ہمیں اس روایت کی وضاحت کرتی ہے جس کے اندر بائیں کا لفظ وارد ہوا ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ اسکے دونوں ہاتھوں میں سے ایک دایاں ہے اور دوسرا بایاں، یعنی اس مفہوم میں کہ اسکا بایاں دائیں کے مقابلے میں کمزور ہے یا اسکے اندر نقص پایاں جاتا ہے، جیسا کہ انسانوں کا حال ہے، چنانچہ گرچہ اسکے ایک ہاتھ کو بایاں کہیں گے مگر پھر بھی اسکے دونوں ہاتھ دایاں ہیں یعنی اللہ کی نسبت سے دونوں دایاں ہیں، واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۱۸:

بعض لوگ اللہ کی صفت کے تعلق سے آپ کے قول (حقیقی) پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سلف نے یہ لفظ استعمال نہیں کیا ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب:

میں سائل سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کب آپ نے سلف کے کلام و اسلوب کا استقصاء کرلیا اور یہ معلوم ہوگیا کہ انہوں نے یہ لفظ استعمال نہیں کیا ہے؟ اور یہ کہ سلف سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے صحابہ، تابعین یا تبع تابعین تک مراد ہیں؟ اور کیا آپ نے ان کے تمام اقوال کو مطالعہ کرلیا ہے کہ یہ کہہ رہے ہیں کہ سلف نے اس لفظ کو استعمال نہیں کیا ہے؟

ہمارے طلبہ کو اس طرح کلی حکم لگانے کا عادی نہیں ہونا چاہئے، بلکہ ضروری ہے کہ ہمارا کلام موزون اور موضوعی ہو۔ ہاں اگر ایسا کہتے کہ یہ لفظ ہم آپ سے سنتے ہیں، اسی طرح جدید سلفی مولفین کی کتابوں میں دیکھتے ہیں جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ، آپ کے شاگرد ابن القیم وغیرہ اس لفظ کو بہت استعمال کرتے ہیں، تو کیا یہ لفظ پہلے سلف کے یہاں بھی وارد ہے اور کیا انہوں نے اس لفظ کا استعمال کیا ہے؟ تو ایسا سوال کرنا آپ کیلئے مناسب تھا۔

مگر یہ حکم لگائیں کہ سلف نے اس لفظ کا استعمال نہیں کیا ہے تو میں یہی کہوں گا کہ آپ نے جلدی کردی ہے۔ البتہ یہ ٹھیک ہے کہ سوال کرنا آدھا علم ہے۔ اور جب پہلے سلف نے اس لفظ کا استعمال نہیں کیا تو آپ کیوں اس کا استعمال کررہے ہیں؟

جواب: پہلے سلف جیسے صحابہ اور تابعین اس فتنے سے دو چار نہیں ہوئے تھے جس فتنے سے بعد کے سلف جیسے ابن تیمیہ اور انکے بعد کے لوگ دو چار ہوئے، وہ صاف ماحول میں رہتے تھے، اس وقت یہ گروہ اور فرقے نہیں تھے جو انکی مخالفت کرتے، وہ صرف قرآن اور حدیث پڑھتے تھے، اور اللہ کے

صفات کو وہ صرف کتاب وسنت سے سمجھتے تھے، اللہ کی عبادت کرتے تھے، ان کے یہاں اس طرح کی مشکلات نہیں تھیں۔

اور ہمارا ان الفاظ کا استعمال کرنا دراصل انہیں مشکلات کی وجہ سے ہے، اور سب سے پہلے ان مشکلات سے دوچار عباسی دور میں امام احمد بن حنبل ہوئے تھے، آپ سے پوچھا گیا: پہلے کے سلف قرآن کے تعلق سے کہتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور یہ ان کے لئے کافی تھا، مگر آپ لوگوں نے اضافہ کر کے ایسا کیوں کہنا شروع کیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے، یہ اللہ ہی سے شروع ہوا ہے اور اسی کی طرف واپس جائے گا؟

تو امام احمد نے جواب دیا: (لما زادوا زدنا) یعنی انہوں نے اضافہ کیا تو ہم نے بھی اضافہ کیا، یعنی شبہات کے ازالے اور من باب التوضیح ہم نے بھی یہ اضافہ کر دیا، پہلے کے یہاں یہ اشکال نہیں تھا یعنی اس وقت یہ کہنے والا کوئی نہیں تھا کہ قرآن مخلوق ہے، اللہ کا کلام نہیں ہے۔ اسی لئے اس وقت یہ ضرورت ہی نہیں تھی کہ اسے غیر مخلوق کہا جائے، اور یہ کہ اسی سے اسکا آغاز ہوا ہے اور اسی طرف واپس جائے گا، مگر جب کچھ متکلمین نے یہ کہنے کی جرأت کی کہ یہ مصحف کے اندر جو کچھ ہے اللہ کی ایک مخلوق ہے، اللہ کا کلام نہیں ہے، ہاں یہ اللہ کے کلام پر دلالت کرتا ہے جو کہ نہ حرف ہے نہ صوف نہ عبارت اور نہ ہی ترجمہ۔ جب اس طرح کی بات اور اشکال پایا گیا اور تو ان کے اس باطل کلام پر رد کرنے کیلئے اور طلبہ کے سامنے ان کے شبہات کا جواب دینے کیلئے اہل سنت علماء نے کہا: قرآن اللہ کا کلام ہے جو مخلوق نہیں ہے، اللہ ہی سے اسکا آغاز ہوا ہے یعنی اسی نے قرآن کے ذریعے پہلے کلام کیا ہے، اور آخر میں اسی کی طرف واپس ہو جائے گا یعنی قرب قیامت میں قرآن کو اللہ اٹھا لے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے صفت معیت کے تعلق سے کہا: اللہ کی معیت حقیقی صفت ہے، مگر اس سے مراد ذاتی معیت نہیں ہے، یہ علمی معیت ہے اور یہ حقیقی ہے۔ ایسا وہ کہنے پر مجبور کیوں ہوئے؟

کیونکہ اس وقت ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جو یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہاں معیت ذاتیہ مراد ہے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ لفظ (مع) لغت میں مطلق مصاحبت کیلئے نہیں آتا ہے خواہ اس سے ذات مراد لیا جائے یا علم یا کوئی دوسرا معنی اور یہ سب کے سب حقیقی ہیں، چنانچہ جب آپ کہتے ہیں کہ پچھلے ہفتہ زید ہمارے ساتھ کلاس میں تھا مگر اس رات اسے نہیں دیکھ رہا ہوں۔ تو یہاں ذاتی حقیقت مراد ہوگی مصاحبت کے ساتھ، اور جب کہیں گے کہ میں استواء کے مسئلے میں امام مالک کے ساتھ ہوں، تو یہ معیت بھی حقیقی ہے مگر اس میں مصاحبت نہیں ہے۔

اللہ تعالی ہمارے ساتھ ہے حقیقی طور پر اپنے علم کے اعتبار سے؛ کیونکہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے، ہماری باتیں سن رہا ہے اور وہ ہمارے ہر چھوٹے بڑے امور کو جانتا ہے، اس لئے یہ حقیقی معیت ہے، ارشاد باری ہے: {لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا} ترجمہ: غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ یعنی جانکاری، حفاظت اور مدد کے اعتبار سے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللَّهُ ثَالِثُهُمَا) ترجمہ: ابو بکر! ان دو کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔

یہ سارے معانی حقیقی ہیں مجازی نہیں ہیں۔

اس طرح ہم مجبور ہوئے یہ کہنے پر کہ صفت استواء ایک حقیقی صفت ہے، نزول حقیقی صفت ہے، اللہ کا آنا حقیقی صفت ہے؛ کیونکہ بعد میں ایسے لوگ پائے گئے جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ سب مجاز ہے، اور پہلے سلف کے یہاں ایسے لوگ نہیں تھے جو کہتے کہ یہ مجاز ہے۔

اس طرح ہمارے پاس عذر پیدا ہوا چنانچہ جب انہوں نے مجبور کیا تو ہم نے ان الفاظ کا استعمال کیا۔ یعنی جب انہوں نے اضافہ کیا تو ہم نے بھی اضافہ کیا۔

❁❁❁

سوال نمبر ۱۹:

میں نے آپ کی ایک بحث پڑھی جس میں آپ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الفتاوی سے یہ عبارت نقل کی ہے: (سب سے پہلے انسان پر کیا واجب ہے؟ کیا اس پر سب سے پہلے شک واجب ہے یا غور وفکر اور استدلال کرنا، یا انسان پر سب سے پہلے یہ واجب ہے کہ وہ معرفت الٰہی حاصل کرے؟) اس عبارت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب:

اہل اہل کلام کے نزدیک انسان پر سب سے پہلے شک واجب ہے، یعنی سب سے پہلے وہ وجود باری تعالی کے تعلق سے شک کرے، پھر شک سے غور وفکر اور استدلال کی طرف منتقل ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے غور وفکر اور عقلی استدلال کے ذریعے اثبات باری تعالی تک پہونچ جائے، یہ اہل کلام کا مذموم اسلوب ہے۔

جبکہ صحیح یہ ہیکہ انسان پر سب سے پہلا واجب یہ ہیکہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کرے، اور معرفت باری فطری، عقلی اور شرعی امر ہے، یہ غور وفکر، استدلال اور شک کا محتاج نہیں ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہی ہے، وہاں جا کر دوبارہ رجوع کریں۔

۞۞۞

سوال نمبر ۲۰:

امام الحرمین کا کیا مطلب ہے؟ وضاحت مطلوب ہے۔

جواب:

حرمین معروف ہے: حرم مکی اور حرم مدنی کو کہتے ہیں، اور امام الحرمین کے لقب سے جو معروف ہیں ان کے مراد امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک ہیں، آپ مکہ مکرمہ طلب علم کیلئے آئے تھے یہاں تک کہ عالم ہو گئے، اور مسجد حرام ہی میں ایک زمانے تک پڑھاتے رہے، اور جب اپنے وطن واپسی کا ارادہ کیا تو زیارت کی غرض سے مسجد نبوی کا سفر کیا، اور وہاں بھی کچھ مدت تک ٹھہرے مگر مسجد نبوی میں نہیں پڑھایا، پھر وہاں سے اپنے وطن سفر کر گئے، جب اپنے وطن پہونچے تو وہاں کے لوگ آپ کو امام حرمین کہنے لگے کیونکہ آپ ایک زمانے تک حرم مکی میں پڑھا چکے تھے۔

ویسے آپ نے نہ تو کبھی مسجد حرام میں امامت کرائی اور نہ ہی مسجد نبوی میں، آپ کبھی امام نہیں تھے، بلکہ ہمیشہ مقتدی بن کر نماز ادا کی ہے، آپ کو امام الحرمین اسلئے لوگوں نے کہا کیونکہ آپ نے ایک حرم میں درس دیا تھا اور دوسرے حرم کی زیارت کی تھی، اور آپ کے والد کو والد امام الحرمین کہا جانے لگا، آپ کی ایک کتاب بھی ہے جسے مکاتب میں پڑھایا جاتا ہے، اسکا نام [الرسالة النظامية] یا [العقيدة النظامية] ہے، اس میں انکا عقیدہ معلوم ہو جائے گا، اسی طرح انکی ایک اور کتاب ہے جسکا نام [البرهان في أصول الفقه] ہے، آپ شافعی المذہب تھے، اور فقہ شافعی میں ماہر مانے جاتے ہیں، مگر اشعریت اور علم کلام میں آپ نے اپنی اکثر زندگی گزار دی، پھر آخری عمر میں سخت ندامت کا اظہار کیا، مگر اس ندامت اور لوگوں کو علم کلام سے آگاہی کے باوجود بھی آپ کو یہ توفیق نہیں مل سکی کہ اہل سنت والجماعہ کے منہج پر آسکیں جس طرح آپ کے والد آ گئے تھے۔

عجیب معاملہ یہ ہیکہ لوگ انہیں کا نام زیادہ لیتے ہیں اور انہیں امام الحرمین کہتے ہیں، جبکہ ان کے

والد سے غافل ہیں حالانکہ وہی خالص توبہ کر کے سلف صالح کے منہج پر آ گئے تھے اور اسکے لئے ایک رسالہ بھی لکھا تھا جیسا کہ اشارہ کیا گیا۔

اور جو امام الحرمین کے بارے میں مزید جاننا چاہتا ہے وہ [الرسالة النظامية] یا پھر [البرهان] کا مطالعہ کرے، اور اس سے پہلے جو کچھ انکے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، اور آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے لکھا ہے، پھر آپ انکا عقیدہ سمجھ پائیں گے، ان کے بارے میں شوافع بہت زیادہ مبالغہ کرتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں: (لو كان نبي بعد محمد ﷺ لكان إمام الحرمين!) یعنی اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی آتا تو وہ امام الحرمین ہوتے۔ یہ انکے مبالغوں میں سے ایک مبالغہ ہے۔

سوال نمبر ۲۱:

سائل کو اہل سنت والجماعہ کے عقیدے میں تردد ہے، آپ اسے کیا نصیحت کریں گے؟

جواب:

معاملہ سنگین ہے، مگر مفہوم واضح ہے، سائل کو اہل سنت والجماعہ کے عقیدے میں تردد ہے، ہم اللہ سے ہمارے اور ان کے لئے ثبات قدمی کی دعاء کرتے ہیں، یہ کسی کیلئے جائز نہیں کہ وہ اہل سنت والجماعہ کے عقیدے میں شک اور تردد کرے، بلکہ ہر چیز سے قبل یہ واجب ہے کہ آپ اپنے عقیدے کی تحقیق کریں اور یقین کے ساتھ رہیں، اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ اسماء وصفات کے باب میں یہ ہیکہ آپ اللہ کیلئے ان تمام صفات کمال کو ثابت مانیں جنہیں اللہ نے اپنے لئے اور اسکے رسول ﷺ نے اسکے لئے ثابت کیا ہے، اسماء وصفات کے باب میں یہی اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ ہے، اور یہ سلف اور خلف کے درمیان ایک معرکۃ الآراء مختلف فیہ مسئلہ رہا ہے۔

اس باب میں ایک مسلمان کو وہی کہنا چاہئے جو امام شافعی نے کہا ہے کہ میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور ان تمام چیزوں پر جو کچھ اللہ کی طرف سے آئی ہیں اللہ ہی کے مراد پر، اور میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتا ہوں اور ان تمام چیزوں پر جو کچھ رسول اللہ کی طرف سے آئی ہیں رسول اللہ ہی کے مراد پر، اور میں نصوص صفات کے بارے میں اپنی طرف سے غور وخوض نہیں کرتا، وہی کہتا ہوں جو سلف نے کہا ہے کہ انہیں اسی طرح مانو جیسے وہ وارد ہوئے ہیں ان کی کیفیت بتلائے بغیر۔

یہی سلف اور اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ ہے، سلف اور اہل سنت والجماعہ ایک ہی چیز ہے، سلف وہ ہیں جو خیر میں آپ سے سبقت لے گئے، اس سے مراد صحابہ، تابعین اور وہ سارے اہل سنت والجماعہ ہیں جنہوں نے پہلی جماعت کی اتباع کی اور سنت پر عمل کیا۔

اس وقت اہل سنت والجماعہ اور منہج سلف کے مخالف جو عقیدہ اور منہج پایا جاتا ہے وہ سماج کے اندر

اشعری عقیدہ ہے، معتزلہ کو اس وقت چھوڑ دیں، اسلئے کہ اعتزالی عقیدہ گرچہ موجود ہے مگر وہ کتابوں میں ہے، سماج کے اندر جو عقیدہ زیادہ رائج ہے وہ اشعری ہے اور اسی کا زیادہ رواج ہے، جو کہ اہل سنت والجماعہ کے عقیدے کے خلاف ہے، کیونکہ یہ عقیدہ عقل پر منحصر ہے اور اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ نقل پر منحصر ہے۔

دونوں عقیدوں میں بہت فرق ہے، میں دعوت دیتا ہوں کہ آپ اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ پڑھیں، اور سب سے پہلے الاصول الثلاثہ سے شروع کریں پھر کتاب التوحید، العقیدۃ الواسطیۃ، الحمویۃ، ابوالحسن اشعری کی الابانۃ فی أصول الدیانہ اور علامہ طحاوی کی الطحاویہ کا متن پھر اسکی شرح پڑھیں۔

ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد دیگر کتب سنہ یعنی حدیث کی کتابیں پڑھیں، ان میں صحیح بخاری سے کتاب التوحید پڑھیں، تاکہ یہ علم ہو جائے کہ ائمہ حدیث جن میں امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ شامل ہیں سب سلف کے منہج پر اہل سنت والجماعہ کے عقیدے پر تھے، اگر آپ اشاعرہ کے ساتھ جائیں گے تو وہاں کوئی نہیں ملے گا، سارے کبار علماء نے اس عقیدے سے رجوع کر لیا تھا اور اس پر اپنی ندامت کا اظہار بھی کیا تھا، اور جو چھوٹے ہیں وہ مقلد ہیں، ان کے پاس علم نہیں ہے، اور جن کے پاس علم نہیں انہیں کوئی ندامت نہیں ہوتی، اسلئے ایسے جاہلوں کے پیچھے نہ چلو جن کے پاس کوئی علم نہیں۔

۞۞۞

سوال نمبر ۲۲:

سائل کو اعتراض ہے کہ آپ اشعریت پر کلام بہت کرتے ہیں جبکہ لادینیت، جمہوریت اور حزب التحریر پر کلام نہیں کرتے؟

جواب:

ہر مقام کیلئے مناسب باتیں ہوتی ہیں، چنانچہ جب ہم طلبہ کے بیچ ہوتے ہیں تو فرقوں کے عقائد پر بات کرتے ہیں وہ فرقے جو لوگوں کو اور بطور خاص نوجوانوں کو انکے عقائد میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں۔

اور جہاں تک لادینیت پر بات کرنے کا معاملہ ہے تو اس پر ہم نے بھی کلام کیا ہے اور دوسروں نے بھی بہت کلام کیا ہے، اللہ معاف فرمائے، مجھے لگتا ہے کہ ایسے سوالات اشعریت پر بطور شفقت کے کئے گئے ہیں، میرا کہنا ہے کہ اگر ایسی سوچ ہے تو اشعریت پر کبھی بھی شفقت نہ کرنا، ابوالحسن اشعری اور دوسرے کبار علماء نادم ہو کر اس فرقے سے رجوع کرلیا اور بعض تردد کا شکار ہو گئے، پھر آپ کیلئے یہ شفقت اور ہمدردی کر رہے ہیں؟ اگر معاملہ شفقت کا ہے تو۔

اور جہاں تک حزبیت اور سیاسی جماعتوں پر کلام کرنے کا تعلق ہے تو الحمدللہ ایسی جماعتوں کا ہمارے ملک میں وجود ہی نہیں ہے اور اگر کچھ ہوں گی بھی تو وہ چھپ کر رہتی ہیں، اور ہم ایسے لوگوں کے بارے میں کلام نہیں کرتے جو اپنا سرزمین کے اندر چھپا کر رہیں، ہم ان کا سامنا کرتے ہیں جو سامنے ہو، چھپی ہوئی چیزوں کو کریدنا ہماری عادت نہیں ہے، ہم ایسے مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں جو سماج میں رواج پا رہے ہیں، خلاصہ یہ کہ جو لکھ دے گا وہ ٹارگٹ ہوگا، وباللہ التوفیق۔

سوال نمبر ۲۳:

جادو کا کیا حکم ہے؟

جواب:

جادو کفر اور جادوگر کافر ہے؛ جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ جُنْدُبٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ "

ترجمہ: سیدنا جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جادوگر کی سزا تلوار سے گردن مارنا ہے"۔

اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ انسان بغیر کفر کے جادو سیکھ سکتا ہے؟ مگر جو رائے اکثر اہل علم کا ہے وہ یہی ہے کہ بغیر اللہ کے ساتھ کفر کئے جادو نہیں سیکھ سکتا۔

پھر اہل علم کا اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ کیا جادوگر کو جادوگر ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا یا اس وجہ سے کہ اس کی وجہ سے قتل ہوا ہے تو قصاصاً قتل کیا جائے گا؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب اس کے جادو کی وجہ سے قتل ہو جائے تو اس وقت قتل کیا جائے گا، انہیں میں سے امام شافعی بھی ہیں، مگر جمہور کی رائے اس کے برخلاف ہے کہ اسے جادوگر ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا۔

سوال نمبر ۲۴:

کاہن اور عراف کے پاس جانے کا کیا حکم ہے؟ اور دونوں میں کیا فرق ہے؟

جواب:

کچھ لوگ دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ کاہن، عراف، جادوگر، رمّال، پیالی والے اور ہتھیلی والے سب کو کاہن کہہ سکتے ہیں ؛ کیونکہ ہر ایک علم غیب کا دعوی کرتا ہے، اور جو بھی غیب کی معرفت کا دعوی کرے وہ کاہن ہے، یہی جامع معنی ہے، چنانچہ جو قہوہ کی پیالی میں دیکھ کر یہ گمان کرتا ہے کہ وہ کچھ پڑھ رہا ہے اور اسی سے وہ غیب کا پتہ لگا لیتا ہے، اور وہ جو آپ کی ہتھیلی کی لکیریں دیکھ کر غیب کی خبریں دیتا ہے، یا وہ بوڑھی خاتون جو مٹی اور ریت الٹ پلٹ کر علم غیب کا دعوی کرتی ہے، اکثر یہ کام بوڑھی عورتیں ہی کرتی ہیں، علماء نے یہ بیان کیا ہے اور ایسا قدیم زمانے ہی سے ہوتا چلا آیا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہیکہ ایک بوڑھی عورت درخت کے نیچے بیٹھی ہوتی ہے مٹی اور ریت پلٹ رہی ہوتی ہے اور ایک شخص ڈپلومیٹک بیگ لیکر آتا ہے، اس بوڑھی عورت کے سامنے کھول کر اس سے اپنی تقدیر کا پتہ لگاتا ہے، وہ کچھ پڑھ کر جب کہتی ہے کہ تمہارا افال اچھا ہے، تمہاری قسمت کا ستارہ چمک رہا ہے، تم خوش نصیب ہو، ماشاء اللہ، تم حج کروگے، سعودی کی زیارت کروگے، تم کمائی کروگے اور پھر تمہاری شادی ہوگی، یہ سن کر وہ خوش ہو جاتا ہے، اور کچھ پیسے دیکر چلا جاتا ہے۔

سبحان اللہ! عقلیں کہاں گم ہو چکی ہیں!! ایسے سارے لوگ جو علم غیب کا دعوی کرنے والوں کے پاس جاتے ہیں اور وہ ان کے حق میں خوش خبری کی پیشین گوئی کرتے ہیں یا بری خبروں کی پیشین گوئی کرتے ہیں ہر دو صورت میں ایسے لوگ اس سخت وعید میں شامل ہوں گے جو اس حدیث میں وارد ہوا ہے۔

عَنْ صَفِيَّةَ، عَنْ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ، لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ".

ترجمہ: صفیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بی بی سے سنا، وہ کہتی تھیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص عراف کے پاس جائے اس سے کوئی بات پوچھے تو اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہ ہوگی۔"

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص کاہن کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے، تو اس نے ان چیزوں کا انکار کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی ہیں"۔

(وہ شخص جو کاہن اور نجومی کی تصدیق کرے وہ کافر ہوگا، کیونکہ اس نے غیب کا علم اللہ کے علاوہ دوسرے کے لئے ثابت کیا، اور یہ قرآن کے خلاف ہے، نجومی کا جھوٹا ہونا قرآن سے ثابت ہے: (قل لا يعلم من فى السماوات والأرض الغيب إلا الله) کہہ دیجئے" کہ آسمان اور زمین میں سے اللہ کے علاوہ کوئی بھی غیب کا علم نہیں رکھتا" (النمل:65) (وما تدری نفس ماذا تكسب غدا) "اور کسی بھی نفس کو یہ نہیں معلوم ہے کہ وہ کل کیا کمائے گا" (لقمان:34) ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں کفر سے لغوی کفر مراد ہو نہ کہ شرعی، جس نے ایسی حرکتیں کیں اس نے گویا شریعت محمدی کا انکار کیا، یا بطور تشدید اور تغلیظ کے فرمایا تاکہ لوگ ان چیزوں کے کرنے سے باز رہیں۔ مترجم۔)

یہ سب کاہن ہیں چنانچہ جو اس رمالہ بوڑی عورت کی تصدیق کرے، یا جو پیالی والے یا ہتھیلی والے کی تصدیق کرے، یا اس عراف کی تصدیق کرے جو یہ دعوی کرتا ہے کہ وہ گمشدہ چیزوں کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ اونٹنی جو گم ہوگئی ہے وہ کہاں ہے، یا وہ گاڑی جو چوری ہوگئی ہے وہ کس علاقے میں کس شخص کے پاس ہے، یا وہ شخص جسے اغوا کرلیا گیا ہے وہ اس وقت کس کے گھر میں ہے!!

ایسے لوگوں کی باتوں کی جو تصدیق کرے گا وہ کافر ہے، اس نے ان چیزوں کے ساتھ کفر کیا جنہیں محمد ﷺ پر اتاری گئی ہیں، محمد ﷺ پر کیا اتاری گئی ہیں؟ وہ قرآن ہے جو کہتا ہے: {قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ} ترجمہ: کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے غیب نہیں جانتا اور وہ شعور نہیں رکھتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

چنانچہ اگر آپ نے کسی ایسے شخص کی تصدیق کی جو غیب کی معرفت کا دعوی کرتا ہو تو آپ نے اس آیت کے ساتھ کفر کیا، ایسے لوگوں کی تصدیق کرنے سے بچیں، یہ لوگ شیاطین کا استعمال کرتے ہیں، جو کبھی کبھی انہیں سچی خبریں بتاتے ہیں، بطور خاص ان لوگوں کو عراف (نجومی) ہوتے ہیں، اسلئے کہ وہ ان چوروں کے ساتھ ہوتا ہے جنہوں نے گاڑی یا اونٹ چرایا ہوتا ہے، اسی طرح اسکے ساتھ شیاطین ہوتے ہیں جو اونٹ اور گاڑی اور اغوا شدہ شخص کے بارے میں خبریں دیتے ہیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شیطان چوروں کے ساتھ ہو اور آدمی میں شکل میں ساتھ میں رہتا ہو، پھر وہ اس عراف کے پاس آ کر جو کہ اسکا پیر ہے ان ساری خبروں کی جانکاری دیدے جنہیں اس نے دیکھا ہے نہ کہ علم غیب سے، کیونکہ جن وشیاطین بھی غیب کا علم نہیں رکھتے ہیں، بلکہ آسمان سے کچھ خبروں کو اچک لیتے ہیں، پھر وہی خبریں وہ آ کر اپنے نجومی عراف شیخ کو بتادیتا ہے، اور وہ شیخ یہ نہیں کہتا کہ اسے یہ خبر جن یا شیطان نے بتائی ہے، بلکہ وہ اس انداز اور اسلوب میں بیان کرے گا کہ لگے اسے غیب کا علم ہے اور یہ اسکی کرامت کا اظہار ہے، اور وہ اسکا دعوی

بھی کرتا ہے؛ کیونکہ وہ کسی کا خیر خواہ نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کو دھوکہ دیکر مال کماتا ہے اور ان پر ہنستا ہے، اور لوگ کہتے ہیں کہ ماشاءاللہ شیخ جدہ میں بیٹھ کر پاکستان کی خبر رکھتے ہیں!

یہ نجومی اور عراف اسی طریقے سے شیاطین و جن کا استعمال کرتے ہیں، مگر یہ جان لو کہ کوئی بھی شیطان ایسے لوگوں کا تعاون اسی وقت کرتا ہے جب وہ شریعت مخالف امور کا ارتکاب کریں، مثلاً نماز ترک کر کے کافر ہو جائیں، یا بغیر وضو کے نماز پڑھیں، یا اپنی مجلس میں مرد و عورت سب کو ایک ساتھ بٹھائیں، یا کوئی کفریہ عمل کا ارتکاب کریں یا کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کریں، ایسا کرنے کے بعد ہی وہ خدمت کیلئے تیار ہو گا، مگر جو شخص سچا مومن ہو گا شیاطین اسکی مدد کبھی نہیں کر سکتے شیاطین ایسے ہی شیاطین کے پاس آتے ہیں۔

سوال نمبر ۲۵:

آیت قتل پر گفتگو کرتے وقت آپ نے صفت غضب پر کلام نہیں کیا یا اس پر کوئی تبصرہ نہیں فرمایا جب کہ اسی آیت میں یہ عبارت بھی ہے: (وَغَضِبَ عَلَيْهِ)، تو یہاں غضب کا کیا معنی ہے؟

جواب:

صفت غضب صفت فعلیہ ہے، میں نے یہاں پر کوئی تبصرہ نہیں کیا؛ کیونکہ ہمارے درس میں اس پر کئی بار گفتگو ہو چکی ہے، چنانچہ غضب، سخط، کراہت، محبت، رضا اور رحمت جیسے تمام صفات کو اشاعرہ صرف ایک صفت [ارادہ] کی طرف لوٹا دیتے ہیں، چنانچہ وہ غضب اور سخط کے تعلق سے کہتے ہیں کہ یہاں انتقام کا ارادہ مراد ہے، اسی طرح رحمت، محبت اور رضا کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہاں انعام کا ارادہ مراد ہے، سب کی تفسیر ارادے سے کی ہے، اور سائل چونکہ ان دروس میں حاضر نہیں تھے اسلئے انہیں اس پر سوال کرنے کا حق ہے۔

سوال نمبر ۲۶:

کیا یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو خواب میں دیکھا ہے؟

جواب:

نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو خواب میں دیکھا ہے، اگر یہ ثابت ہو جائے تو یہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہوگا، مگر اس تعلق سے جو کچھ مسند احمد میں مروی ہے وہ بغیر سند کے ہے، اور جو روایتیں بغیر سند کے ہوتی ہیں وہ مقبول نہیں ہوتیں، اور اس مسئلے میں نفی عام اور موکد ہے، یعنی دنیا کے اندر جس دیدار الہی کی نفی آئی ہے وہ عالم بیداری اور عالم خواب دونوں کو عام ہے، اور اگر خواب کا استثناء کیا جاسکتا تھا تو وہ نبی اکرم ﷺ کا ہوتا، دوسرے کیلئے نہیں ہوسکتا ہے، اور جو بات امام احمد کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ بھی مجرد ایسی روایات ہیں جن کا کوئی سند نہیں، اور یہ حدیث صحیح ہے جس کے اندر وارد ہوا ہے کہ مرنے سے پہلے دیدار الہی ممکن نہیں:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّكُمْ لَنْ تَرَوْا رَبَّكُمْ حَتَّى تَمُوتُوا۔

ترجمہ: سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ہرگز اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتے یہاں تک کہ تمہاری موت آجائے۔

یہ حدیث صحیح، صریح اور حرف لن کے ساتھ نفی کی گئی ہے، اور علامہ زمخشری تو حرف لن کو تابید کیلئے مانتے ہیں یعنی حرف لن کے ذریعے جس چیز کی نفی کر دی جائے وہ کبھی نہیں ہوسکتی، حالانکہ ہم انکی تائید نہیں کرتے، بلکہ تمام اہل لغت نے انکی موافقت نہیں کی ہے، وہ دراصل مغالطے میں آگئے تھے، کیونکہ یہ مطلق تابید کیلئے نہیں آتا ہے بلکہ مستقبل کی نفی کیلئے آتا ہے، چنانچہ اس حدیث کے مطابق مرنے کے بعد جب اٹھائے جائیں گے اس وقت بروز قیامت دیدار کے لائق ہو جائیں گے اور میدان محشر میں اسی طرح

جنت میں مومنین اپنے رب کا دیدار کریں گے اسی طرح جیسا مناسب ہوگا اور اسکی جاہ وجلال کے لائق ہوگا، یہاں پر یہی شاہد ہے، واللہ اعلم۔

۞۞۞

سوال نمبر ۲۷:

سائل کا سوال اس حدیث کے بارے میں ہے: (خُذُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ، فَإِنَّ اللَّهَ لَنْ يَمَلَّ حَتَّى تَمَلُّوا) ترجمہ: اتنی ہی عبادت کرو جتنی تم میں طاقت ہے کہ اللہ پاک ثواب دینے سے نہیں تھکے گا اور تم عبادت کرتے کرتے تھک جاؤ گے اور فرماتے تھے؟

جواب:

اس حدیث کو لیکر بہت سارے اہل علم کیلئے اشکال پیدا ہوا ہے، اور بعض اہل علم نے اسکا مفہوم یہ بتایا ہے کہ سستی، کاہلی اور تھکاوٹ تم ہی لوگوں کو لاحق ہوتی ہے، اسے نہیں، چنانچہ کہتے ہیں: اسکے اندر سستی اور کاہلی کی نفی ہے اثبات نہیں۔ اور اسکے لئے ان علماء نے عربی زبان سے کچھ شواہد بھی پیش کئے ہیں جو اس وقت مجھے مستحضر نہیں ہیں، بہر صورت اس حدیث کا مفہوم اور اسکی تحقیق جاری رہے گی اور ان شاء اللہ اگلے دروس میں اسکا خلاصہ پیش کیا جائے گا۔

۞۞۞

سوال نمبر ۲۸:
کیا قرآن کی قسم کھا سکتے ہیں؟
جواب:

اگر سائل کا مقصد اللہ کا کلام ہے تو بلا شبہ کلام اللہ کی قسم کھا سکتے ہیں؛ اسلئے کہ یہ اللہ کی ایک صفت ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف مجھے نہیں معلوم ہے، البتہ اگر کوئی مصحف کی قسم کھاتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ مصحف کے اندر اللہ کا کلام اور غیر کلام سب شامل ہے، اس کے اندر سیاہی، اوراق اور دفتی و دھاگہ اور جلد سب ہے۔

کلام اللہ مصحف کے اندر اوراق میں اور لوح محفوظ کے اندر روشنائی سے مکتوب ہے، چنانچہ جو کلام لکھا ہوا ہے وہ کلام اللہ ہے، باقی سیاہی، اوراق اور غلاف وغیرہ اللہ کے کلام میں شامل نہیں ہے، چنانچہ جو مصحف کی قسم کھاتا ہے وہ کلام اللہ اور اسکے ساتھ دوسری چیزوں کی بھی قسم کھاتا ہے اسلئے یہ جائز نہیں ہے۔

اسلئے قسم اس قرآن کی قسم کھائی جائے جو صرف کلام اللہ ہے، جسے ہم لکھتے ہیں پڑھتے ہیں اور یاد بھی کرتے ہیں، اور صرف یہی پورا اللہ کا کلام نہیں ہے، اسلئے کہ اللہ کے کلام کی کوئی انتہاء نہیں ہے، قرآن کریم اللہ کے کلام کا ایک حصہ ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا} ترجمہ: کہہ دیں! اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی بن جائے تو یقینا سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ میرے رب کی باتیں ختم ہوں، اگر چہ ہم اس کے برابر اور سیاہی لے آئیں۔

اللہ کے کلام کی کوئی انتہاء نہیں ہے؛ اسلئے وہ کمالات میں سے ہے اور اللہ کے کمالات کی کوئی انتہاء نہیں ہے، یہاں شاہد یہ ہیکہ قرآن جو کلام اللہ ہے اسکی قسم کھانا جائز ہے جبکہ مصحف کی جائز نہیں ہے، واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۲۹:

رجاء اور رغبت کے درمیان اور خوف، خشیت اور رہبہ کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب:

ان سب کے معانی قریب قریب ہیں، ان میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے، اس کی تفصیل کیلئے فتح المجید اور تیسیر العزیز الحمید کی طرف رجوع کریں۔

۞۞۞

سوال نمبر ۳۰:

مردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے ہیں؟ اس مسئلے میں حق کیا ہے؟

جواب:

جو چیز ثابت ہے ان میں ایک یہ ہیکہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں اس شخص کا سلام سنتے ہیں جو آپ پر بھیجتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ، إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھ پر جب بھی کوئی سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھے لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں“۔

یہ واضح رہے کہ آپ ﷺ اس شخص کا سلام سنتے ہیں جو آپ کی قبر پر آ کر آپ سے سلام کرتا ہے نہ دور سے، پھر اللہ تعالیٰ آپ کی روح واپس کرتا ہے اور آپ اسکے سلام کا جواب دیتے ہیں بایں طور کہ سلام کرنے والا جواب نہیں سنتا ہے، قریب اور دور کا یہ فرق معلوم ہونا چاہیئے، کیونکہ جب دور سے آپ پر سلام بھیجا جاتا ہے تو اسے فرشتے پہونچاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُونِي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو زمین میں گھومتے رہتے ہیں، وہ مجھ تک میرے امتیوں کا سلام پہنچاتے ہیں“۔

یہ تو نبی اکرم ﷺ کے سماع کے تعلق سے ہوا۔

اور جہاں تک دوسرے مردوں کے سماع کا تعلق ہے تو اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کچھ لوگ ثابت کرتے ہیں اور کچھ نفی کرتے ہیں، اور اس مسئلے کو یہاں بیان کرنے کا کوئی بڑا فائدہ نہیں ہے، واللہ اعلم۔

۞۞۞

سوال نمبر ۱۳۱:

قبر کے اندر رسول اللہ ﷺ کی زندگی کیا دنیاوی زندگی کی طرح حقیقی ہے یا برزخی زندگی ہے؟

جواب:

انبیاء سے لیکر سارے لوگ اس دنیا سے منتقل ہونے کے بعد برزخی زندگی ہی گزارتے ہیں، مگر وہاں پر سب کی زندگی متفاوت ہوتی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی برزخی زندگی ان شہداء سے بھی افضل اور اچھی ہے جو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور انہیں روزی ملتی ہے؛ اسلئے کہ وہ اس مقام تک رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہی کرکے پہونچے ہیں، اس طرح برزخ کے اندر سب سے افضل اور بہتر زندگی رسول اللہ ﷺ کی ہے، مگر وہ زندگی دنیاوی زندگی کی طرح نہیں ہے، چنانچہ وہ سارے احکام جن کا تعلق دنیاوی زندگی سے ہے وہ سب موت کے بعد ساقط ہو چکا ہے، اسلئے کہ موت کے بعد آپ ﷺ نے کبھی صحابہ کے ساتھ جہاد نہیں کیا، آپ کا جسد شریف قبر کے اندر محفوظ ہے، اسے زمین کبھی نہیں کھا سکتی؛ اسلئے کہ اللہ تعالی نے انبیاء کے جسموں کو حرام کردیا ہے انہیں زمین نہیں کھا سکتی، اسلئے آپ ﷺ کو جس طرح کفن میں رکھا گیا تھا اسی طرح اور اسی حالت میں اللہ تعالی قیامت کے روز اٹھائے گا، اور سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کو اٹھایا جائے گا۔

اسی طرح صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپکی وفات کے بعد آپ کے ساتھ ویسا سلوک نہیں کیا جیسا آپ کی زندگی میں آپ کے ساتھ کرتے تھے، یہاں پر صرف ایک مثال بیان کروں گا؛ نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں جب قحط سالی پڑتی تھی تو صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے دعاء کرنے کیلئے کہتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ قحط سالی کے وقت ایک دیہاتی نے آکر سوال کیا اور کہا کہ چوپائے برباد ہوگئے، راستے ختم ہو چکے آپ ہمارے لئے دعاء کریں کہ اللہ بارش کردے۔قصہ طویل ہے، یہاں محل شاہد یہ ہیکہ جب آپ ﷺ زندہ تھے تو اس لوگ آپ سے دعاء طلب کرتے تھے، مگر جب آپ کی وفات ہوگئی تو پھر کبھی

آپ ﷺ سے دعاء کی درخواست نہیں کی اور نہ ہی اس مقصد سے آپ کی قبر شریف پر گئے، چنانچہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قحط سالی پڑی تو آپ نے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور کہا: (اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا) ترجمہ: اے اللہ! پہلے ہم تیرے پاس اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لایا کرتے تھے۔ تو، تو پانی برساتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں تو، تو ہم پر پانی برسا۔

پھر آپ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے درخواست کیا کہ آپ آگے آئیں اور اللہ سے دعاء کریں، چنانچہ سیدنا عباس نے کھڑے ہو کر اللہ سے دعاء کی۔ اللہ نے آپ کی دعاء قبول فرمائی اور بارش نازل کی، یعنی صحابہ کرام کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی وفات کے بعد پہلے جیسا نہیں رہ گیا، چنانچہ یہ برزخی زندگی ہے جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے، بلکہ ہم یہ ایمان لاتے ہیں کہ آپ ﷺ کی برزخی زندگی شہداء کی زندگی سے بھی افضل ہے، اور یہ کہ جب کوئی بندہ آپ کی قبر پر جا کر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالی آپ کی روح کو واپس کرتا ہے اور آپ اسکا جواب دیتے ہیں، واللہ اعلم۔

❁❁❁

سوال نمبر ۳۲:

جاہلیت کا کیا مفہوم ہے؟

جواب:

جاہلیت کا استعمال جب مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے مراد وہ زمانہ ہوتا ہے جو اسلام کے قبل گزرا ہے، لیکن بعد میں اہل علم نے اس کا اطلاق ہر اس عادت و اخلاق، خصلت اور عمل پر کر دیا جس کا حکم رسول اللہ ﷺ نے نہ دیا ہو، یعنی جو شریعت کے خلاف ہو، اسی لئے کہا جاتا ہے: علم کلام کی جاہلیت، صوفیت کی جاہلیت، بدعت کی جاہلیت، غیر شرعی فیصلے کی جاہلیت، قانون سازوں کی جاہلیت۔

جاہلیت کی ان شکلوں سے مراد وہ زمانہ نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے گزرا ہے، بلکہ ان سے مراد وہ معانی، اخلاق، معاملات وسلوک اور صفات وخصائص ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے خلاف ہیں، اور آج یہ جاہلیت متعدد شکل میں پائی جاتی ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۳۳:

جب آپ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے اسے کونی اعتبار سے چاہا ہے شرعی اعتبار سے نہیں چاہا ہے، تو پھر ایک کافر کے کفر کو اللہ نے کیسے چاہا ہے؟ ہم آپ سے اسکی وضاحت چاہتے ہیں؟

جواب:

حقیقت یہ ہیکہ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ کبار طلبہ کے ساتھ اس پر گفتگو ہونی چاہئے تھی اسلئے کہ یہ کچھ غامض اور پیچیدہ مسئلہ ہے، لیکن چونکہ یہاں سوال موجود ہے اسلئے میری کوشش ہوگی کہ جتنا ممکن ہوسکے اسکی وضاحت کردوں، سوال سے یہی لگتا ہے کہ آپ لوگوں میں سے اس عبارت کو بعض نے برابر نہیں سمجھا ہے، تو واضح طور پر معلوم ہونا چاہئے کہ کفر وایمان ہو یا اطاعت ومعصیت سب اللہ ہی کے علم سے واقع ہوتا ہے، اور اسی کی تقدیر اور اسی کے چاہنے سے ہوتا ہے۔

اسے ہم ارادہ کونیہ کہتے ہیں، یعنی ایک کافر کا کفر اللہ کے ارادہ کونیہ اور مشیئت عامہ سے واقع ہوتا ہے، یعنی اللہ کا علم ازلی ہے وہ یہ ازل سے جانتا ہے کہ ابوجہل کفر ہی کی حالت میں مرے گا، اور یہ اسکے لئے مقدر تھا، اور اللہ نے اسے کونی اعتبار سے چاہا تھا، یہی ارادہ کونیہ کا مفہوم ہے۔

اور جہاں تک شرعی اعتبار کا تعلق ہے تو اللہ نے شرعاً یہ نہیں چاہا تھا کہ ابوجہل کفر کرے، اور نہ ہی اللہ نے اسے کفر کا حکم دیا تھا، بلکہ اللہ نے اسے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے ایمان لانے کا حکم دیا تھا، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اللہ کسی کو کفر کا حکم دے؟

بالکل نہیں، بلکہ سب کو اللہ نے ایمان لانے کا حکم دیا ہے، اور اسکا تعلق اللہ کے ارادہ شرعیہ سے ہے، یعنی اللہ نے اپنے بندوں کو ایمان کا حکم دیا ہے اور جو اس پر ایمان لائے گا وہ اس کے نزدیک محبوب ہوگا، مگر جب کوئی کفر کرتا ہے تو یہ اسکے ارادہ کونیہ کے تحت ہوتا ہے نہ کہ ارادہ شرعیہ کے تحت۔

آپ ایسی باتوں کو چھوڑ کر آگے بڑھیں، جب علم میں پختگی آجائے گی اور عمر بھی زیادہ ہوجائے گی

تو ایسے مسائل سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی، ابھی چھوٹے طلبہ کیلئے ایسے مسائل کے سمجھنے میں دشواری آئے گی، اور انہیں مزید تشویش اور دشواری میں ڈال دے گی؛ اسلئے میری نصیحت ہے کہ ابھی زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرو اور اس طرح کے مشکل اور پیچیدہ مسائل سے دور رہو یہاں تک علم میں پختگی آجائے۔

❁❁❁

سوال نمبر ۳۴:

اللہ نے کہا کہ وہ عرش پر مستوی ہے، استواء کا معنی ہے کہ وہ عرش پر بلند ہے، اللہ عرش کے اوپر ہے، اور رحمن کا عرش جنت کا چھت ہے، جنت آسمان کے اوپر ہے یعنی بلندی میں، اس طرح اللہ عرش کے اوپر بلکہ تمام مخلوق کے اوپر مخلوق سے جدا ہے، اور یہ صفت علو صفت استواء سے الگ ہے، صفت استواء فعلی صفت ہے جبکہ صفت علو ذاتی قدیم صفت ہے، جس طرح صفت علم، قدرت، حیات اور ارادہ ہے، اسی طرح صفت علو بھی ہے، چنانچہ اللہ تعالی جب رات کے آخری پہر میں نزول فرماتا ہے جیسا کہ اس کے لائق ہوتا ہے تو وہ اللہ کے علو کے منافی نہیں ہوتا، کیونکہ وہ علی اور قریب دونوں صفت کا حامل ہے، اس طرح اللہ ہمارے قریب ہے اپنے علو کے ساتھ اور ہمارے اوپر ہے اپنی قربت کے ساتھ۔

جواب:

مجھے لگتا ہے کہ اس مسئلے میں آپ حیران ہیں، اگر آپ اس حیرانگی سے نکلنا چاہتے ہیں تو کہیں کہ علم وادراک سے عاجزی بھی علم ہے۔ ان حقائق سے آپ کی عاجزی ہی کا نام ادراک ہے، چنانچہ یہ جان لیں کہ آپ رب العالمین کی صفات اور انکی کیفیات کے حقائق کے تصور اور انکے ادراک سے عاجز ہیں، آپ کیسے اللہ کے علو اور قرب ومعیت کو ایک ساتھ اکٹھا کر رہے ہیں؟ اللہ المستعان۔

میں اللہ سے اپنے لئے اور آپ سب کیلئے ثبات قدمی کی دعاء کرتا ہوں، اور مختصراً یہ کہتا ہوں کہ اللہ کی ذات، اسکے اسماء وصفات کے بارے میں غور وفکر نہ کرو، اسکی مخلوقات میں غور وفکر کرو، آسمان میں زمین کے اندر جو بکھرے ہوئے ہیں، اسی طرح اسکے افعال میں غور وفکر کرو تا کہ ایمان میں اضافہ ہو کیونکہ آپ اللہ کی ذات کا علمی احاطہ کبھی نہیں کر سکتے، ارشاد باری ہے: {وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا}

ترجمہ: اور تمھیں علم میں سے بہت تھوڑے کے سوا نہیں دیا گیا۔

اور صفات کی حقائق، ان کا تصور اور انکی کیفیات سب اللہ کے اسرار میں سے ہے، ان کے بارے

میں آپ کبھی نہ سوچیں، بلکہ یہ ایمان لائیں کہ اللہ ہمیشہ سے بلند رہا ہے اور رہے گا، اور اللہ کی معرفت اسکی صفت علو پر ایمان لائے بغیر ممکن ہی نہیں، جیسا کہ عبداللہ بن مبارک نے کہا تھا جب آپ سے پوچھا گیا کہ ہم اپنے رب کی تعریف کیسے کریں؟ تو کہا: بایں طور کہ وہ اپنے عرش پر مستوی ہے اپنی مخلوق سے جدا ہے، اور اسکا علم ہر جگہ ہے۔

کوئی جگہ اس کے علم سے خالی نہیں ہے، یہ بات بہت سارے ائمہ سلف سے منقول ہے، یعنی اللہ تعالی ہمارے ساتھ ہے اپنے علم کے ساتھ ہم میں سے ہر ایک کو اس سے کہیں زیادہ جانتا ہے جتنا آدمی خود اپنے بارے میں نہیں جانتا، چنانچہ اللہ کا علم ہر شیء کو محیط ہے، وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے اور ہر چیز جانتا ہے، اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، اسی کا نام معیت ہے، اور یہ حقیقی معیت ہے۔

چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے حقیقت میں تو اس سے یہی مراد ہوتا ہے نہ کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے ہمارے ساتھ ہے، کیونکہ وہ ذات کے اعتبار سے تمام مخلوقات کے اوپر ہے، اور اسی پر ایمان لانے سے ایک بندے کے ایمان میں اور اللہ کی تعظیم میں اضافہ ہوتا ہے، اور ساتھ ہی ایک انسان کو اپنی کمزوری اور عاجزی نیز کم علمی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور یہ کہ وہ اللہ کی ذات کی حقیقت کا ادراک نہیں کرسکتا، و باللہ التوفیق۔

نوجوانوں پر عقیدے کا سیکھنا اور اسے اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے کیونکہ اس وقت اہل بدعت اور شہوت پرستوں کی طرف سے عقیدے پر بہت زیادہ حملے ہورہے ہیں، عقیدے پر یہ الزام لگایا جارہا ہے کہ اس سے دل کے اندر سختی پیدا ہوتی ہے، یہ افترا پردازی ہے، کیونکہ عقیدے سے انسان اللہ کے قریب ہوتا ہے، اور یہ ایسا اسلئے کہہ رہے ہیں تا کہ آپ کو اللہ سے دور کردیں، عقیدہ سے دور کردیں، پھر اپنا شکار آسانی سے بناسکیں، اور عقیدے سے لڑنے کیلئے تمہیں اپنی سازشوں میں استعمال کرسکیں، یہ اہل عقیدہ اور اہل توحید کے ساتھ سوچی سمجھی سازش ہے، وہ تمہیں عقیدہ و توحید سے دور کرنا چاہتے ہیں، اس

لئے اس سازش سے ہمیشہ آگاہ رہو اور ایسے لوگوں سے لڑنے کیلئے شب و روز تیار رہو کیونکہ وہ اپنی مذموم کوششوں کو کامیاب بنانے کیلئے دن رات ایک کر رہے ہیں اور تم ان سے غافل ہو!

۞۞۞

سوال نمبر ۳۵:

فرقہ اباضیہ کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں؟

جواب:

فرقہ اباضیہ پر تفصیلی معلومات کیلئے ابوالحسن اشعری کی کتاب [مقالات الاسلامیین] دیکھیں، ساتھ ہی بغدادی کی کتاب [الفرق بین الفرق] ،شہرستانی کی کتاب [الملل والنحل] اور ابن حزم کی کتاب [الفصل] کا مطالعہ کریں۔

اور اختصار کے ساتھ یہ جان لیں کہ اباضیہ خوارج کی ایک شاخ ہے، بلکہ موجودہ دور میں خوارج کی شکل میں اگر کوئی فرقہ پایا جاتا ہے تو یہی اباضیہ ہے، جیسا کہ مجھے معلوم ہے، سوائے ان متشدد انتہا پسندوں کے جو خوارج کے عقیدے سے متاثر ہیں اور گناہوں کی بنیاد پر مسلمانون کی تکفیر کرتے ہیں، البتہ یہ اباضیہ خوارج کا ایک فرقہ ہے، اگر آپ اس کے بارے میں مزید تفصیل جاننا چاہتے ہیں تو مذکورہ مراجع ومصادر پر نظر رکھیں۔

۞۞۞

سوال نمبر ۳۶:

کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ انسان مسیر (مجبور) یا مخیر (مختار) ہے؟

جواب:

یہ سوال تفصیل طلب ہے، مگر مختصراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ بندے کو اختیار ہے، ہر بندہ کو قدرت دی گئی ہے، اسے اختیار دیا گیا ہے، اسکا ارادہ ہے جو اللہ کے ارادہ کے تابع ہے، ارشاد باری ہے: {وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ} ترجمہ: اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے، جو سب جہانوں کا رب ہے۔

اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انسان مسیر ہے، یہ تعبیر غلط ہے؛ کیونکہ یہ مجبور کے معنی میں آتا ہے، اور یہ جبر کا عقیدہ ہے، حالانکہ انسان مجبور نہیں ہے خواہ وہ اچھا عمل کرے یا برا، وہ ہر عمل اپنے اختیار، اپنی قدرت اور ارادے سے کرتا ہے۔

اور اللہ ہی نے اسے پیدا کیا ہے اور ساتھ ہی اسکی قدرت، اسکے ارادے اور اسکے اختیار کو بھی پیدا کیا ہے، اور اس کیفیت پر اسے بنایا ہے کہ جس پر وہ عمل کرنے کے قابل ہوتا ہے، پھر وہ اپنی آزادی اور اختیار سے ہر کام کرتا ہے، اسی لئے جب وہ اچھا عمل کرتا ہے تو اسکی تعریف کی جاتی ہے اور اس پر اسے ثواب دیا جاتا ہے اور اگر برا عمل کرتا ہے تو اس پر اسکی برائی کی جاتی ہے اور اسکا مواخذہ ہوتا ہے؛ کیونکہ اس نے اپنی قدرت وارادے اور اختیار سے کرتا ہے، وہ مجبور نہیں ہے، اور نہ ہی مستقل اور اپنے افعال کا خالق ہے۔

اس مسئلے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں: قدریہ، جبریہ و اہل سنہ۔

قدریہ: یہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق خود ہے، اللہ بندوں کے افعال میں دخل نہیں دیتا ہے، اسی لئے قدریہ کو اس امت کا مجوس کہا گیا؛ کیونکہ انہوں نے دو خالق کو ثابت کیا ہے، اللہ اور اسکے

بندے انکے نزدیک دونوں خالق ہوئے، چنانچہ ان کے یہاں ہر بندہ خالق ہے، خواہ وہ فرشتے ہوں یا انس وجن ہوں، قدریہ کا ظہور صحابہ کے آخری دور ہی میں ہو چکا تھا، جن سے ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ نے براءت کا اظہار کرلیا تھا۔

ان کے بعد جبریہ آئے اور کہا: بندہ مجبور ہے، اسکا کوئی ارادہ اور قدرت نہیں ہے، وہ اس درخت کی طرح ہے جسے ہوا جدھر چاہے گھماتا رہے۔

مگر اہل سنت والجماعہ کہتے ہی کہ بندہ اپنے اختیار سے افعال کو انجام دیتا ہے اسکے پاس اللہ کی دی ہوئی محدود قدرت، ارادہ اور اختیار ہے، اور اللہ اسکا اور اسکے افعال سب کا خالق ہے۔

اہل سنت والجماعہ کا یہی عقیدہ ہے کہ بندہ خالق نہیں ہے، بلکہ وہ فاعل ہے، اسکا فعل اور کسب ہے اسکے اپنے اختیار سے، اور اسی پر احکام اور تکالیف شرعیہ مرتب ہوتے ہیں۔

اس بنیاد پر بندہ مخیر ہے، اور میسر اسے اس طور پر کہہ سکتے ہیں کہ بندہ گرچہ مخیر ہے اور اسکی قدرت، ارادہ اور اختیار ہے مگر وہ ہر کام اسی وقت کرسکتا ہے جب اللہ کی مشیئت اور اسکا ارادہ ہوگا، گویا اللہ نے بندے کو فعل کے وجود کا سبب بنا دیا ہے، اسی لئے ایک ہی فعل کو دو امر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے:

امر اول: مخلوق کی نسبت خالق کی طرف کرتے ہوئے اس فعل کو اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

امر ثانی: مسبب کی نسبت سبب کی طرف کرتے ہوئے اس فعل کو بندے کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے، کیونکہ بندہ سبب ہے۔

گویا اللہ نے بندوں کے افعال کو پیدا کیا ہے، اور بندوں کو ان افعال کے پیدا کرنے کا سبب بنا دیا ہے، وباللہ التوفیق۔

سوال نمبر ۳۷:

کیا ایک ہی ساتھ سلفی صوفی کہنا صحیح ہے؟

جواب:

اگر ایسا کہا جاتا ہے کہ فلاں سلفی صوفی ہے یا فلاں کا منہج اور طریقہ سلفی صوفی ہے تو یہ تناقض ہے، ہوسکتا ہے کوئی پہلے صوفی رہا ہو پھر اس پر حق واضح ہوگیا ہو اور صوفیت کے خرافاتی عقائد سے توبہ کرکے منہج سلف کو اختیار کرلیا ہو، اس بنا پر اسے صوفی سلفی کہا جاتا ہو، اور ایسا خود امام ابن القیم کے ساتھ ہوا ہے، جیسا کہ انہوں نے خود اپنے بارے میں بیان کیا ہے کہ آپ کو اللہ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے صوفیوں کی خرافاتی دنیا سے بچالیا، اور آپ بھی اپنے شیخ کے ساتھ سلفی دعوت کے میدان میں کام کرنے لگے، اور جیسا کہ طلبہ جانتے ہیں وہ لوگ صرف سلفیت کا دفاع ہی نہیں کرتے تھے بلکہ مخالفین سلفیت پر رد بھی کرتے تھے جیسا کہ آپ نے اپنی کتاب: [اجتماع الجیوش الاسلامیة علی غزو المعطله والجهمیه] اور [الصواعق المرسلة] میں کیا ہے۔

یہ سب دفاعی نہیں ہجومی کتابیں ہیں جن کے اندر بڑی بہادری اور قوت کے ساتھ جاہلیت پر حملہ کیا گیا ہے، اب اسکے بعد انہیں صوفی نہیں کہا جاسکتا کہ آپ صوفی سلفی تھے، بلکہ من باب الاخبار یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ پہلے صوفی تھے پھر اللہ نے ہدایت دی اور سلفی ہوگئے۔ ایک ہی ساتھ کسی کو صوفی سلفی کہنا خود اپنے آپ میں تناقض ہے؛ کیونکہ جو صوفی ہے وہ سلفی نہیں اور جو سلفی ہے وہ صوفی نہیں ہوسکتا۔

سوال نمبر ۳۸:

بعض صوفیوں کے یہاں صرف زہد وتعبد پایا جاتا ہے مگر آپ لوگ صوفیت پر کلام کرتے وقت یہ تفصیل نہیں ذکر کرتے، کیا سارے صوفی ایک جیسے ہوتے ہیں؟

جواب:

صوفیوں کی دو قسم ہے:

* ملحد صوفی: یہ وحدت الوجود اور حلول کے قائل ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی نعوذ باللہ بعض شخصیات اور بعض اجسام میں حلول کرتا ہے، یہ حد درجہ گمراہ ہیں، بلکہ ان کی گمراہی کفر تک پہونچ جاتی ہے۔

* عام صوفی: یہ بدعتی ہوتے ہیں، ان کی بدعت کفر تک نہیں پہونچتی ہے، مگر ان میں جو ابن عربی کو شیخ کا درجہ دیتے ہیں جس کا عقیدہ وحدت الوجود اور حلول کا تھا، اسی سے خطرہ ہوتا ہے۔

یہ انکی جہالت اور ابن عربی جیسے ملحد کبیر کے تعلق سے ان کے حسن ظن پر دلالت کرتا ہے جس کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس نے وہ کفر کیا ہے جس کا ارتکاب کفار قریش نے بھی نہیں کیا تھا۔

اور یہ معقول بھی ہے؛ کیونکہ ابو جہل نے یہ کبھی نہیں کہا کہ اللہ اسکے ساتھ حلول متحد ہوگیا ہے یا اسکے اندر حلول کرگیا ہے، ابو جہل وجود باری تعالی کا قائل تھا، وہ توحید ربوبیت کا اقرار بھی کرتا تھا اس نے توحید عبادت کا انکار کیا تھا۔

اس طرح وہ ابن عربی سے بھی بہتر تھا وہ ابن عربی جو کہتا تھا: اس جبے کے اندر اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے؛ اسلئے کہ اللہ اس کے ساتھ متحد ہوگیا تھا نعوذ باللہ۔

اس طرح کی کفریہ باتوں پر ایمان لانے والے کو شیخ اکبر کہنا اور اسکی باتوں کی تصدیق کرنا عام صوفیوں کی بڑی غلطیاں ہیں۔

سوال نمبر ۳۹:

جو اللہ، اسکے دین یا اسکے رسول ﷺ کو گالی دے اسکا کیا حکم ہے، اس یاد دہانی کے ساتھ کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر وہ نماز کی پابندی کرتا ہے تو وہ فاسق ہے کافر نہیں ہے گرچہ وہ اس عمل کا بار بار تکرار کرے؟

جواب:

ہم لوگ اس وقت عجائب کی دنیا میں جی رہے ہیں، اسی طرح یہ فتوی بھی عجائب میں سے ہے، اگر مفتی کا تعلق اہل علم سے ہے۔

حقیقت یہ ہیکہ اللہ، اسکے رسول اور اسکے دین کو گالی دینے والے کے کفر پر اجماع ہے، اس میں اختلاف نہیں ہے، اس مفتی سے پہلے میں کسی کا اختلاف نہیں جانتا، بلکہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ جو اللہ کو گالی دے گا وہ کافر ہو جائے گا، اسی طرح جو رسول اللہ ﷺ کو گالی دے گا یا دین اسلام کو گالی دے گا، یا اسی طرح جو رسول ﷺ یا اللہ یا دین اسلام کا مذاق اڑائے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔

اب ہم اس مسئلے میں عقلی پیمانے پر غور کرتے ہیں کہ جو اللہ کو گالی دیتا ہے کیا اسکا یہ مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ سے نفرت کرتا ہے؟

کل ہی ایک نوجوان نے مجھ سے سوال کیا کہ اگر کوئی اللہ کو حالت غضب میں گالی دے تو اسکا کیا حکم ہے؟

سوال یہ ہیکہ وہ غصہ کس پر ہے، کیا اللہ پر غصہ ہو کر اللہ کو گالی دے رہا ہے؟

ایسا لگتا ہے نوجوان نے اسے صلاۃ غضبان پر قیاس کر لیا ہے؟

اس کا جواب یہی ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، زید نے غصہ اس قدر غصہ ہوا کہ اپنا ہوش کھو بیٹھا اور اپنی بیوی کو طلاق دے دیا، تو یہ طلاق واقع نہیں ہوگا، لیکن کیا ایک بندے کے تعلق سے یہ تصور کر سکتے

ہیں کہ وہ رب العالمین پر غصہ ہو کر اسے گالی دے بیٹھے؟!

اگر کوئی اللہ سے محبت کرتا ہے تو وہ اسے گالی نہیں دے گا، گالی وہی دے گا جو اس سے نفرت کرتا ہے، اور یہی کفر کا راز ہے؛ اس لئے کہ اس نے اللہ سے نفرت کی یہاں تک کہ وہ اسے گالی دے بیٹھا، اور اللہ سے نفرت کرنا دراصل کفر ہے، اور اللہ سے نفرت دل کی ویرانی ہے اور دل کی ویرانی کفر کی حقیقت ہے، چنانچہ جس کا دل ویران ہو جائے، اپنے خالق سے نفرت کرے اور اللہ کو گالی دے ایسے شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے، اور جو اسکے کفر میں شک کرے اور اسے کافر نہ سمجھے تو اسکے کفر کا مسئلے ہو جائے گا۔

اس مسئلے پر عقل و بصیرت کی نظر سے غور کریں، اللہ کی محبت ایمان کی روح ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی محبت ایمان کے شعبوں میں سے ایک عظیم شعبہ ہے، آخر ایک مسلمان یہ جرأت کیسے کرسکتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دے، وہ رسول اللہ جنکی تعریف ابوطالب نے کی تھی جو کہ مسلمان بھی نہیں تھے اور آپ کے دین کی بھی تعریف کی تھی، سبحان اللہ! ابوطالب کو دین محمد ﷺ کی صحت کا اعتراف تھا، کہتے ہیں:

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِأَنَّ دِينَ مُحَمَّدٍ... مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِينَا

لَوْلَا الْمَلَامَةُ أَوْ حِذَارُ مَسَبَّةٍ... لَوَجَدْتَنِي سَمْحًا بِذَاكَ مُبِينَا

ترجمہ: مجھے معلوم ہے کہ محمد کا دین تمام ادیان میں سب سے بہتر ہے۔ اگر ملامت یا عار کی بات نہ ہوتی تو مجھے اسکے لئے سب سے زیادہ نرم اور کھلے دل والا پاتے۔

عار اور ملامت کے خوف سے ابوطالب ایمان نہ لاسکے مگر رسول اللہ ﷺ کا حد درجہ احترام کرتے تھے، آپ کا دفاع کرتے تھے اور ہر طرح آپ کی مدد کرتے رہے اور آپ ﷺ اپنے رب کا پیغام پہونچاتے رہے، دوسری طرف ایک مفتی آ کر کہتا ہے کہ اگر کوئی نماز کی پابندی کرتا ہے اور وہ اللہ یا اسکے رسول کو گالی دے دے تو وہ فاسق ہوگا کافر نہیں؟! اس مفتی سے پوچھیں کہ جو اللہ اور اسکے رسول کو گالی دے

گا کیا اس کی نماز مقبول ہوگی؟ کیا مرتد کی نماز مقبول ہوتی ہے؟ کیا قبولیت اعمال کی شرط ایمان نہیں ہے؟ کیونکہ یہ اب مومن نہ رہا۔

اس لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم کسی ایسے عالم سے دھوکہ کھائیں جس کی طرف بھیانک غلطیاں صادر ہوتی ہوں، کیونکہ جس طرح شہسوار گرتا ہے عالم بھی گر جاتا ہے، مگر یہ بھی معلوم رہے کہ عالم کی غلطی سے عالَم لڑکھڑا جاتا ہے، بالخصوص اس زمانے میں کہ کیسٹوں (آپ کے زمانے میں کیسٹوں کا رواج تھا) سے ایک عالم کی بات پوری دنیا میں پھیل جاتی ہے۔

یہ کس قدر عیب اور عار کی بات ہے کہ ایک سنی عالم فتوی دے کہ جو اللہ اور اسکے رسول کو گالی دے وہ کافر نہیں ہے، اور یہ فتوی مشہور بھی ہو جائے، حالانکہ علماء کا اس کے کفر پر اتفاق ہے۔

مسئلہ بہت ہی سنگین ہے اور جو فتوی دیتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اللہ کا خوف کریں ورنہ ہمارا موقف بھی بہت سنگین ہوتا ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۴۰:

سائل کہتا ہے: میں العقیدہ الواسطیہ اور اسکی شروحات میں یہ پڑھا ہے کہ اللہ ہی بندوں کا خالق اور اسکے افعال کا خالق ہے؟

جواب:

اہل علم کے نزدیک یہ باب .بہت معروف ہے جو باب خلق افعال ، یا خلق افعال العباد اور خلق افعال اللہ سے جانا جاتا ہے۔

افعال عباد وہی ہیں جنہیں بندے انجام دیتے ہیں، اور ان افعال کی نسبت اللہ کی طرف کی جاتی ہے مخلوق کی اضافت خالق کی طرف کرنے کے باب سے چنانچہ اسکی نسبت مخلوق کی طرف کی جاتی ہے مسبب کی نسبت سبب کی طرف کرنے کے باب سے، اور چونکہ اللہ ہی تنہا خالق ہے، وہی بندوں کا خالق ہے اور انکے افعال کا بھی، اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے، اس کے اندر قدریہ پر رد ہے جو تقدیر کے منکر ہیں، اور گمان کرتے ہیں کہ ہر بندہ اپنے اختیاری افعال کا خالق خود ہے۔

سائل کو اشکال یہ ہیکہ ہمارے افعال اللہ کی تخلیق کیسے ہو جائیں گے؟

جواب: سائل نے اگر نفس کتاب کو پڑھا ہوتا جس کے اندر شیخ خلیل ہراس نے شیخ عبدالرحمن سعدی سے نقل کیا ہے تو مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا، اسلئے ہم دوبارہ اسے پڑھنے کیلئے احالہ کروں گا، اور یہاں پر مختصر جواب بھی دوں گا۔

اللہ نے بندے کو پیدا کیا، اسکے لئے قدرت ، ارادہ ، مشیئت اور اختیار کو بھی پیدا کیا، اور اسے ایسی ہیئت اور کیفیت پر پیدا کیا کہ وہ جو چاہے اپنے اختیار سے کرے نہ کہ مجبور ہو کر، چنانچہ جو چاہے چھوڑ دے اپنے اختیار سے، اور اسکی طرف اعمال کی نسبت کی جاتی ہے، خواہ وہ برے ہوں یا اچھے، اور اسی بنیاد پر تکالیف شرعیہ اس سے متعلق ہیں، چنانچہ اچھے اعمال پر اسے نیکیاں ملتی ہیں اسلئے کہ اس نے اپنے اختیار

سے کیا ہے، اور برے اعمال پر اسے سزا ملتا ہے اسلئے کہ اس نے اپنے اختیار سے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے، چنانچہ ترک واجبات پر اسے سزا ملے گی اسلئے کہ اس نے یہ اپنے اختیار سے کیا ہے۔

لیکن کیا بندے کو اس وجہ سے اپنے افعال کا خالق کہا جائے گا؟ نہیں، بلکہ اسے فاعل کہا جائے گا نہ کہ خالق، خالق صرف اللہ ہے، بندہ فاعل ہے، اللہ اسے قدرت، ارادہ، اختیار اور مشیئت دیتا ہے اور عمل کیلئے اسباب عطا کرتا ہے پھر وہ اپنے ارادے اور مشیئت سے انہیں انجام دیتا ہے مگر اسکی مشیئت اللہ کی مشیئت کے تابع ہوتی ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا: {وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ} ترجمہ: اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے، جو سب جہانوں کا رب ہے۔

اسلئے یہ باب تحقیق طلب ہے اور اس باب میں طلبہ اور اہل علم سے ہی گفتگو مناسب ہے عوام سے نہیں، یہاں صرف یہی کہنا کافی ہوگا کہ بندوں کے افعال خواہ وہ بھلے ہوں یا برے سب کو اللہ نے پیدا کیا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ} ترجمہ: حالانکہ اللہ ہی نے تمھیں پیدا کیا اور اسے بھی جو تم کرتے ہو۔

یہاں پر (ما) یا تو مصدریہ ہوگا جس کا مطلب ہوگا کہ اس نے تم کو اور تمہارے عمل کو پیدا کیا ہے، یا تو موصولہ ہوگا تو ایسی صورت میں مطلب ہوگا کہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے اور اس عمل کو جسے تم کرتے ہو۔ یعنی اللہ ہی تنہا خالق ہے اور تم فاعل ہو یعنی اس عمل کو انجام دینے والے؛ اسلئے کہ اللہ ہی نے تمہیں اس عمل پر قادر بنایا ہے اور اسی بنیاد پر نیک عمل کرنے پر نیکیاں اور برائیاں کرنے پر مواخذہ ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ تمام افعال کا خالق اللہ ہی ہے جیسا کہ بندے کا خالق اللہ ہے، اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے، واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۴۱:

بعض سلفی نوجوانوں کے پاس جب حافظ ابن حجر کا ذکر آتا ہے تو وہ انہیں اشعری کہتے ہیں، ابن حجر اور ان جیسے دیگر ائمہ دین جو عقائد کے میدان میں ٹھوکر کھائے ہیں ان کے تعلق سے وضاحت مطلوب ہے تاکہ ان کے تعلق سے اشکالات کا ازالہ ہو سکے؟

جواب:

حافظ ابن حجر، امام نووی، علامہ ذہبی، امام شوکانی اور کبھی کبھار امام بیہقی وغیرہ ائمہ دین جنہوں نے کتاب وسنت کی عظیم خدمت کی ہے، یہ لوگ بعض نصوص صفات کی تاویل میں واقع ہو گئے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالی تحریم خمر سے ناواقف ہونے حتی کہ وجوب صلاۃ سے ناواقف ہونے سے عند اللہ عذر مقبول ہے کیونکہ وہ علم اور اہل علم سے دور رہا، اور نہ ہی اس نے علم طلب کیا اور نہ ہدایت، اور نہ ہی اسکے لئے اس نے کوشش کی، جب اللہ ایسے لوگوں کو معاف کرسکتا ہے، تو اس شخص کے عذر کو بھی معاف کرسکتا ہے جس نے پوری کوشش کی تاکہ اسے خیر وہدایت کا علم ہو جائے مگر پورے علم وادراک تک نہیں پہونچ سکا اور غلطی میں واقع ہوگیا، خواہ وہ غلطی اسماء وصفات کے باب میں ہو یا عبادت کے باب میں، تو ایسا شخص اللہ کے عفو ورحمت اور معافی کا زیادہ مستحق ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ علمائے جہمیت سے مناظرہ کر رہے تھے اسی دوران ان سے کہا تھا: اگر میں وہی بات کہتا جو تم نے کہی ہے- یعنی اگر میں تمہاری جگہ پر ہوتا- تو میں کافر ہو جاتا، مگر تم لوگ معذور ہو اسلئے کہ جاہل ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہالت اور ناواقفیت عذر ہے اور بطور خاص اس وقت جب ایک شخص حق کو جاننے کیلئے پوری کوشش صرف کردے، اور آپ کے نزدیک اور دیگر علمائے

محققین کے نزدیک فروع اور اصول دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اور اس کے لئے کچھ دلیلیں بھی پیش کرتے ہیں، انہیں میں سے وہ اسرائیلی قصہ بھی ہے جس کے مرنے کا وقت جب قریب آیا تو اس نے اپنی اولاد کو یہ وصیت کی کہ جب وہ مرجائے تو اسے جلا دینا، پھر اسکی راکھ کو دریا میں پھینک دینا، اور اس کا کچھ حصہ ہوا میں اڑا دینا، اس طرح وہ بکھر جائے گا۔

اس کا یہ گمان تھا کہ اس طرح جب وہ کرے گا تو اللہ کی پکڑ سے وہ نکل جائے گا، جیسا کہ پوری تفصیل اس حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " أَسْرَفَ رَجُلٌ عَلَى نَفْسِهِ، فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ أَوْصَى بَنِيهِ، فَقَالَ: إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي ثُمَّ اسْحَقُونِي ثُمَّ اذْرُونِي فِي الرِّيحِ فِي الْبَحْرِ، فَوَاللَّهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَيَّ رَبِّي لَيُعَذِّبُنِي عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ بِهِ أَحَدًا، قَالَ: فَفَعَلُوا ذَلِكَ بِهِ، فَقَالَ لِلْأَرْضِ: أَدِّي مَا أَخَذْتِ، فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ، فَقَالَ لَهُ: مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ؟، فَقَالَ: خَشْيَتُكَ يَا رَبِّ أَوْ قَالَ مَخَافَتُكَ فَغَفَرَ لَهُ بِذَلِكَ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک شخص نے گناہ کیے تھے جب مرنے لگا تو اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد مجھ کو جلانا، پھر میری راکھ باریک پیسنا، پھر دریا میں، ہوا میں اڑا دینا کیونکہ اللہ کی قسم! اگر پروردگار نے تنگ پکڑا مجھ کو تو ایسا عذاب کرے گا کہ ویسا عذاب کسی کو نہ کیا ہو گا، اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا، اللہ تعالیٰ نے زمین سے فرمایا: جو تو نے اس کی خاک لی ہے وہ اکٹھی کر دے، پھر وہ پورا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ بولا: تیرے ڈر سے اے پروردگار، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اسے اللہ کی قدرت عامہ کا علم نہیں تھا، اسی لئے اس نے ایسا کیا،

چنانچہ اللہ نے اسے اکٹھا کر کے زندہ کیا اور اپنے سامنے اٹھایا اور پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو اس نے جواب دیا: میرے رب! تیرے خوف کی وجہ سے۔

اللہ سے خوف کھانے کا مطلب وہ مومن تھا اور اللہ سے ڈرتا تھا مگر وہ اللہ کی قدرت عامہ سے ناواقف تھا، اور یہ کہ اللہ تعالی تمام ذرات کو اکٹھا کرسکتا ہے، یہ بندہ اصول دین سے ناواقف تھا، اور بہت سارے علمائے دین اور ائمہ دعوہ کا یہی خیال ہے حتی کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے لڑکے عبداللہ اپنے والد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے: وہ لوگ جو شیخ عبدالقادر جیلانی اور ان جیسے دوسرے لوگوں کی قبروں کا طواف کرتے ہیں ان پر کفر کا حکم لگانے سے پہلے انہیں تنبیہ کرنا اور اصول دین سے واقف کرانا واجب ہے۔

چنانچہ جب ہم علمائے محققین اور فقہائے کرام کے اقوال کا جائزہ لیں گے تو یہی پتہ چلے گا کہ جہالت عذر ہے اور یہ دین کے اصول اور فروع دونوں میں عام ہے، اور یہ ائمہ گرچہ اصول دین سے ناواقف نہیں تھے مگر ان سے بھی بہت سارے دین کے مسائل رہ گئے تھے جن میں درک حاصل نہیں کر سکے۔

چناچہ امام شوکانی پہلے شیعہ تھے اسلئے کہ وہ زیدی فرقے سے تھے، اور زیدیہ شیعہ ہیں، مگر شیعوں میں حق کے سب سے زیادہ قریب یہی ہیں۔

انہوں نے زیدیت کو ترک کر دیا اور تمام تقلیدی مذاہب کا ایک طویل سفر کیا، پھر سارے تقلیدی مذاہب کو ترک کیا، خود اجتہاد کیا اور مسلک سلف سے جڑ گئے، چنانچہ آپ مجتہد تھے مقلد نہیں تھے، اسکے لئے آپ کی کتاب فتح القدیر اور نیل الاوطار اور دیگر کتابوں کو دیکھ سکتے ہیں، مگر آپ سے بھی بہت سے مسائل فوت ہو گئے یہاں تک کہ تفویض کو منہج سلف خیال کرلیا جبکہ یہ غلط ہے، نصوص کے معانی کو تفویض کرنا منہج سلف نہیں رہا ہے، بلکہ منہج سلف میں سارے نصوص کے معانی کی معرفت ضروری ہے جیسے سمع و بصر، استواء، نزول و مجیء وغیرہ، تفویض اصل میں ان معانی کی حقیقت اور انکی کیفیت کا ہے، چنانچہ تفویض کی دو

قسمیں ہیں :

تفویض معانی: یہ غلط ہے، اوراسی غلطی میں امام شوکانی واقع ہوئے ہیں، اللہ آپ کو معاف فرمائے۔

تفویض حقیقت وکیفیت: اسی کو امام مالک نے مراد لیا تھا جب یہ کہا تھا کہ استواء معلوم ہے مگر کیفیت مجہول ہے،اس پر ایمان لانا واجب ہے جبکہ اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ علمائے کرام معذور ہیں ،لہذا ایسے علماء کے خلاف زبان درازی کرنا اور بڑی جرأت سے کہنا کہ وہ بدعتی ہیں اور جو انہیں بدعتی نہ کہے وہ بھی بدعتی ہے،یہ بہت بڑی جرأت ہے بلکہ بعض نوجوان حداد سے متاثر ہو کر اس جرأت جدیدہ کا شکار ہو چکے ہیں،اللہ انہیں ہدایت دے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۴۲:

کیانبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاہ ومقام یاکسی دوسرے کے جاہ ومقام کاوسیلہ مانگنا یاقرآن کے جاہ ومقام کاوسیلہ شرک اور بدعت ہے؟

جواب:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاہ ومقام کا وسیلہ مانگنا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام تمام انبیاء میں سب سے عظیم ہے، اسی طرح دوسرے نیک لوگوں کے جاہ ومقام کاوسیلہ مانگنا، یاقرآن کی حرمت کاوسیلہ مانگنا یااس طرح کے الفاظ تو سننے میں بہت اچھے لگتے ہیں مگر یہ سب بدعت ہے، ان سب سے وسیلہ مانگنے والا بدعتی ہے، شرک نہیں بدعت کہا جائے گا، کیونکہ یہ دین میں ایک نیا عمل ہے جسکی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

بہت سارے لوگوں کے استعمال کرنے اور ایسا عقیدہ رکھنے سے ہمیں دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، اور دوسری طرف ہمیں تشدد کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے کفر یا شرک بھی نہیں کہنا چاہئے بلکہ یہ بدعت ہے شرک اور کفر نہیں ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۴۴:

کوئی بدعت میں مبتلا ہے، میں نے اسے خبر کردی اور اس پر حجت بھی قائم کردی کہ یہ بدعت ہے مگر پھر بھی وہ اس پر مصر ہے تو کیا وہ اس سے کافر ہو جائے گا؟

جواب:

نہیں، ہرگز نہیں، مجرد بدعت کی بنیاد پر کسی انسان کی تکفیر نہیں کی جائے گی، یہ اطلاق صحیح نہیں ہے، بلکہ بدعت کی کئی قسمیں ہیں:

بدعت مکفرہ: جیسے جہمیت اور غالی روافض کی بدعت، اسکے علاوہ اگر کوئی عبادت میں یا دوسرے دینی امور میں بدعت کا ارتکاب کرتا ہے اور آپ نے اسے بتلا بھی دیا ہے کہ عمل بدعت ہے، مثلاً کسی نے پندرہ شعبان کی رات میں قیام اللیل کیا، عید میلاد النبی ﷺ منایا، تو اس سے وہ کافر نہیں ہو جائے گا۔

ایسی صورت میں آپ ایک کام کر سکتے ہیں کہ کسی بدعتی یا گنہگار کو نصیحت کر دیا مگر اس کے بعد بھی وہ مان کر نہیں رہتا تو اس کا ساتھ چھوڑ دیں، اس کا بائیکاٹ کر دیں اور دوسروں کو اسکی بدعت اور گناہ سے آگاہ کر دیں۔

مگر جہاں تک تکفیر کا تعلق ہے تو بدعت عامہ کی بنیاد پر کسی مسلمان کی تکفیر نہیں کی جاتی الا یہ کہ وہ بدعت مکفرہ ہو جسکی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۴۴:

پہلی بدعت کیا ہے؟ کیا وہ خوارج کی بدعت ہے یا قدریہ کی یا خلق قرآن کی بدعت ہے؟ مسئلے کی وضاحت چاہتا ہوں۔

جواب:

سب سے پہلی بدعت اور پہلا سیاسی فرقہ جو اسلامی سلطنت کے خلاف ظاہر ہوا وہ خوارج کی بدعت ہے، یہ سیدنا علی کے زمانے میں ظاہر ہوئے اور انکی ایک اچھی خاصی تعداد بھی تھی، علمائے تاریخ کا اس تعداد میں اختلاف ہے، میں جہاں تک واقف ہوسکا انکی کل تعداد تقریباً چھ ہزار تھی۔

ایک جگہ جمع ہوئے جس کا نام حروراء تھا، وہاں پر وہ غالب آگئے، اور مسلمانوں کے خون کو حلال کرلیا، سیدنا ابن عباس نے انکے پاس جا کر انہیں نصیحت کرنا چاہی تو سیدنا علی نے کہا: مجھے آپ پر خوف ہے، کہا: خوف نہ کیجئے۔ بہر حال وہ گئے، ان سے مناقشہ کیا اور ان میں سے دو ہزار نے توبہ کرلیا، اور باقی سے قتال کیا، چنانچہ سیدنا ابن عباس نے ان کے بطلان کو واضح کر دیا اور اللہ نے ان میں سے دو ہزار کو ہدایت بھی دی، پھر سیدنا علی نے باقی خوارج سے قتال کیا، یہ پہلا سیاسی باغی گروہ تھا جس نے تاریخ اسلام میں سلطنت کے خلاف خروج کیا۔

خوارج کے بعد شیعوں کا ظہور رہوا، جنہوں نے سیدنا علی کے بارے میں غلو سے کام لیا، اور انہوں نے آپ کو معبود تک بنالیا، اور جب انہیں کوئی نصیحت کام نہ آئی تو سیدنا علی ان کے سرداروں کو بکھیر دیا یعنی انہیں جلا دیا جیسا کہ کہا:

لما رَأَيْتَ الْأَمر أمرا مُنْكرا ...أججت ناري ودعوت قنبرا

ترجمہ: جب میں ان کی طرف سے منکر امر کو دیکھا تو آگ جلا کر قنبر کو بلایا۔

قنبر سیدنا علی کے خادم تھے، یہ خوارج گرچہ نصوص کی تاویل کرتے اور اس میں تحریف سے کام لیتے

تھے مگر ان سے مناقشہ کرنا ممکن تھا، مگر روافض نصوص سے بہت دور ہیں یہ انہیں قبول ہی نہیں کرتے، اسلئے یہ خوارج سے بھی برے ہیں، اسی لئے سیدنا علی ان کے سرداروں کو جلا دیا۔

اس کے بعد قدریہ کا ظہور ہوا، اسکی دلیل یہ ہیکہ جب قدریہ کا ظہور ہوا اس وقت سیدنا ابن عباس نابینا ہو چکے تھے، اور وہ تمنا کرتے تھے کہ کاش کسی قدری کی گردن انکے ہاتھ میں آجاتی اور اسے مروڑ دیتے۔

یہ تینوں فرقے خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور یہ تینوں کا شمار سیاسی گروہ میں ہوتا ہے اور یہ سب سیدنا علی کے دور خلافت میں ظاہر ہوئے۔

اور خلق قرآن کی بدعت عباسی دور میں ظاہر ہوئی ہے بالخصوص مامون کے دور میں، معتزلہ اس کے سرخیل تھے، انہوں نے یہ عقیدہ گڑھا اور اسکی طرف دعوت دی اور مامون کو اس پر ابھارا، اور یہ حکومت کیلئے بہت ہی برے وزراء تھے، مامون انکی جال میں پھنس گیا، اور تمام لوگوں کو اس کفریہ بدعت پر مجبور کیا، مگر امام احمد سے ملاقات کرنے سے پہلے ہی وفات پا گیا، امام احمد اس وقت اہل حدیثوں کے امام تھے، اور اپنی امامت میں مشہور تھے، مامون آپ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا، مامون بغداد سے باہر تھا، مگر راستے ہی میں اسکا انتقال ہوگیا اور امام احمد سے ملاقات نہ ہوسکی، اسکے بعد معتصم باللہ اور واثق باللہ آئے، یہ تینوں معتزلی خلفاء مانے جاتے ہیں، ان تینوں نے اہل سنت والجماعہ کو بہت ستایا، پھر متوکل علی اللہ نے آکر اس فتنے کو ختم کر دیا۔

اس طرح خلق قرآن کی بدعت ظاہر ہوئی، یہ معتزلہ کی بدعت میں سے ہے اور بہت ہی بھیانک اور تاریخی بدعت ہے۔

سوال نمبر ۴۵:

تسلسل حوادث کا کیا مفہوم ہے؟ اور ایسا کہنے سے کیا لازم آتا ہے؟

جواب:

یہ اہل کلام کا اسلوب ہے بلکہ فلاسفہ کا اسلوب ہے؛ اسلئے کہ حوادث کا ایک تسلسل ہے خواہ وہ ماضی کے ہوں یا مستقبل کے، کوئی ایسا حادث نہیں ہے کہ اس سے پہلے کوئی حادث نہ ہو۔

کچھ لوگ تسلسل حوادث سے حوادث کی قدامت مراد لیتے ہیں جبکہ یہ باطل اور متناقض ہے؛ اسلئے کہ جو بھی پیش آتا ہے وہ پہلے کچھ نہیں ہوتا ہے۔ یعنی پہلے یہ کہنا کہ یہ حادث ہے پھر اسی کو قدیم کہنا یہ تضاد ہے، اسلئے کہ ایسا نہیں کہہ سکتے کہ حوادث قدیم ہیں، اسلئے حوادث کہتے ہی ہیں پیش آنے والی ان چیزوں کو پہلے نہ رہی ہوں۔ بلکہ واجب ہے کہ ہم ویسا ہی کہیں جیسا کہ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اور بعض لوگوں کو آپ کے کلام کے سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہے، آپ کہتے ہیں: اللہ کے سوا ساری چیزیں محدث اور موجود ہیں جنکا کہ پہلے وجود نہیں تھا۔

اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلی مخلوق کیا ہے قلم یا عرش؟ اسلئے ابن تیمیہ کے تعلق سے یہ کہنا کہ آپ قدامت حوادث کے قائل ہیں باطل اور غیر صحیح ہے، بلکہ متناقض ہے، کیونکہ حوادث کو قدامت کہنا ہی تناقض ہے، اور اسی کے قائل فلاسفہ ہیں جس کی وجہ سے ابن تیمیہ نے انکی تکفیر کی ہے، یعنی قدامت عالم کے قول کی وجہ سے کیونکہ یہ عقلاً اور شرعاً دونوں باطل ہے۔

امام ابن تیمیہ نے فلاسفہ کی تکفیر کی ہے اسی قول کی بنیاد پر، جبکہ آپ کے مخالفین اسی قول کو خود آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں، جبکہ یہ غلط ہے کیونکہ جس کی بنیاد پر آپ دوسروں کی تکفیر کر رہے ہیں وہی عقیدہ آپ کیسے رکھ سکتے ہیں؟!

اور حوادث متسلسل ہوتے ہیں خواہ وہ ماضی میں ہوں یا مستقبل میں، مگر یہ باقی نہیں رہتے، بقاء

صرف اللہ کو ہے، مگر اسے جسے اللہ باقی رکھے، چنانچہ اس کے اسمائے حسنی میں سے الباقی اور الوارث ہے۔

ہاں اللہ تعالی بعض مخلوقات کو دائمی طور پر باقی رکھے گا جیسے جنت اور اسکی نعمتیں، اسکے ساکنین، دوزخ، اسکا عذاب اور اسکے ساکنین، اسکے بقاء میں اللہ کی طرف سے حکمت ہے، یہ ذاتی طور پر باقی نہیں ہوں گے نہ ہی جنت اور اسکے ساکنین اور نہ ہی دوزخ اور اسکے ساکنین، یہ اللہ کے باقی رکھنے سے باقی رہیں گے۔ ذاتی اور مستقل طور پر بقاء صرف اللہ کو ہے۔

اِس طرح حوادث گرچہ مستقبل میں بھی متسلسل ہیں مگر وہ ایک وقت میں جا کر ختم ہو جائیں گے، اور باقی صرف اللہ رہے گا۔

۞۞۞

سوال نمبر ۴۶:

کتاب (الموسوعه المیسرہ فی الادیان والمذاھب المعاصرہ) کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب:

میں نوجوان طلبہ کو نصیحت کروں گا کہ وہ اس کتاب کو نہ پڑھیں، کیونکہ اس کے اندر خلط مبحث اور تلبیس ابلیس ہے، اس کتاب میں امام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت پر ایک بہت ہی مختصر نوٹ لکھا گیا ہے، اور آپ کی دعوت کو مذاہب معاصرہ میں شامل کیا ہے، جبکہ یہ عین خطا ہے، کیونکہ اہل علم جب فرق اور ادیان کا تذکرہ کرتے ہیں تو وہ دین اسلام کے علاوہ کی بات کرتے ہیں۔

یا ان فرقوں پر کلام کرتے ہیں جو خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسے معتزلہ، خوارج، قدریہ، مرجئہ اور اشاعرہ، انہیں اسلام میں وہ نہیں مانتے۔

اس کتاب کا کوئی خاص مصنف گرچہ نہیں ہے مگر یہ کتاب جس تنظیم کی طرف سے یعنی ندوہ الشباب الاسلامی کی طرف سے تیار کی گئی ہے، مجھے کئی موثوق اور قابل اعتماد لوگوں کے ذریعے یہ خبر ملی ہے یہ دعوت اور تنظیم مشکوک ہے، اور اس پر غیر منہج لوگوں کا تسلط ہے، اور کہا جاتا ہے کہ اس تنظیم میں اکثر وہ لوگ شامل ہیں جو عربی زبان نہیں جانتے، حالانکہ ندوہ کی زبان عربی ہے، جب باہر کسی دوسرے ملک میں اس تنظیم کی میٹنگ ہوتی ہے تو وہاں پر عربی زبان نہیں بولی جاتی بلکہ انگلش بولی جاتی ہے، اسلئے اکثر لوگوں کو یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ لوگ کیا بات کر رہے ہیں، اور کیا چاہتے ہیں، مگر جیسا کہ شاعر زہیر نے کہا ہے:

وَمَهْمَا تَكُنْ عِنْدَ امْرِىءٍ مِنْ خَلِيقَةٍ ... وإن خَالَهَا تَخْفَى عَلَى النَّاسِ تُعْلَمِ

ترجمہ: آدمی کے پاس کوئی بھی عادت اور خصلت ہو، وہ گرچہ اسے لوگوں سے چھپاتا پھرے مگر کسی نہ کسی دن اسکی خبر ہو جاتی ہے۔

واقعی شعر میں حکمت کی باتیں بھی ہوتی ہیں، ان کے برے کارنامے بعد میں ظاہر ہو گئے، جو کہ اس ملک کے خلاف تھے، اس ملک والوں کے عقیدے کے خلاف تھے، اور اس ملک کی حکومت کے خلاف تھے، حالانکہ یہ ملک ان پر بہت زیادہ مال خرچ کرتا تھا۔

بہر صورت جو اس تنظیم (ندوہ) اور اس موسوعہ یعنی اس کتاب کے بارے میں جانکاری چاہتا ہے وہ ان نوجوانوں سے رابطہ کرے جو پہلے اس تنظیم سے جڑے ہوئے تھے، مگر بعد میں توبہ کر کے اس سے نکل گئے، اور آ کر اسکی حقیقت بتا رہے ہیں جسے ہم کبھی نہیں جانتے تھے۔

ونسال اللہ السلامہ والعافیہ۔

❁ ❁ ❁

سوال نمبر ۴۷:

کیا اللہ کے پاس ایک قدم ہے یا دو؟ اگر جواب ہاں میں ہو تو اسکی کیا دلیل ہے، اور اگر جواب نہیں میں ہے تو پھر ابن عباس سے مروی اس اثر کو کس چیز پر محمول کریں گے جس میں ہے کہ کرسی دونوں قدم کی جگہ پر ہے؟

جواب:

سائل نے سوال کر کے اپنا جواب دیدیا ہے، کیونکہ ابن عباس کا اثر ہی اسکا جواب ہے، اور صحیح روایت میں دونوں قدم کا ذکر آیا ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

عَنْ قَتَادَةَ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ، تَقُولُ: هَلْ مِنْ مَزِيدٍ؟ حَتَّى يَضَعَ فِيهَا رَبُّ الْعِزَّةِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدَمَهُ، فَتَقُولُ: قَطْ قَطْ وَعِزَّتِكَ وَيُزْوَى بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ "،

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہمیشہ دوزخ کہتی رہے گی: اور کچھ ہے اور کچھ ہے؟ (یعنی اور لوگوں کو مانگے گی) یہاں تک کہ مالک عزت والا، بڑی برکت والا، بلندی والا اپنا قدم اس میں رکھ دے گا تب وہ کہنے لگے گی: بس بس۔ تیری عزت کی قسم اور ایک میں ایک سمٹ جائے گی۔“

یہاں پر قدم کا لفظ عدد کیلئے بلکہ جنس کیلئے ہے، اور جب سنت یا اثر کا لفظ آئے تو اس پر مرفوع کا حکم لگایا جاتا ہے، اور اسے مجمل حدیث کی تفسیر مانی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۴۸:

اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو کہتا ہے کہ میں نے کتب عقیدہ میں دیکھا تو دیکھا کہ وہ ہمارے زمانے کی نہیں ہیں، یہاں تک کہ کہا: ان کے اسلوب میں سختی اور سوکھا پن ہے، کیونکہ ان میں صرف نصوص اور احکام بھرے پڑے ہیں؟

جواب:

عقیدے کی کتابوں کے بارے میں پہلے یہ کہنا کہ ان کے اندر سختی اور سوکھا پن پایا جاتا ہے، پھر اسکی وجہ یہ بتانا کہ ان میں صرف نصوص اور احکام ہوتے ہیں یہ بہت ہی خطرناک قول ہے بلکہ کہنے والے کیلئے بہت ہی سنگین ہے، بلکہ جو علت بتلائی ہے وہ بہت خطرناک ہے، اور عقائد کی ان کتابوں کے بارے میں جنہیں ہم پڑھتے اور پڑھاتے ہیں یہ کہنا کہ ان کے اندر سوکھا پن پایا جاتا ہے یہ ایک ظالمانہ حکم ہے، پھر معاملہ مزید سنگین ہو جاتا ہے جب اسکی علت یہ بتائی جاتی ہے کہ ان کتابوں کے اندر نصوص اور احکام بھرے پڑے ہیں۔

ہاں، ہمارے پاس جو عقیدہ کی کتابیں ہیں ان میں کتاب وسنت سے نصوص بھرے ہوئے ہیں، ان میں آراء واقوال اور فلسفیانہ موشگافیاں نہیں ہیں، آیات واحادیث کو سوکھا پن کہنے والا اگر اسے حلال اور جائز سمجھتا ہے اور جان بوجھ کر کہا ہے تو یہ اللہ کی آیتوں اور احادیث نبویہ کا مذاق ہوگا، اور جو کسی ایک آیت یا ایک حدیث کا مذاق اڑائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ اسکے یہاں اللہ اور اسکے رسول کی کوئی قدر اور احترام نہیں ہے۔

اگر وہ ایسا کہنا حلال اور جائز سمجھتا ہے اور اسے جان بوجھ کر کہتا ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ وہ اللہ رب العالمین اور رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑا رہا ہے۔

اور جو اس نے یہ بات کہی کہ اکثر نوجوان ایسی کتابوں سے دور رہتے ہیں تو یہ افتراء پردازی ہے

کیونکہ یہ خلاف واقع ہے، اور حقیقت یہ ہیکہ عقیدہ کی جو کتابیں ہمارے ہاتھ میں ہیں انہیں کتابوں کو پڑھ کر لوگ دین صحیح کی طرف آسکتے ہیں۔

جس وقت بارہویں صدی ہجری کے اندر جزیرہ عرب میں مجدد دین وملت اپنی مبارک دعوت کو لیکر اٹھے ہیں تو عالمی پیمانے پر آپ کی مخالفت کی گئی، اور لوگ اسے ایک نئے دین کے طور پر دیکھ رہے تھے، اور یہ پروپیگنڈا کر رہے تھے کہ یہ محمد ﷺ کا لایا ہوا دین نہیں ہے، مگر مرور زمانہ کے ساتھ لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہ دعوت، یہ عقیدہ اور یہ کتابیں جن کے بارے میں سائل نے سوال کیا ہے یہ سب اسی دین محمد ﷺ کی تجدید ہے اور اسی کو پورے عالم میں پھیلانے کی کوشش کا نام ہے، اور پوری دنیا سے مسلمان آج ان کتابوں کو پڑھ رہے ہیں، انہیں متون کو یاد کر رہے ہیں، افریقہ کے ایک ملک میں مجھے خود جانا ہوا جہاں میں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے بچے الاصول الثلاثہ، کتاب التوحید اور کشف الشبہات کے متون یاد کر رہے ہیں، ساتھ ہی البیقونیہ اور الاربعین النوویہ بھی یاد کر رہے ہیں، یعنی ہمارے یہاں مدارس میں جو تعلیمی نصاب ہے وہ پوری دنیا میں پھیل رہا ہے، اور اسی طرز پر جامعہ اسلامیہ کے فارغین اپنے اپنے ملکوں میں مدارس کا قیام کر رہے ہیں، حتی کہ یورپین ممالک میں بھی، چنانچہ یہ کتابیں فرانس کے اندر بڑے پیمانے پھیل رہی ہیں، اور وہاں جو داعی حضرات کام کر رہے ہیں ہم ان سے رابطے میں رہتے ہیں۔

اسلئے جس نے یہ سوال کیا ہے میں نہیں جانتا کہ وہ اس حقیقت سے واقف نہیں ہے، یا جان بوجھ کر تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے، کیونکہ وہ اس ملک میں زمانے تک رہا ہے پھر وہ برطانیہ گیا، مجھے نہیں لگتا کہ اسے یہ حقیقت معلوم نہیں ہوگی، بلکہ ایسا لگتا ہے کہ وہ عقیدے میں الحاد کا شکار ہے؛ اسی لئے اس نے ان کتابوں پر یہ حکم لگایا ہے۔

اور یہ کہنا کہ مسلم نوجوان ایسی کتابوں سے اعراض کر رہے ہیں تو باطل اور جھوٹ ہے، اور ایسی باتیں

جن کتابوں میں لکھی گئی ہیں اور سلفی عقائد کے خلاف یعنی کتاب وسنت سے بھری کتابوں کے خلاف کوئی بھی رسالہ اور کتاب ہو اسے جلا دینا مناسب ہے کیونکہ وہ ارتداد ہے، ایسی بات شیخ ابن باز نے کہی ہے، اور اب اس کے بعد کوئی سوال نہیں۔ یہی جواب کافی ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۴۹:

جب کوئی طالب علم عقیدہ پر بات کرنے لگے تو ایک شخص کہے کہ کیا عقیدہ عقیدہ کی رٹ لگا رکھے ہو؟! ایسا کہنے والے کا کیا حکم ہے؟

جواب:

یہ ان لوگوں کا اسلوب ہے جو عقیدہ سے کے خلاف ہوتے ہیں، اور ممکن ہے سائل محمد سرور زین العابدین کا شکار ہو چکا ہو، کیونکہ وہ عقیدہ کے دشمن ہیں، اور ہمارے بعض نوجوان طلبہ بھی انکی کتابوں کو پڑھنے لگے ہیں، ان لوگوں کے نزدیک عقیدہ کا لفظ بہت بھاری ہے، یہ دراصل ان کے دل کی بیماری ہے، بلکہ عقل کی بھی بیماری ہے، آخر انہیں کیسے بھاری لگتا ہے وہ عقیدہ جو آپ اپنے رب کیلئے رکھتے ہو، اپنے دین اور اپنی آخرت کیلئے رکھتے ہو، آپ کا جو آخری ٹھکانہ ہے، یہی عقیدہ ہے، پہلے یہی سمجھنا ہوگا۔

چنانچہ عقیدہ نام ہے رب کی تعظیم کا، اس سے محبت کا، اسکی عبادت میں اخلاص کا، اسے صفات کمال سے متصف کرنے کا، عقیدہ نام ہے دین اور نبی اکرم ﷺ سے محبت کرنے کا، آخرت کے امور پر ایمان لانے کا، اسلئے جنہیں عقیدہ کے لفظ سے چڑھ ہے وہ اپنا علاج طب نبوی سے کرائے نہ کہ اطباء سے۔

۞ ۞ ۞

سوال نمبر ۵۰:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے کا کیا حکم ہے؟ اور یہ کیسے ہوتا ہے؟

جواب:

توسل اور شفاعت دونوں ایک معنیٰ میں ہے، اور یہ وہ شفاعت ہے جسے قیامت کے روز اسکی ہولناکی سے چھٹکارا پانے کیلئے لوگ انبیاء سے درخواست کریں گے کہ اللہ سے دعاء کریں، یہی دعاء شفاعت ہے، اور دنیا کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعاء کی طلب کرنا وسیلہ ہے، البتہ جیسے قیامت میں سامنے انبیاء سے وسیلہ یا شفاعت طلب کرنا جائز ہے ویسے ہی دنیا کے اندر بھی زندہ شخص سے وسیلہ یا شفاعت طلب کرنا جائز ہے، وسیلے کی حقیقت اور اسکے اقسام کی وضاحت کیلئے یہاں تین قصوں کا ذکر کروں گا:

پہلا قصہ:

اعرابی والا قصہ کہ جب عہد نبوی میں مدینہ کے اندر قحط پڑ گیا تھا، لوگ اپنے جان ومال پر خوف کھانے لگے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کا خطبہ دینے کیلئے منبر پر چڑھے ہی تھے کہ ایک دیہاتی نے آکر بارش کی دعاء کیلئے درخواست کیا، پورا قصہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ جُمُعَةٍ مِنْ بَابٍ كَانَ نَحْوَ دَارِ الْقَضَاءِ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يَخْطُبُ، فَاسْتَقْبَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمًا، ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللَّهَ يُغِيثُنَا، فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ أَغِثْنَا، اللَّهُمَّ أَغِثْنَا، اللَّهُمَّ أَغِثْنَا، قَالَ أَنَسٌ: وَلَا وَاللَّهِ مَا نَرَى فِي السَّمَاءِ مِنْ سَحَابٍ وَلَا قَزَعَةً، وَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِنْ بَيْتٍ وَلَا دَارٍ، قَالَ: فَطَلَعَتْ مِنْ

وَرَائِهِ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُّرْسِ فَلَمَّا تَوَسَّطَتِ السَّمَاءَ انْتَشَرَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ، فَلَا وَاللَّهِ مَا رَأَيْنَا الشَّمْسَ سِتًّا، ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ ذَلِكَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَهُ قَائِمًا فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللَّهَ يُمْسِكْهَا عَنَّا، قَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: " اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اللَّهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُونِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ "، قَالَ: فَأَقْلَعَتْ وَخَرَجْنَا نَمْشِي فِي الشَّمْسِ، قَالَ شَرِيكٌ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أَهُوَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ؟ فَقَالَ: مَا أَدْرِي.

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا۔اب جہاں دار القضاء ہے اسی طرف کے دروازے سے وہ آیا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے، اس نے بھی کھڑے کھڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا کہا کہ یا رسول اللہ! جانور مر گئے اور راستے بند ہو گئے۔اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہم پر پانی برسائے۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی (اللهم أغثنا، اللهم أغثنا، اللهم أغثنا): اے اللہ! ہم پر پانی برسا۔اے اللہ! ہمیں سیراب کر۔انس رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! آسمان پر بادل کا کہیں نشان بھی نہ تھا اور ہمارے اور سلع پہاڑ کے بیچ میں مکانات بھی نہیں تھے، اتنے میں پہاڑ کے پیچھے سے بادل نمودار ہوا ڈھال کی طرح اور آسمان کے بیچ میں پہنچ کر چاروں طرف پھیل گیا اور برسنے لگا۔اللہ کی قسم! ہم نے ایک ہفتہ تک سورج نہیں دیکھا۔پھر دوسرے جمعہ کو ایک شخص اسی دروازے سے داخل ہوا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے خطبہ دے رہے تھے، اس لیے اس نے کھڑے کھڑے کہا کہ یا رسول اللہ! (کثرت بارش سے) جانور تباہ ہو گئے اور راستے بند ہو گئے۔اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ بارش بند ہو جائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی (اللهم حوالينا

ولا علينا. اللهم على الآكام والظراب وبطون الأودية ومنابت الشجر): اے اللہ! ہمارے اطراف میں بارش برسا (جہاں ضرورت ہے) ہم پر نہ برسا۔ اے اللہ! ٹیلوں پہاڑیوں وادیوں اور باغوں کو سیراب کر۔ چنانچہ بارش کا سلسلہ بند ہوگیا اور ہم باہر آئے تو دھوپ نکل چکی تھی۔ شریک نے بیان کیا کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا یہ پہلا ہی شخص تھا؟ انہوں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں۔

اس دیہاتی نے آ کر یہ نہیں کہا کہ اے اللہ کے رسول! میری مدد کریں، بلکہ یہ کہا کہ جانور ہلاک ہو رہے ہیں، اللہ سے دعاء کر دیں کہ وہ ہماری مدد کر دے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے خطبہ جمعہ کاٹ کر دونوں ہاتھ بلند کر دیئے اور دعاء کرنے لگے کہ اللہ! ہم پر بارش نازل فرما، اللہ ہم پر بارش نازل فرما۔

راوہ حدیث انس رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! آسمان پر بادل کا کہیں نشان بھی نہ تھا اور ہمارے اور سلع پہاڑ کے بیچ میں مکانات بھی نہیں تھے، اتنے میں پہاڑ کے پیچھے سے بادل نمودار ہوا ڈھال کی طرح اور آسمان کے بیچ میں پہنچ کر چاروں طرف پھیل گیا اور برسنے لگا۔ اور اللہ کے رسول ابھی منبر ہی پر تھے۔ اور جب خطبہ اور نماز ختم ہوئی تو لوگ بارش میں چل رہے تھے، اور پھر پورے ہفتہ بھر بارش ہوئی، یہاں تک کہ دوسرے جمعہ کو وہی دیہاتی دوبارہ آیا۔

انس کہتے ہیں: وہ دیہاتی اسی دروازے سے داخل ہوا، پوچھا گیا: کیا وہی پہلا دیہاتی ہے یا دوسرا؟ کہا: مجھے نہیں معلوم۔ پھر وہ منبر تک گیا اور وہی بات کہی: یارسول اللہ! (کثرت بارش سے) جانور تباہ ہو گئے اور راستے بند ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ بارش بند ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی (اللهم حوالينا ولا علينا. اللهم على الآكام والظراب وبطون الأودية ومنابت الشجر): اے اللہ! ہمارے اطراف میں بارش برسا (جہاں ضرورت ہے) ہم پر نہ برسا۔ اے اللہ! ٹیلوں پہاڑیوں وادیوں اور باغوں کو سیراب کر۔

راوی کہتے ہیں کہ جدھر اللہ کے رسول ﷺ اشارہ کرتے اس جانب بارش رک جاتی، یہاں تک کہ مکمل رک گئی۔اور یہ بھی نبوت کی ایک نشانی ہے۔

دوسرا قصہ:

عہد فاروقی میں عام الرمادہ کے وقت قحط سالی پڑی، اس وقت نبی اکرم ﷺ نہیں تھے، سیدنا عمر نے کیا کیا؟ آپ ﷺ کا جسد خاکی قبر شریف میں محفوظ ہے، اسی حالت میں قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے، آپ ﷺ نے خود خبر دی ہے:

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيهِ قُبِضَ، وَفِيهِ النَّفْخَةُ، وَفِيهِ الصَّعْقَةُ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ " قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ؟ يَقُولُونَ: بَلِيتَ، فَقَالَ: " إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ ".

ترجمہ: سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تمہارے سب سے بہتر دنوں میں سے جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم پیدا کئے گئے، اسی دن ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا اسی دن چیخ ہوگی اس لیے تم لوگ اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے“۔ اوس بن اوس کہتے ہیں: لوگوں نے کہا: اللہ کے رسول! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ (مرکر) بوسیدہ ہو چکے ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے زمین پر پیغمبروں کے بدن کو حرام کر دیا ہے“۔

کیا سیدنا عمر اس وقت نبی ﷺ کی قبر پر گئے آپ کی ذات یا آپکے جاہ ومقام سے وسیلہ پکڑنے؟ جواب نہیں میں ہوگا۔ کیا سیدنا عمر نبی اکرم ﷺ کے جاہ ومقام پر ایمان لاتے تھے؟ اگر کوئی

اس میں شک بھی کرے گا تو اس کے ایمان میں شک کیا جائے گا؛ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے جاہ ومقام پر ایمان لانا آپ ﷺ پر ایمان لانے کا حصہ ہے۔

جاہ ومقام عزت واحترام کا مقام ہے اور یہ ہر نبی کیلئے ہے، چنانچہ بعض انبیاء کے بارے میں اس کی صراحت آئی ہے جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا} ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی تو اللہ نے اسے اس سے پاک ثابت کر دیا جو انھوں نے کہا تھا اور وہ اللہ کے ہاں بہت مرتبے والا تھا۔

مزید عیسی علیہ السلام کے بارے میں اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ} ترجمہ: جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے، جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے، دنیا اور آخرت میں بہت مرتبے والا اور مقرب لوگوں سے ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ تمام انبیاء میں جاہ ومقام کے اعتبار سے سب سے عظیم ہیں؛ اسلئے کہ آپ تمام انبیاء کے امام ہیں، اور یہ امامت اسراء ومعراج کی رات اللہ نے ثابت کی ہے، بیت المقدس میں آپ ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت کرائی ہے، وہیں سے آپ کو امام المرسلین کا لقب ملا ہے، اسلئے ہر مسلمان پر یہ واجب ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور یہ کہ آپ جاہ ومقام والے ہیں اللہ کے پاس آپ کا مقام سب سے بلند وبالا ہے، مگر کیا آپ کے جاہ ومقام سے وسیلہ پکڑ سکتے ہیں؟ نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر نے نہ آپ کے جسم پاک کا وسیلہ پکڑا اور نہ ہی آپ کے جاہ ومقام کا، بلکہ سب کو ایک میدان میں جمع کیا، ایک خطبہ دیا پھر نبی اکرم ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا:

(اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا) ترجمہ: اے اللہ! پہلے ہم تیرے پاس اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لایا کرتے تھے۔ تو، تو پانی برساتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں تو، تو ہم پر پانی برسا۔

اسکے بعد سیدنا عباس سے کہا: آگے آئیے اور اللہ سے دعاء کیجئے، چنانچہ سیدنا عباس نے کھڑے ہو کر اللہ سے دعاء کی، اللہ نے آپ کی دعاء قبول کی اور پھر بارش نازل ہوئی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم پر ضروری ہے کہ ہم صحابہ کی زبان میں وسیلے کا مفہوم سیکھیں، یہ ان مسائل میں سے ہے جن کے مفاہیم اکثر لوگوں کے نزدیک بدل چکے ہیں، چنانچہ آپ دیکھیں گے کچھ لوگ غیر اللہ سے استغاثہ کرتے ہیں، کچھ لوگ غیر اللہ کیلئے ذبیحہ کرتے ہیں، اور کچھ لوگ غیر اللہ کے مزار کا طواف کرتے ہیں اور انہیں امور کو بزرگوں کے وسیلے کا نام دیتے ہیں، دینی مفاہیم بالکل بدل چکے ہیں۔

اور وسیلے کا مفہوم تو عام مسلمانوں کے نزدیک بالکل بدل گیا ہے، وہ استغاثہ کو وسیلہ سمجھتے ہیں، جبکہ استغاثہ عبادت ہے، استغاثہ مصیبت میں پڑے شخص کی دعاء کا نام ہے، وہ مجبور شخص جسے اپنی جان ومال کا خطرہ ہو، جسے ہلاکت کا خوف ہو، جو تمام مادی اسباب کھو چکا ہو، وہ اس وقت اپنے رب کو پکارے: میرے رب! میری مدد فرما، مجھے بچالے۔

اب ایسے موقع پر اگر وہ غیر اللہ کو پکارے گا تو اسے شرک اکبر کہیں گے، اور اسی استغاثہ کو بہت سے لوگ وسیلہ کہتے ہیں، جبکہ یہ غلط ہے۔

اب ایسی صورت میں کوئی آ کر یہ سوال کرتا ہے کہ کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پکڑ سکتے ہیں؟ جبکہ میں نے کہہ دیا کہ سیدنا عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ نہیں پکڑا؛ نہ ہی آپ کی ذات سے اور نہ ہی آپ کے جاہ ومقام سے، پھر ہم کیا کریں؟

جواب:

ہم وہی کریں گے جو سیدنا عمر نے کیا، ہم اپنے اندر موجود نیک لوگوں کا وسیلہ پکڑیں گے، آج بھی دنیا نیک لولوں سے خالی نہیں ہے، ہم انہیں سے کہیں گے کہ دعاء کریں، چنانچہ آپ کسی ایسے شخص کے پاس جائیں جس کے بارے میں آپ اچھا تصور رکھتے ہوں اور کہیں: میرے بھائی! میرے لئے اللہ سے دعاء کریں۔ یہی نیک بزرگوں کا وسیلہ ہے۔

چنانچہ نیک بزرگوں کے وسیلے سے یہی مراد ہے کہ جو نیک بزرگ زندہ ہو اس سے دعاء کی درخواست کرنا، چنانچہ جب تک رسول اللہ ﷺ زندہ تھے صحابہ آپ سے دعاء کی درخواست کرتے تھے، جب آپ رفیق اعلی سے جا ملے تو اسکے بعد لوگ سیدنا ابو بکر کے پاس آنے لگے، وہی دین کے بارے میں فتوی دیتے تھے اور وہی لوگوں کا فیصلہ کرتے تھے، ایک بار عہد نبوی ہی میں ایک عورت آئی نبی اکرم ﷺ سے سوال کرنے کیلئے تو آپ نے فرمایا: کل آنا۔ تو اس خاتون نے کہا کہ اگر میں آپ کو نہ پاؤں، یعنی اگر آپ کل نہ رہے بلکہ اللہ کو پیارے ہو گئے تو کس سے سوال کروں گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابو بکر کے پاس جانا۔

اسی روایت سے اہل حدیث استدلال کرتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر کی خلافت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تعیین کردی گئی تھی۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ جب رسول اللہ ﷺ رفیق اعلی سے جا ملے تو دین کا سارا معاملہ اپنے بعد خلفائے اربعہ پر چھوڑ دیا، چنانچہ اب سارے لوگ خلفاء ہی کے پاس آتے تھے، اور انہیں کے پاس اپنے سارے مسائل رکھتے تھے۔

تیسرا قصہ:

اعمال صالحہ کا وسیلہ پکڑنا جیسا کہ غار والے قصے سے پتہ چلتا ہے، یہ بنی اسرائیل کا قصہ ہے، بنی

اسرائیل میں بہت سے انبیاء مبعوث کئے گئے، ان میں بہت سے نیک بزرگ بھی گزرے ہیں، بہرحال وہ تینوں جب مصیبت میں گھر گئے تو یہ نہیں کہا کہ اپنے انبیاء اور بزرگوں کا وسیلہ پکڑ کر دعاء کرتے ہیں، انہیں سے استغاثہ کرتے ہیں، بلکہ کہا: اس مصیبت سے تمہیں تمہارے نیک اعمال ہی بچاسکتے ہیں، اسلئے ہر کوئی اپنے اعمال میں سے کوئی خالص نیک کو یاد کرکے اسی کو وسیلہ بنا کر اللہ سے دعاء کرے، چنانچہ سب نے یہی کیا جیسا کہ پوری تفصیل اس حدیث میں وارد ہوئی ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ يَمْشُونَ إِذْ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فَأَوَوْا إِلَى غَارٍ فَانْطَبَقَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ: بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ إِنَّهُ وَاللَّهِ يَا هَؤُلَاءِ لَا يُنْجِيكُمْ إِلَّا الصِّدْقُ فَلْيَدْعُ كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ بِمَا يَعْلَمُ أَنَّهُ قَدْ صَدَقَ فِيهِ، فَقَالَ: وَاحِدٌ مِنْهُمْ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ لِي أَجِيرٌ عَمِلَ لِي عَلَى فَرَقٍ مِنْ أَرُزٍّ فَذَهَبَ وَتَرَكَهُ، وَأَنِّي عَمَدْتُ إِلَى ذَلِكَ الْفَرَقِ فَزَرَعْتُهُ فَصَارَ مِنْ أَمْرِهِ أَنِّي اشْتَرَيْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَأَنَّهُ أَتَانِي يَطْلُبُ أَجْرَهُ، فَقُلْتُ لَهُ: اعْمِدْ إِلَى تِلْكَ الْبَقَرِ فَسُقْهَا، فَقَالَ لِي: إِنَّمَا لِي عِنْدَكَ فَرَقٌ مِنْ أَرُزٍّ، فَقُلْتُ لَهُ: اعْمِدْ إِلَى تِلْكَ الْبَقَرِ فَإِنَّهَا مِنْ ذَلِكَ الْفَرَقِ فَسَاقَهَا فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ مِنْ خَشْيَتِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا فَانْسَاحَتْ عَنْهُمُ الصَّخْرَةُ، فَقَالَ الْآخَرُ: اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ لِي أَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيرَانِ، فَكُنْتُ آتِيهِمَا كُلَّ لَيْلَةٍ بِلَبَنِ غَنَمٍ لِي فَأَبْطَأْتُ عَلَيْهِمَا لَيْلَةً فَجِئْتُ وَقَدْ رَقَدَا وَأَهْلِي وَعِيَالِي يَتَضَاغَوْنَ مِنَ الْجُوعِ فَكُنْتُ لَا أَسْقِيهِمْ حَتَّى يَشْرَبَ أَبَوَايَ، فَكَرِهْتُ أَنْ أُوقِظَهُمَا وَكَرِهْتُ أَنْ أَدَعَهُمَا فَيَسْتَكِنَّا لِشَرْبَتِهِمَا، فَلَمْ أَزَلْ أَنْتَظِرُ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ مِنْ خَشْيَتِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا فَانْسَاحَتْ عَنْهُمُ الصَّخْرَةُ حَتَّى نَظَرُوا إِلَى

السَّمَاءِ، فَقَالَ الْآخَرُ: اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ لِي ابْنَةُ عَمٍّ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَأَنِّي رَاوَدْتُهَا عَنْ نَفْسِهَا فَأَبَتْ إِلَّا أَنْ آتِيَهَا بِمِائَةِ دِينَارٍ، فَطَلَبْتُهَا حَتَّى قَدَرْتُ فَأَتَيْتُهَا بِهَا فَدَفَعْتُهَا إِلَيْهَا فَأَمْكَنَتْنِي مِنْ نَفْسِهَا فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا، فَقَالَتْ: اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تَفُضَّ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهِ فَقُمْتُ وَتَرَكْتُ الْمِائَةَ دِينَارٍ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ مِنْ خَشْيَتِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا فَفَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُمْ فَخَرَجُوا".

ترجمہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پچھلے زمانے میں (بنی اسرائیل میں سے) تین آدمی کہیں راستے میں جارہے تھے کہ اچانک بارش نے انہیں آ لیا۔ وہ تینوں پہاڑ کے ایک کھوہ (غار) میں گھس گئے (جب وہ اندر چلے گئے) تو غار کا منہ بند ہو گیا۔ اب تینوں آپس میں یوں کہنے لگے کہ اللہ کی قسم ہمیں اس مصیبت سے اب تو صرف سچائی ہی نجات دلائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ اب ہر شخص اپنے کسی ایسے عمل کو بیان کر کے دعا کرے جس کے بارے میں اسے یقین ہو کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے کیا تھا۔ چنانچہ ایک نے اس طرح دعا کی۔ اے اللہ! تجھ کو خوب معلوم ہے کہ میں نے ایک مزدور رکھا تھا جس نے ایک فرق (تین صاع) چاول کی مزدوری پر میرا کام کیا تھا لیکن وہ شخص (غصہ میں آکر) چلا گیا اور اپنے چاول چھوڑ گیا۔ پھر میں نے اس ایک فرق چاول کو لیا اور اس کی کاشت کی۔ اس سے اتنا کچھ ہو گیا کہ میں نے پیداوار میں سے گائے بیل خرید لیے۔ اس کے بہت دن بعد وہی شخص مجھ سے اپنی مزدوری مانگنے آیا۔ میں نے کہا کہ یہ گائے بیل کھڑے ہیں ان کو لے جا۔ اس نے کہا کہ میرا تو صرف ایک فرق چاول تم پر ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اس سے کہا یہ سب گائے بیل لے جا کیونکہ اسی ایک فرق کی آمدنی ہے۔ آخر وہ گائے بیل لے کر چلا گیا۔ پس اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ ایمانداری میں نے صرف تیرے ڈر سے کی تھی تو، تو غار کا منہ کھول دے۔ چنانچہ اسی وقت وہ پتھر کچھ ہٹ گیا۔ پھر دوسرے نے اس طرح دعا کی۔ اے اللہ! تجھے خوب معلوم ہے کہ میرے ماں باپ

جب بوڑھے ہو گئے تو میں ان کی خدمت میں روزانہ رات میں اپنی بکریوں کا دودھ لا کر پلایا کرتا تھا۔ ایک دن اتفاق سے میں دیر سے آیا تو وہ سو چکے تھے۔ ادھر میرے بیوی اور بچے بھوک سے بلبلا رہے تھے لیکن میری عادت تھی کہ جب تک والدین کو دودھ نہ پلالوں، بیوی بچوں کو نہیں دیتا تھا مجھے انہیں بیدار کرنا بھی پسند نہیں تھا اور چھوڑنا بھی پسند نہ تھا (کیونکہ یہی ان کا شام کا کھانا تھا اور اس کے نہ پینے کی وجہ سے وہ کمزور ہو جاتے) پس میں ان کا وہیں انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ پس اگر تیرے علم میں بھی میں نے یہ کام تیرے خوف کی وجہ سے کیا تھا تو تو ہماری مشکل دور کر دے۔ اس وقت وہ پتھر کچھ اور ہٹ گیا اور اب آسمان نظر آنے لگا۔ پھر تیسرے شخص نے یوں دعا کی۔ اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی۔ میں نے ایک بار اس سے صحبت کرنی چاہی، اس نے انکار کیا مگر اس شرط پر تیار ہوئی کہ میں اسے سو اشرفی لا کر دے دوں۔ میں نے یہ رقم حاصل کرنے کے لیے کوشش کی۔ آخر وہ مجھے مل گئی تو میں اس کے پاس آیا اور وہ رقم اس کے حوالے کر دی۔ اس نے مجھے اپنے نفس پر قدرت دے دی۔ جب میں اس کے دونوں پاؤں کے درمیان بیٹھ چکا تو اس نے کہا کہ اللہ سے ڈر اور مہر کو بغیر حق کے نہ توڑ۔ میں (یہ سنتے ہی) کھڑا ہو گیا اور سو اشرفی بھی واپس نہیں لی۔ پس اگر تیرے علم میں بھی میں نے یہ عمل تیرے خوف کی وجہ سے کیا تھا تو، تو ہماری مشکل آسان کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مشکل دور کر دی اور وہ تینوں باہر نکل آئے۔

یہاں پر میں مزید کہنا چاہوں گا کہ جو وسیلہ ہمارے ہاتھ میں ہمیشہ رہتا ہے وہ اعمال صالحہ کا یہی وسیلہ ہے، روزہ، عمرہ، صدقہ، مسکینوں کو کھانا کھلانا، والدین کے ساتھ حسن سلوک، پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک، جب کوئی پریشانی آئے آپ انہیں اعمال کا وسیلہ پکڑیں، ویسے ہی کہیں جیسے ان تینوں لوگوں نے کہا تھا۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم سنت کی اتباع کریں، رسول اللہ ﷺ کی سنت پر چلیں، وہی سب سے بہتر سنت

اور طریقہ ہے، ہم بہت جذباتی نہ بنیں کہ غیر اللہ ہی کو پکارنے لگ جائیں، غیر اللہ سے مدد مانگنے لگ جائیں اور اسی کا نام وسیلہ رکھ دیں، یہ ایک عبادت ہے جسے آپ نے غیر اللہ کی طرف پھیر دیا ہے، اسکا وسیلے سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم دین اسلام کی حقیقت سمجھیں وہ دین جسکی طرف ہم اپنی نسبت کرتے ہیں اور جس پر ہم فخر کرتے ہیں، اسے ہم اچھی طرح سیکھیں اور دوسروں تک پہونچائیں۔

دین کہتے ہیں کہ وہی کیا جائے جسکا حکم اللہ نے دیا ہو، اور اس چیز سے رک جائیں جس سے اللہ نے روکا ہو، یہی دین کی حقیقت ہے، جس چیز کا اللہ نے حکم دیا ہے اس میں توحید سے لیکر تمام واجبات، فرائض اور سنن وغیرہ آجائیں گے، اور جن چیزوں سے روکا ہے ان میں شرک، محرمات، مکروہات اور تمام گناہوں کے کام آجائیں گے۔

جس نے اسے پورا کیا اس نے پورے دین پر عمل کیا، وہ دین جسے نبی اکرم ﷺ لیکر آئے تھے، اس لئے ہمیں چاہئے کہ وہ اس دین کو سیکھ لیں اور اسی پر ہم فخر کریں، اور اپنی عبادت اور توحید میں ہم علم وبصیرت کے ساتھ رہیں۔

سوال نمبر ۵۱:

ایک طالب علم اللہ تعالی کے اس قول کے بارے میں سوال کرتا ہے: {وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ} ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو غیر اللہ میں سے کچھ شریک بنا لیتے ہیں، وہ ان سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اللہ سے محبت میں کہیں زیادہ ہیں۔

سائل کا کہنا ہے: اللہ کے قول: (يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ) سے کیا مراد ہے؟ جب کہ ان کے بارے میں پہلے یہ کہہ دیا: (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا)؟

جواب:

انداد جمع ہے ند کی، جس کا مطلب شریک ہوتا ہے، اور یہاں محبت میں شرک کرنا مراد ہے، خلق، ایجاد، اختراع اور رزق میں شرک کرنا مراد نہیں ہے، کیونکہ یہ شرک تو کفار قریش نے بھی نہیں کیا تھا، میں اپنے طلبہ سے ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ اپنی تمام تر ہٹ دھرمیوں اور جہالتوں کے باوجود ابوجہل جیسے لوگ بھی توحید ربوبیت کے منکر نہیں تھے م بلکہ انہیں اعتراف تھا کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے، آسمان سے زمین تک تمام امور کا وہی تنہا مالک اور اسے چلانے والا ہے، ہاں ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر غیروں کو اپنا معبود بنالیا تھا جن سے وہ محبت اور عبادت کرتے تھے اور کبھی کبھی اللہ کے ساتھ غیر اللہ سے محبت کرتے تھے، اہل علم اللہ کے اس قول (يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ) کی یہی دونوں تفسیر کرتے ہیں:

پہلی تفسیر:

وہ جس طرح اللہ سے محبت کرتے ہیں اسی طرح اپنے شریکوں اور معبودوں سے بھی محبت کرتے ہیں، یعنی وہ اللہ تعالی اور اپنے معبودوں دونوں سے محبت کرتے ہیں، اور یہ انکے معبودوں سے محبت اللہ کی محبت جیسی ہوتی ہے یعنی وہ جس طرح اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

دوسری تفسیر:

وہ اپنے معبودوں سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اہل ایمان اللہ تعالی سے محبت کرتے ہیں، یعنی وہ اللہ سے محبت نہ کرکے غیر اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ قسم بھی پائی جاتی ہے بطور خاص وہ لوگ شرک اور تعظیم غیر اللہ میں حد درجہ غلو سے کام لیتے ہیں بایں طور کہ ان کے اندر نفع ونقصان کا عقیدہ رکھتے ہیں، ایسی صورت میں وہ خالص ہو کر ان سے محبت کرتے ہیں اور اللہ کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں، بایں طور کہ نہ اس سے محبت کرتے ہیں نہ ہی اسکی تعظیم کرتے ہیں، نہ ہی اس سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی اسکی شریعت کو مانتے ہین، بلکہ وہ صرف اپنے معبودوں کی تعظیم کرتے ہیں، انہیں سے پوری محبت کرتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح موحد بندے صرف اللہ رب العالمین سے محبت کرتے ہیں۔ اس میں محبت کی نفی پائی جاتی ہے۔

دوسرے وہ لوگ جو اللہ اور غیر اللہ سے برابر محبت کرتے ہیں تو کیا اللہ سے ان کی یہ محبت انہیں کچھ فائدہ دے گی؟ نہیں بالکل نہیں، کیونکہ اللہ شراکت کو بالکل پسند نہیں کرتا، بلکہ ضروری ہے دل مکمل طور پر اللہ کیلئے خالص ہو، اور اللہ کی محبت اسلام کی بنیاد ہے، لہذا بغیر خالص محبت کے دین اسلام نہیں، اسی خالص محبت سے اللہ کی تعظیم، اسکی شریعت کی تعظیم وتنفیذ اور اسکے توحید کی تعظیم پیدا ہوتی ہے، بلکہ توحید عبادت میں بھی یہی محبت اصل بنیاد ہے۔

ایک انسان جب رب العالمین سے سچی محبت کرتا ہے تو اس محبت سے عبادت کے تمام امور میں توحید کے آثار پیدا ہوتے ہیں چنانچہ وہ دعاء کرنے، استغاثہ کرنے، توکل کرنے اور اپنی تمام نیکیوں اور عبادتوں کو خالص اللہ کیلئے کرلیتا ہے، لیکن جب یہ محبت اللہ کیلئے سچی اور خالص نہیں ہوتی ہے تو وہ اللہ کے ساتھ غیر اللہ سے بھی محبت کرنے لگتا ہے، اور اسکا اثر عبادت کے دیگر امور میں بھی دکھائی دینے لگتا ہے، چنانچہ ایسے شخص کو آپ دیکھیں گے کہ وہ اسے بھی پکارتا ہے، کہیں جا کر کسی بزرگ سے استغاثہ کرنے

لگتا ہے، کسی کے پاس جا کر ذبیحہ کرنے لگتا ہے، وغیرہ وغیرہ؛ اسلئے کہ عبادت میں جو محبت بنیاد ہے اس کے یہاں وہ خالص نہیں ہے، اسی لئے ہر انسان کو آزماتے رہنا چاہئے کہ کیا وہ خود اس توحید پر پورا اتر رہا ہے یا نہیں؟

اور توحید پورا اسی وقت ہوگا جب محبت کرنے والے کی مراد محبوب یعنی اللہ کی مراد سے متحد ہو جائے، یعنی دونوں بندہ انہیں چیزوں سے محبت کرنے لگے جن سے اللہ کو محبت ہے، اور ان چیزوں سے نفرت کرنے لگے جن سے اللہ کو نفرت ہے، اسی طرح ایسے اشخاص سے وہ محبت کرنے لگے جن سے اللہ کو محبت ہے اور ایسے اشخاص سے نفرت کرنے لگے جن سے اللہ کو نفرت ہے، اس طرح اللہ کا ارادہ شرعیہ محبت کرنے والے بندے کے ارادے سے متحد ہو جائے گا اور یہی دین اسلام کی بنیاد ہے۔

اہل علم نے پہلے محبت کی تعریف کی ہے کہ یہ ایسا قلبی عمل ہے جو دل میں ٹھہر جاتا ہے تو اللہ کی، اسکی شریعت کی، اسکے نبی اور اسکے سنتوں کی تعظیم کرنے لگتا ہے، اور اسکی اطاعت میں منہمک ہو جاتا ہے، یہی اللہ سے محبت ہے۔

اسکے بعد اہل علم بعض ایسے اسباب پر گفتگو کی ہے جن سے وہ خالص محبت پیدا ہوتی ہے، اسلئے ایک مومن بندے پر واجب ہے کہ وہ ان اسباب کا حریص بنے اور انہیں حتی الامکان اپنانے کی کوشش کرے، ان اسباب کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے نقل کیا ہے، وہ کل دس اسباب ہیں جنہیں یہاں تلخیص کے ساتھ میں ذکر کر رہا ہوں:

پہلا سبب:

تلاوت قرآن، ساتھ میں اسکے معانی میں تدبر کرنا، اور اسکے مراد کو سمجھنا۔

محض تلاوت قرآن سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، تلاوت وہی مفید ہے جو معانی میں غور وفکر کے ساتھ ہو، ایسا نہ ہو کہ پڑھ رہا ہو قرآن اور دل دماغ کسی دوسری طرف ہو، بلکہ قرآن اس انداز میں پڑھا جائے گویا کہ

آپ زبان سے تلاوت کر رہے ہوں اور دل میں اسے سمجھ کر اسکی تفسیر کر رہے ہوں، اور جیسے ہی کوئی چیز سمجھ میں نہیں آئی فوراً کسی تفسیر کی کتاب یا اہل علم کی طرف رجوع کرلیا، یہی حال صحابہ کا تھا کہ وہ دس آیتیں یاد کرتے، ان کے معانی کو سمجھ لیتے، پھر آگے کی طرف منتقل ہوتے۔

انہوں نے قرآن کو اسی طرح یاد کیا، اسی لئے ان کا یاد کرنا انکے لئے مفید رہا، اور اسی لئے ان کے یہاں قرآن کا ایک حافظ عالم، فقیہ اور لغوی بھی ہوتا تھا، اسلئے کہ قرآن عربوں کی زبان ہے، اللہ نے قرآن کو فصیح زبان میں اتارا ہے، چنانچہ جس نے قرآن کو صحیح سے یاد کرلیا، اسکے مفہوم اور دقیق معانی کو سمجھ لیا، تو وہ حافظ کے ساتھ فقیہ اور لغوی بھی ہو جائے گا۔

ایسے ہی ہمارے سلف تھے، وہ قرآن کو اسی طرح پڑھتے تھے جس سے ان کے اندر اللہ کی محبت پیدا ہوتی تھی، اسلئے کہ قرآن کو اس طرح سمجھ کر پڑھنے والا اللہ سے گفتگو کر رہا ہوتا ہے، کیونکہ قرآن اللہ کا کلام ہے، اگر آپ اسے پڑھیں گے، اسکے معنی و مطلب کو سمجھیں گے تو گویا اللہ سے گفتگو کر رہے ہوں گے۔

دوسرا سبب:

فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کرنا، چنانچہ ایک حدیث قدسی میں اس طرح وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ قَالَ: "مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ، وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا اقرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ مانگتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں اور میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے اپنے مومن بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے۔ وہ تو موت کو بوجہ تکلیف جسمانی کے پسند نہیں کرتا اور مجھ کو بھی اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔

اسلئے سب سے پہلے فرائض کی ادائیگی ہے، اور فرائض سے مراد نماز، روزہ، صدقہ، زکاۃ، حج، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، واجبی طلب علم اور دیگر تمام فرائض ہیں۔

فرائض کی ادائیگی کے بعد کثرت سے نوافل ادا کریں، خواہ وہ نوافل نماز کی شکل میں ہوں، روزوں کی شکل میں ہوں، حج وعمرہ کی شکل میں ہوں، صدقہ وخیرات کی شکل میں ہوں یا دیگر نوافل ہوں انہیں زیادہ سے کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ بندہ جب زیادہ سے زیادہ نوافل کی ادائیگی کرتا ہے تو اللہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے، اور جب اس سے محبت کرنے لگتا ہے تو وہ اس کا کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے۔

اس طرح وہ اللہ کا خالص بندہ بن جاتا ہے، اس کے ساتھ وہ کسی کو شریک نہیں کرتا، وہ اپنا ہاتھ اسی طرف بڑھاتا ہے جس سے اللہ راضی ہو، وہ اسی طرف دیکھتا ہے جس سے اللہ خوش ہو، بلکہ اپنے تمام اعضاء وجوارح کو اللہ کی ملکیت سمجھتا ہے اوران سب کو برائیوں سے دور کرکے اللہ کی اطاعت میں وقف کردیتا ہے، یہاں تک کہ وہ احسان کے مقام تک پہونچ جاتا ہے۔

جب وہ اس طرح نوافل کو کثرت سے ادا کرے گا تو یہ اسکے دل میں اللہ کی محبت پیدا کرے گی، اسکی زبان اللہ کے ذکر سے تر ہوگی، اور ساتھ ہی وہ عمل کرکے دکھائے گا بھی، کیونکہ اگر محبت صرف زبان پر ہے دل میں نہیں، تو یہ کچھ بھی مفید نہیں ہے یا بہت ہی کم، اسلئے زبان کے ساتھ دل میں بھی ہونا ضروری ہے، ساتھ ہی عمل میں بھی ظاہر ہو، چنانچہ وہ وہی عمل کرے جس سے اللہ راضی ہو، چنانچہ وہ اس وقت ذکر الہی میں ہوگا، وہ واجبی علم حاصل کرے گا تو وہ اس وقت ذکر الہی میں ہوگا، وہ علم کا مذاکرہ کرے گا، مسائل کو یاد کرے گا تو اس وقت ذکر الہی میں ہوگا، چنانچہ اسی ذکر الہی میں سے علم کی مجلسوں میں بیٹھنا بھی ہے، جہاں کتاب اللہ کا مذاکرہ ہورہا ہو، اور اس سے اللہ کی محبت پیدا ہوگی۔

ضروری ہے کہ ایسے علماء کی علمی مجلس اختیار کی جائے تو باعمل عالم ہوں، لہوولعب والی مجلسوں سے دوری اختیار کی جائے، وہ مجالس جہاں پر قلوب واذہان کو تباہ کیا جاتا ہو، جہاں پر گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہو یا بدعات وخرافات کا درس ہوتا ہو، انہیں چھوڑ کر ایسی مجلسوں میں جاؤ جہاں شریعت کا درس ہو یعنی کتاب وسنت کی بات ہو، عقیدہ اور توحید پر کلام ہو۔

فرصت کے وقت مسجدوں میں بیٹھو گرچہ وہاں تنہا بیٹھنا پڑے، کتاب اللہ لیکر کسی کونے بیٹھ جاؤ، اور اسی کو پڑھ کر اسی کے معانی میں غوروفکر کرو، جس سے اللہ کی محبت پیدا ہو، ایسے لوگوں سے دور ہوجاؤ جو ڈش لگا کر گھنٹوں گھنٹوں اپنے گھروں اور آرام گاہوں میں بیٹھ کر مزے لیتے رہتے ہیں۔

تیسرا سبب:

اللہ کے اسماء وصفات میں غور وفکر کرنا، جب آپ یہ سوچیں گے کہ اللہ سننے والا دیکھنے والا، شفقت کرنے والا مہربان ہے، وہ ہمشہ آپ کے ساتھ ہے آپ کو دیکھ رہا ہے آپ کی ہر بات سن رہا ہے، تو ایسی صورت میں آپ اللہ مخالفت کرنے سے بچو گے، زیادہ سے زیادہ دعاء واسغفار کرو گے، کیونکہ آپ اس ذات کے ساتھ ہو جو آپ پر غالب ہے اور وہ آپ کی ہر بات سن رہا ہے اور ہر عمل کو دیکھ رہا ہے، بلکہ وہ آپ کی ہر حرکت سے واقف ہے، حتی کہ وہ آپکے اس عمل سے بھی واقف ہے جسکی خبر آپ کو بھی نہیں، اگر اس پوزیشن میں آپ اللہ کی عبادت کریں گے تو اس سے آپ کے دل میں اللہ کی سچی اور خالص محبت پیدا ہوگی۔

چوتھا سبب:

دل میں یہ تصور کرو کہ اللہ کا کس قدر آپ پر احسان ہے، اس نے آپ کو پیدا کیا، روزی دی، علم عطا کیا، اسلام کی توفیق دی، اپنی عبادت اور اطاعت کی توفیق دی، ہمیشہ اللہ کے احسانات کو یاد رکھیں، اس سے غرور وگھمنڈ اور خود پسندی کا خاتمہ ہوگا، دل کے اندر خاکساری اور انکساری پیدا ہوگی، اللہ کا خوف ہر وقت دل میں رہے گا، اسکی رحمت، عفو ودرگزر اور اسکے عدل کی ہمیشہ رغبت رہے گی، اسکے عذاب کا ہر وقت خوف رہے گا کیونکہ آپ کو نہیں معلوم کہ خاتمہ کس چیز پر ہو۔

پانچواں سبب:

رات کے آخری پہر جس وقت رب العالمین کا دنیاوی آسمان پر نزول ہوتا ہے اٹھ کر اللہ کو یاد کریں، جیسا کہ صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ ، يَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي

فَأَغْفِرَ لَهُ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا پروردگار بلند برکت والا ہے ہر رات کو اس وقت آسمان دنیا پر آتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کوئی مجھ سے دعا کرنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کوئی مجھ سے مانگنے والا ہے کہ میں اسے دوں کوئی مجھ سے بخشش طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو بخش دوں۔

اور یہ ایمان لائیں کہ اللہ تعالی کیلئے یہ نزول حقیقی ہے مگر ہم اسکی کیفیت اور حقیقت کو نہیں جانتے، یہ اسی طرح ہے جیسا اسکی ذات اور اسکے جاہ وکمال کے لائق ہے، ہم اس خبر کی تصدیق کرتے ہیں جو ہم تک رسول امین وصادق کے واسطے پہونچی ہے، اور یہ متواتر حدیث ہے۔

اس وقت آپ تنہائی میں بیٹھ کر تلاوت کریں، دعاء کریں اور توبہ واستغفار کریں، اسی سے اللہ کی محبت پیدا ہوگی، کیونکہ اس وقت اللہ اور آپ کے دل کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوگی، خواہ وہ لہو ولعب ہو یا دنیاوی کوئی اور چیز، کیونکہ دنیا کی مشغولیت اللہ کی محبت سے غافل کردیتی ہے، آل واولاد اور مال وزر کی محبت گرچہ شرکیہ محبت میں سے نہیں ہے مگر پھر بھی یہ چیزیں اللہ کی محبت سے غافل کرنے والی ہیں، اس وقت جب آپ فطری حد سے تجاوز کریں گے۔

ان کے علاوہ بھی دیگر اسباب ہیں جن کے لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلام کی طرف رجوع کریں، اللہ ہم سب کے دل میں اللہ کی سچی محبت پیدا کرے، نسال اللہ لنا ولکم الثبات۔

۞۞۞

سوال نمبر ۵۲:

اللہ کی محبت پیدا کرنے کے اسباب سے جانکاری ہو جائے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا کیا معنی ہے اور اسلام کے اندر اسکا کیا مقام ہے؟

جواب:

اللہ کی محبت کیلئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کیلئے خالص ہو، اور غیر اللہ کی محبت بھی اگر اللہ کی خاطر خالص ہے تو یہ بھی ایک عظیم عبادت ہے، چنانچہ جب آپ کسی سے اللہ کی خاطر محبت کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اسی قبیل سے ہوتی ہے، کیونکہ آپ اسکے بندوں کی طرف اسکے رسول اور سفیر ہیں، اسکے اور اسکے بندوں کے درمیان تبلیغ دین اور ہدایت میں ایک واسطہ ہیں اسلئے ضروری ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے آپ سے بھی زیادہ محبت کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا مطلب ہے کہ آپ سب سے پہلے آپ کی لائی ہوئی شریعت کو معلوم کریں، پھر آپ کی سنتوں پر عمل کریں، پھر اسکی طرف دوسروں کو دعوت دیں، ساتھ ہی یہ خیال رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں اور آپ کے اقوال وافعال پر کسی دوسرے کی بات کو مقدم نہ کریں، کیونکہ اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مطلق اطاعت فرض کیا ہے وہ اطاعت جو کسی مخلوق کیلئے نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا} ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔

اہل علم نے کہا ہے کہ رسول ﷺ کے ساتھ اطاعت کے لفظ کا اعادہ کیا ہے جس سے مطلق اطاعت کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ کسی امر کا حکم دیں تو اسکی اطاعت کرنا واجب ہو جاتی ہے، اب ہمیں اس کے بارے میں قرآن کے اندر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسکا حکم قرآن میں آیا ہے یا نہیں، اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ ہمیں کسی چیز سے روک دیں تو اس سے رکنا واجب ہو جاتا ہے، اور قرآن کے اندر پھر یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ یہ ممانعت قرآن میں آئی ہے یا نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھا کھانے سے منع کر دیا اور مسلمانوں نے اس پر عمل کیا جب کہ یہ کتاب اللہ میں نہیں آیا ہے۔

اللہ نے دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے سے منع کیا، اور رسول اللہ ﷺ نے خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے سے منع کیا، اور ان دونوں پر مسلمانوں نے عمل کیا، یعنی وہ ممانعت خواہ قرآن میں ہو یا سنت میں، کیونکہ سنت میں جو آتا ہے اسکا حکم قرآن جیسا ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ جو بولتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتا ہے، اپنی خواہش سے نہیں بولتے، چنانچہ آپ ﷺ جب کسی چیز سے منع کرتے ہیں یا کسی چیز کا حکم دیتے ہیں تو اس وقت آپ اللہ کی طرف سے تبلیغ دین کر رہے ہوتے ہیں، اس وقت آپ کی اطاعت واجب ہوتی ہے، ساتھ ہی آپ سے محبت، آپکی تعظیم اور شریعت کی تعظیم بھی واجب ہوتی ہے۔

شریعت کی نسبت دونوں کی طرف اسی لئے کی جاتی ہے، آپ اللہ کی شریعت کہتے ہیں اور رسول اللہ کی شریعت بھی کہتے ہیں، پہلی نسبت اس لئے ہے کہ اللہ ہی اصل شارع ہے اور دوسری نسبت اس لئے ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس شریعت کے مبلغ ہیں، اور رسول اللہ ﷺ سے ہماری محبت جذباتی نہیں ہونی چاہئے کہ جس کی بنیاد پر ہم رسول اللہ ﷺ کے اندر غلو کرنے لگیں، اور آپ ﷺ کو وہ مقام اور حقوق دے دیں جو رب العالمین کیلئے خاص ہیں، جس کی بنیاد پر ہم آپ ﷺ سے استغاثہ کرنے لگیں، اور ایسی

چیزوں کی طلب کرنے لگیں جن پر صرف اللہ ہی قدرت رکھتا ہے، اور آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کو مدد کیلئے پکاریں۔

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ مدینہ کے اندر رہتے تھے مگر انکی حالت بالکل بدل گئی، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اب وہ معاملہ نہیں رہا جو آپ کی زندگی میں تھا، جب آپ باحیات تھے اس وقت لوگ آپ کے پاس جاتے تھے دین کی باتیں سیکھنے، دعاء کی درخواست کرنے، مدد مانگنے، مگر وفات کے بعد اب ان کاموں کیلئے کوئی آپ کی قبر پر کوئی نہیں جاتا تھا، ہاں صرف سلام بھیجنے جاتے تھے اگر مسجد نبوی میں موجود ہیں۔ جبکہ آپ کا جسم مبارک قبر میں اسی طرح محفوظ ہے جس طرح آپ دفن کے وقت تھے؛ اسلئے کہ اللہ نے زمین کیلئے انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کردیا ہے۔

سوال نمبر ۵۳:

اس وقت ہم کتاب العقیدہ الواسطیہ کو ختم کر رہے ہیں، میری رائے ہے کہ اس کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الفتوی الحمویہ کو شروع کیا جائے، کیونکہ اہل علم اسکی شرح نہیں کرتے، اس تعلق سے آپ کی کیا رائے ہے، بارک اللہ فیکم؟

جواب:

اچھا رہے گا، ان شاء اللہ الواسطیہ کے بعد اگلی کتاب الفتوی الحمویہ ہی ہوگی، اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کتاب [الفتوی الحمویہ] کی کچھ خوبیوں کو سر دست بیان کر دوں، کیونکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس رسالے میں جو خصوصیت ہے وہ دیگر تمام رسائل میں نہیں ہے۔

یہ معلوم ہے کہ امام احمد کی آزمائش کے بعد اہل سنت والجماعہ منتشر ہو گئے تھے اور امام احمد کے شاگرد بھی پوری دنیا میں ادھر ادھر بکھر گئے جیسا کہ علامہ مقریزی نے کہا ہے، یہاں تک کہ اس مدت میں منہج سلف سے لوگ ناواقف ہو گئے، اور یہ دور مسلمانوں کیلئے بہت ہی سخت ہے، ہر جگہ بدعات وخرافات اور شرکیات کا دور دورہ ہو گیا، ایسے ہی پر آشوب ماحول میں اللہ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا کیا جنہوں سلف صالح کے منہج کی تجدید کاری کی، جب کہ اس وقت علم کلام، منطق، فلسفہ اور تصوف ہی کو عقیدہ اور منہج سمجھا جاتا تھا، بالخصوص معتزلہ کا عقیدہ جسے مامون عباسی نے بزور وقوت نافذ بھی کیا تھا، اور اسکے بعد معتصم باللہ اور واثق باللہ نے، جنہوں نے امام احمد کو آزمائش میں ڈالا اور آپ کو سخت عذاب سے دو چار کیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ دمشق میں علم کے اسلحوں سے لیس ہو کر ظاہر ہوئے، کہیں کسی منطقی سے منطق کے ذریعے مناظرہ کر کے اسے خاموش کر رہے ہیں، تو کہیں کسی فلسفی سے فلسفہ کے ذریعے مناظرہ کر کے اسے خاموش کر رہے ہیں، کہیں کسی معتزلی سے، کہیں کسی اشعری سے، کہیں کسی ملحد سے، کہیں کسی

اتحادی، وجودی یا حلولی سے کہیں کسی رافضی ،تقلیدی یا بدعتی سے ،بہر حال ہر ایک کو مناظرے میں خاموش کر دیتے ہیں، اور اس پر کئی رسالے بھی تحریر کئے، جیسے الرد علی المنطقیین اور الرد علی الفلاسفہ وغیرہ ۔آپ نے معتزلہ اور اشاعرہ سے سخت مناظرہ کر کے انہیں پریشان کر دیا یہاں تک سارے لوگ عاجز آ گئے ۔ اور یہ سارے ردود ان کتابوں میں موجود ہیں جو ہمارے سامنے ہیں ۔

آپ ایسے وقت میں پیدا ہوئے جس وقت تاتاری مسلمانوں پر ظلم وقہر ڈھا رہے تھے، اس وقت آپ ان علماء کی طرح نہیں تھے کہ مسجدوں میں جا کر اپنے گھروں کو واپس آجائیں، بلکہ آپ میدان جہاد میں بھی جا کر تاتاریوں کے خلاف جہاد کرتے تھے، اسی لئے اس وقت کے مسلمان آپ سے محبت کرتے تھے، اس وقت کے حکام بھی آپ کی بہادری اور شجاعت کی قدر کرتے تھے، آپ کی برائی وہ علمائے سوء کرتے تھے جو صرف علم کے حساب پر زندگی گزار رہے تھے، انہوں نے آپ کو تکلیف دی، ان کی وجہ سے آپ کو جیل جانا پڑا، اور سخت آزمائش میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ جیل ہی میں آپ کا انتقال بھی ہو گیا، اس آزمائش کے باوجود آپ ثابت قدم رہے، اور اس قدر کتابیں لکھ دیں کہ ایک آدمی سوچ بھی نہیں سکتا۔

علم کا خزانہ اور عظیم دفتر جس کے بارے میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ جس میں ہر چیز مل سکتی ہے، کیونکہ جتنا انہوں نے لکھ دیا آج ہم اسے پڑھ کر ختم نہیں کر سکتے، وہ بھی آپ صرف لکھتے ہی نہیں تھے بلکہ آپ جہاد بھی کرتے تھے، مناظرہ بھی کرتے تھے، درس بھی دیتے تھے، عبادت اور ذکر واذکار میں بھی وقت دیتے تھے، اور اس دنیا سے کبھی دل نہیں لگاتے تھے، کہا کرتے تھے: میری جنت میرے سینوں میں ہے، جلاوطنی میری سیاحت ہے، قید خانہ میری خلوت ہے، میرا قتل ہونا میری شہادت ہے، میرے دشمن اس کے سوا میرے ساتھ اور کیا کر سکتے ہیں؟!

آپ منہج سلف پر ڈٹے رہے، اسکا پرچار کرتے رہے، دین اسلام اور عقیدہ صافی کی نشر واشاعت

کرتے رہے، ایسے وقت میں آپ کے دشمنوں نے کیا کیا؟ انہوں نے یہ پھیلایا کہ ابن تیمیہ اجماع کی مخالفت کرتا ہے، وہ نیا منہج، نیا عقیدہ اور نیا دین لیکر آیا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں تہمتوں اور الزامات کا ازالہ کیا ہے اور ان کا جواب دیا ہے اپنی اس کتاب الفتوی الحمویہ کے اندر، آپ نے عہد صحابہ سے لیکر اپنے زمانے تک کے اہل علم کے اقوال جمع کر دیئے ہیں تا کہ یہ ثابت کر دیں کہ صحابہ کے زمانے سے لیکر اس وقت تک سارے لوگ اسی عقیدہ پر تھے، آپ نے اسے تنہا نہیں پیش کیا ہے، یہ کوئی نیا عقیدہ نہیں ہے، بلکہ اسکی تجدید کی ہے جو یا تو مٹ چکا تھا یا چھپا دیا گیا تھا۔

ممکن ہے یہ خصوصیت کسی دوسرے رسالے میں نہ ہو، سوائے [درء تعارض العقل والنقل] کے، اسلئے میں کہوں گا کہ جس نے بھی اس کتاب [الفتوی الحمویہ الکبری] کا مشورہ دیا ہے وہ موفق ہے ان شاء اللہ، الواسطیہ کے بعد اسی کو پڑھیں گے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۵۴:

جو یہ کہے کہ (جو بدعتی کو بدعتی نہ کہے وہ بھی بدعتی ہے) اسکے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور کیا یہ مطلق طور پر کہہ سکتے ہیں؟

جواب:

اس چھوٹے سے سوال کا جواب بہت لمبا ہوسکتا ہے، دراصل بدعتوں کی کئی قسمیں ہیں، بدعت مکفرہ جیسے جہمیہ اور غالی روافض کی بدعت، انکی تکفیر واجب ہے، ان کیلئے نہ تو استغفار جائز ہے نہ ہی دعائے رحمت، اسلئے کہ انہوں نے بدعت مکفرہ کا ارتکاب کیا ہے، جہمیہ نے کہا: اللہ نہ تو دنیا کے اندر ہے نہ باہر، نہ متصل ہے نہ منفصل، یعنی اللہ کو انہوں نے عدم محض بنا دیا، اس طرح یہ کافر ہو گئے، اور غالی روافض نے اللہ اور اسکے رسول کی تکذیب کی، انہوں نے کبار صحابہ کی تکفیر کی ہے انہیں دوزخی کہا ہے جب کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں جنت کی بشارت دی ہے، اس طرح یہ لوگ بھی کافر ہیں۔

اس طرح بدعتیں مختلف ہیں، اس کے بعد معتزلہ اور خوارج کی بدعت ہے، یہ دونوں قریب ہیں۔

خوارج گناہوں کی بنیاد پر مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں، اور معتزلہ بھی تکفیر کرتے ہیں مگر دنیا میں اسکا معاملہ مسلمانوں جیسا مانتے ہیں، مرنے کے بعد وہ کافر ہو جاتا ہے اور خوارج کی طرح ان کے یہاں بھی وہ مخلد فی النار ہوتا ہے۔

اس طرح خوارج اور معتزلہ کے درمیان دنیاوی احکامات میں اختلاف لفظی ہے، جبکہ بدعت میں دونوں شریک ہیں، جس کا اعلان ضروری ہے اور ایسا بدعتی عقیدہ رکھنے والوں سے براءت کرنا بھی واجب ہے۔

بعض بدعتیں حسن ظن کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں، جیسے جشن عید میلاد النبی ﷺ، پندرہ شعبان اور رجب

کی بدعتیں، انکی تکفیر نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ لوگ عقیدہ اور شریعت کو نہیں چھیڑتے ہیں یہ حسن نیت سے اس بدعت میں واقع ہوئے ہیں، اگر انہیں اس بدعت کا علم ہو جائے تو ان پر واجب ہوگا کہ اس سے توبہ کریں، مگر ان کے ساتھ ان بدعتیوں جیسا سلوک نہیں کیا جائے گا۔

بدعات کے درجات ہیں اور بدعتیوں میں بھی درجات ہیں، ان میں جو بدعت کے داعی ہوتے ہیں وہ سب سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، کیونکہ جو صرف بدعت کا ارتکاب کرتا ہے خواہ وہ حسن نیت کی وجہ سے ہو یا جان بوجھ کر ہو وہ اسی تک محدود رہتا ہے جبکہ بدعت کا داعی دوسروں کیلئے بھی مصیبت بنتا ہے، اسکے بارے میں تفصیل ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۵۵:

اس شخص نے [یوم لاظل الاظله] کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے، جس کے اندر علمائے اسلام کے کلام سے ادھر ادھر کاٹ کر پیش کیا ہے اور پھر ان کا مذاق اڑایا ہے ان پر طعن و تشنیع کیا ہے، وہ خود کو عالم سمجھتا ہے حالانکہ جاہل لگتا ہے، اسکے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب:

جب اس نے کتاب لکھ دی ہے اور اس کتاب کے اندر اپنی گمراہیوں کو پھیلا بھی رہا ہے، ائمہ مسلمین پر کیچڑ اچھال رہا ہے تو ایسی صورت میں اسکا نام لینا اور اس سے لوگوں کو آگاہ کرنا اسکی حقیقت بتانا واجب ہو جاتا ہے، چنانچہ اسے لوگ محمود الحداد کہتے ہیں، وہ نوجوان طبقہ میں مشہور ہے، وہ اپنی کتاب [یوم لاظل الاظله] میں کہتا ہے: اہل علم کا اجماع ہے کہ بدعتی اور فاسق سے مومن کا نام چھن جاتا ہے، مگر وہ کافر نہیں ہوتا، چنانچہ جو کسی بدعت یا کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے تو اسے فاسق جانو اور اگر گناہ صغیرہ کا ارتکاب کرے اور اس پر اصرار بھی کرے تو اسے بھی فاسق جانو۔

چنانچہ فاسق کہتے ہیں جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، یا صغیرہ کا ارتکاب کرے اور اس پر اصرار کرے توبہ نہ کرے۔ یعنی جو شراب پیئے یا چوری کرے تو وہ فاسق ہے، جو ڈاکہ ڈالے وہ حداد کے نزدیک فاسق ہے، وہ ایمان سے نکل جائے گا مگر کفار سے نہیں ملے گا یہاں تک کہ اس کی وفات نہ ہو جائے، گویا وہ تب تک ایمان اور کفر کے درمیان رہے گا۔ اور جب مر جائے گا تو دوزخ میں جا کر وہاں ہمیشہ ہمیش رہے گا، یہی معتزلہ کا عقیدہ ہے۔

میں نہیں جانتا کہ محمود الحداد وہی ہے جو پہلے جماعۃ التکفیر سے جڑا ہوا تھا، پھر اس ملک کے اندر آ کر توحید و سنت کی آڑ میں اندر سے اسلام کے خلاف کام کر رہا ہے، یہاں آ کر نوجوانوں کے درمیان اعتزال پھیلا رہا ہے، اور یہ دو حال سے خالی نہیں ہے:

۱- یا تو وہ جماعۃ التکفیر سے نکل کر یہاں جان بوجھ کر آیا ہے، تاکہ اندر سے عقیدہ اور سنت کے خلاف کام کیا جائے، اور یہی احتمال قوی بھی لگتا ہے، جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے۔

۲- وہ جماعۃ التکفیر سے نہیں تھا، وہ اپنی جہالت کی بنیاد پر یہ حرکت کر رہا ہے، اور اعتزالی عقیدہ لاشعوری میں پھیلا رہا ہے۔

عجیب معاملہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے پیچھے نوجوانوں کی ایک جماعت اکٹھا بھی ہو جاتی ہے، ایسے لوگوں کیلئے تالی بھی بجاتے ہیں، اسکی تائید بھی کر رہے ہیں، اسے اپنا امام مان رہے ہیں حالانکہ وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پر طعن و تشنیع کرتا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: فاسق وہ مسلمان ہے جس کے یہاں معاصی اور گناہوں کی کثرت ہو، چنانچہ اس سے اسکی معصیت کے بقدر نفرت کی جائے گی اور اسکے ایمان و عمل صالح کی بقدر اس سے محبت کی جائے گی۔

یعنی اسکے ساتھ کفار جیسا معاملہ نہیں کیا جائے گا، اسی طرح بالکل مومنوں جیسی محبت بھی نہیں کی جائے گی، جبکہ محمود حداد شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتا ہے: (ان کا امام ایسے ہی ہے، اسے تو ابلیس سے بھی محبت کرنی چاہئے، کیونکہ ابلیس بھی اللہ کو پہچانتا تھا، ابن تیمیہ اور اسکے پیروکاروں کو چاہئے کہ وہ ابلیس سے بھی محبت کریں، یعنی اس سے اتنی مقدار میں محبت کریں جتنا وہ اللہ کی معرفت رکھتا ہے اور اس کے کفر کے بقدر اس سے نفرت کریں۔ اسی طرح شراب سے بھی وہ محبت کریں، کیونکہ اس میں بھی منفعت ہے۔

کیا ایسی بات کوئی عقلمند کہے گا؟ ایسے ہی وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق اڑاتا ہے جو کہ مسلمانوں کے ایک عظیم امام تھے، جن کی کتابیں اور جنکے فتاووں سے آج مسلمان فائدہ اٹھا رہے ہیں، جن کے علم کی گواہی دوست دشمن سب دیتے ہیں، اور یہ جاہل آکر ان کا مذاق اڑاتا ہے، کوئی جا کر اس کے سامنے یہ شعر پڑھ دے:

أتهجوه ولست له بكفء　　　فشر كما لخير كما الفداء

ترجمہ: تم جس کی برائی کر رہے ہو اسکے برابر کبھی نہیں ہو سکتے، تم میں جو سب سے برا ہے وہ بہتر کیلئے قربان ہو جائے۔

آخر اس کی اوقات کیا ہے جو اتنے بڑے امام پر طعن و تشنیع کر رہا ہے، کبھی یہ کہتا ہے: فاسق جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ اسلام سے نکل جاتا ہے مگر کفر میں داخل نہیں ہوتا، اسی طرح اگر کوئی کسی بھی نوعیت کی بدعت کا ارتکاب کرتا ہے خواہ وہ بدعت رجبیہ ہو یا شعبانیہ یا میلادیہ، وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا، یہ وہی قول ہے جو جہم بن صفوان کا تھا، جس نے خود اپنے اوپر کفر کا فتوی لگا لیا تھا؛ اسلئے کہ جہم کے نزدیک ایمان صرف معرفت کو کہتے ہیں، اور یہ تو ساری مخلوق کا ایمان ہے۔

ابلیس کو اللہ کی معرفت تھی، ابو جہل کو اللہ کی معرفت تھی، اگر صرف معرفت کا نام ایمان ہو تو پھر کوئی کافر ہی نہیں رہے گا۔

دراصل ایمان معرفت سے ایک زائد چیز کا نام ہے وہ ہے قول اور عمل، اسی لئے کہتے ہیں کہ جہم نے اپنے اوپر بھی کفر کا فتوی لگا لیا گرچہ اسے اس کا شعور نہ ہو، کیونکہ اس کے پاس اللہ کی حقیقی معرفت نہیں تھی، اور میں کہتا ہوں: حداد نے بھی اپنے اوپر بدعتی کا فتوی لگا لیا ہے گرچہ اسے اسکا شعور نہ ہو، کیونکہ اس کے نزدیک جو بدعتی کو بدعتی نہ کہے اور اسکا بائیکاٹ نہ کرے وہ بھی بدعتی ہے، تو اب چاہئے کہ وہ خود کا بائیکاٹ کرے اور خود کو بدعتی کہے، کیونکہ اس نے اعتزال کی بدعت کا ارتکاب کیا ہے، اور اس سے پہلے وہ جماعۃ التکفیر سے جڑا ہوا تھا، یعنی پہلے تکفیری خارجی تھا، پھر معتزلی ہوا، یہ سب خطرناک بدعت ہے، اسلئے اسکا بائیکاٹ کیا جائے، اور اس سے دور رہا جائے، کیونکہ اس نے خود یہ فتوی دیا ہے کہ جو گناہ کبیرہ یا کسی بدعت کا ارتکاب کرے اسے مومن مت کہو۔

یہ بہت ہی عجیب حدادی فتوی ہے، اور اسکے لئے اس حدیث سے استدلال کر رہا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص جب زنا کرتا ہے تو عین زنا کرتے وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب وہ شراب پیتا ہے تو عین شراب پیتے وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب چور چوری کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔

وہ اس حدیث کا مفہوم نہیں سمجھ سکا اور جہالت کا شکار ہوگیا کیونکہ اس کے پاس علم نہیں ہے، وہ اپنی جہالت سے سنت کے نام پر نوجوانوں کو بیوقوف بنارہا ہے

یہ حدیث یقیناً صحیح ہے مگر اہل سنت اور اہل علم نے اس حدیث کو کیسے سمجھا ہے؟

کیا یہاں کافر مراد ہے! اہل علم کا کہنا ہے کہ یہاں جس ایمان کی نفی کی گئی ہے اس سے نفی کمال مراد ہے، یعنی جس نے چوری وغیرہ کا ارتکاب کیا اسکا ایمان ناقص ہوجاتا ہے، وہ شراب پیتے وقت کامل مومن نہیں رہتا، اسے عملی کفر کہتے ہیں، اعتقادی نہیں، اسی کو کفر دون کفر کہا جاتا ہے، یعنی وہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے فاسق ہے اور ایمان کی وجہ سے مومن بھی ہے، اسے ہم ملی فاسق کہہ سکتے ہیں، اور ملی فاسق وہ ہوتا ہے جو ایمان کے دائرے سے خارج نہیں ہوتا سوائے حداد کے نزدیک، اور اس سے پہلے معتزلہ کے نزدیک؛ اس لئے کہ یہ معتزلہ ہی کا پیروکار ہے۔

اور خوارج کے نزدیک تو وہ صریح کافر ہوجاتا ہے، یعنی وہ اس دنیا میں بھی کافر ہوتا ہے اور آخرت میں بھی وہ کافر ہوگا اور مخلد فی النار ہوگا۔

جبکہ معتزلہ کے نزدیک وہ ایمان سے تو نکل جائے گا مگر کفر میں دنیا کے اندر داخل نہیں ہوگا، مرنے کے بعد ہی وہ کافر ہوگا اور مخلد فی النار ہوگا۔ یعنی خوارج کے ساتھ یہ احکام آخرت میں متفق ہوجاتے

ہیں، جبکہ دنیاوی احکام میں اختلاف ہے۔

اس حدیث کو سمجھنے کیلئے ہمیں دوسری حدیث سمجھنا ہوگا، نبی اکرم ﷺ نے گناہ کبیرہ کو کفر سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا ہے: (لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ)

ترجمہ: میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

اسے کفر عملی کہتے ہیں، کیا اگر مسلمان تلوار سے آپس میں لڑائی کرنے لگیں تو وہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے؟!! نہیں، ہرگز نہیں، یہ فسق ہوگا، اور انکا یہ کفر کفر عملی ہوگا، اسی کو کفر دون کفر کہا گیا ہے، وہ ایمان سے نہیں نکلے گا، الا یہ کہ وہ ان گناہوں کو حلال سمجھ لے، اگر وہ کہے کہ شراب حلال ہے، جو حرام کہتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں، ایسی صورت میں وہ کافر ہو جائے گا، خواہ وہ شراب پیئے یا نہ پیئے، اسی طرح جو چوری کو حلال سمجھ لے بلکہ کسی بھی گناہ کو وہ حلال سمجھ لے، اسی طرح کسی بھی حرام چیز کو جسے اللہ نے حرام کیا ہو اسے وہ حلال سمجھ لے تو اس عقیدے کی بنیاد پر وہ کافر ہو جائے گا۔

اسی طرح جو غیر شرعی طریقے اور قانون سے فیصلہ کرنے کو حلال سمجھ لے گرچہ وہ ویسا فیصلہ نہ کرے گرچہ وہ قاضی نہ ہو، ایک عام آدمی ہو، وہ یہ کہنے لگے کہ وضعی قوانین سے فیصلہ کروانا جائز ہے، کون ہے جو ہمہ وقت شرعی محاکم میں فیصلہ کرواسکتا ہے؟ ٹھیک ہے، شریعت عظیم ہے، مگر ان وضعی قوانین پر فیصلہ کرنا بھی جائز ہے، تو ایسی صورت میں بھی وہ کافر ہو جائے گا، کیونکہ اس نے اسے جائز سمجھا، کسی حرام کو جائز اور حلال سمجھنا ایک چیز ہے اور کسی معصیت کا ارتکاب کرنا دوسری چیز ہے، یعنی دونوں الگ الگ ہیں، دونوں پر الگ الگ حکم لگے گا۔

معصیت کا ارتکاب ہلاکت کرنے والا ہے، خطرناک ہے مگر اس کی وجہ سے آدمی کافر نہیں ہو جائے گا، البتہ اگر اسے حلال سمجھ لے خواہ وہ صغیرہ گناہ ہی کیوں نہ ہو تو وہ کافر ہو جائے گا؛ حتی کہ اگر وہ کہے کہ روٹی حرام ہے تو بھی کافر ہو جائے گا، اگر وہ مسواک سے جان بوجھ کر مذاق اڑائے اور کہے: کیا

تم لوگ اس زمانے میں بھی مسواک جیب میں لیکر چلتے رہتے ہو جبکہ لوگ منجن اور برش کا استعمال کررہے ہیں؟ تو یہ کفر ہوگا، اسلئے کہ وہ سنت رسول کا مذاق اڑا رہا ہے، رسول ﷺ کا مذاق اڑا رہا ہے، اور جو رسول کا مذاق اڑائے وہ اللہ سے مذاق ہے، ایسا شخص کافر ہوجائے گا۔

اس لئے ضروری ہے کہ نواقض اسلام کو اچھی طرح پڑھا جائے، بالخصوص موجودہ دور میں، جیسے نواقض وضوء ہیں اسی طرح نواقض اسلام بھی ہیں، موجودہ دور میں کہ جو فتنوں کا دور ہے، سوالات پر سوالات لوگ کررہے ہیں، زبان بڑھ چکی ہے، اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر لوگ جری ہوچکے ہیں، انسان لاشعوری میں کفر کا ارتکاب کررہا ہے، اسلئے ہم مسلمانوں کو یہی نصیحت کرتے ہیں کہ وہ نواقض اسلام کو اچھی طرح پڑھ لیں جیسے وہ نواقض وضوء کو پڑھتے ہیں۔

۞۞۞

سوال نمبر ۵٦:
کیا یہ قول اہل سنت کے عقیدے کے موافق ہے؟

جواب:

نہیں، یہ معتزلہ کا عقیدہ ہے جیسا کہ بات گزر چکی، میں دوبارہ کہوں گا کہ یہ شخص یا تو جماعۃ التکفیر سے جڑا ہوا تھا، اس کو یہ موقع ملا کہ یہاں آ کر لوگوں کو بدعقیدہ بنائے، یا وہ جاہل انسان ہے، اور اپنی جہالت سے معتزلہ کے عقیدہ میں پھنس چکا ہے، اور اس طرح معتزلی بدعتی ہوگیا ہے۔

اسکا گمان ہے کہ فاسق اور بدعتی کا ایمان سلب ہو جاتا ہے مگر وہ کافر نہیں ہوتا، اور اس پر اہل علم کے اجماع کا دعوی بھی کیا ہے۔ یہی اسکی جہالت ہے۔

اور یہ معتزلہ کا عقیدہ ہے، ایک طرف گمراہ کر رہا ہے اہل علم کا اجماع بتا کر، جبکہ اس عقیدے کی گمراہی پر اہل علم کا اجماع ہے، نہ کہ اس عقیدے پر، اور یہ بھی معلوم رہے کہ جہمیہ، معتزلہ اور اشاعرہ کے اہل کلام کو اہل علم میں شمار نہیں کیا جاتا، اسلئے کہ اہل سنت کے نزدیک اہل کلام اہل علم میں شمار نہیں ہوتے، وہ اہل علم کہے جانے کے لائق نہیں ہیں، کیونکہ وہ علماء نہیں ہوتے۔ وہ صرف فلسفی ہوتے ہیں۔

اسی لئے اسکا یہ کلام باطل ہے، یا تو اس نے جہالت کی بنیاد پر ایسی بات کہی ہے، یا یہ اسکا قدیم عقیدہ ہے یعنی تکفیری جماعت کے ساتھ وہ رہ چکا ہے اس لئے وہی عقیدہ لئے اب تک پھر رہا ہے۔

سوال نمبر ۵۷:

دکتور عمر عبد الرحمن کا کیا عقیدہ ہے اور انکا کیا منہج ہے؟

جواب:

میں نہیں سمجھتا کہ کوئی اس سوال کا جواب نہیں جانتا ہوگا، بلکہ آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ جماعۃ التکفیر کا سربراہ رہ چکا ہے، اور اسکا منہج تکفیری ہے، اور آپ لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ کہاں ہے، اور وہ ایک جگہ بیٹھ کر اپنے پیروکاروں کی قیادت کیسے کرتا ہے، اخبارات کا مطالعہ کرنے والے اور سننے والے اس کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں۔

اور خلیجی جنگ کے بعد جو عراق اور کویت کے درمیان ہوئی تھی، اس نے اس ملک کی تکفیر کی، کویت کی تکفیر کی، بطور خاص اس ملک کے حکام کی تکفیر کی، یہ دلیل بنا کر کہ انہوں نے کفار سے مدد حاصل کی ہے۔

وہ جس وقت یہ فتوے لگا رہا تھا وہ خود کفار کے بیچ میں رہتا تھا، وہ امریکہ میں تھا اور وہیں سے یہ فتوی دے رہا تھا، اور اس ملک کے حکام کی تکفیر کر رہا تھا، یعنی خود امریکیوں کی گود میں پل رہا تھا اور انہیں امریکیوں سے مدد لینے پر دوسرے کی تکفیر کر رہا تھا، یہ ایک مذاق ہے!!

انہیں حق کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے، یہ ہر بھونکنے والے کے پیچھے چل پڑتے ہیں، اسلئے متنبہ رہنے کی ضرورت ہے، بطور خاص اس ملک کے نوجوانوں کو، تم ضرورت ہی نہیں ہے کہ ایسے لوگوں سے فتوی طلب کرو یا ان کے گمراہ کن فتاووں کو دیکھو، یہاں پر علماء کی کمی نہیں ہے۔

سوالات وجوابات پر مشتمل (نور علی الدرب) کے نام سے پورا پروگرام چل رہا ہے، پوری دنیا سے لوگ سوال کرتے ہیں، یہاں کے علماء اس میں جواب دیتے ہیں، تم اپنے ان کبار علماء کو چھوڑ کر حداد اور عمر جیسے خارجی تکفیری اور نیم تکفیری لوگوں کے گمراہ کن فتاوے پڑھتے ہو،!!

میرے بھائی! یہ عار کی بات ہے، آپ اپنے اہل سنت علماء کی طرف رجوع کرو، دوسرے لوگ تمہارے علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں، اپنے علماء کی قدر کرو، ان سے فتاوے پوچھو، ان سے علم حاصل کرو، علم حاصل کرو اور سیاسی باتیں چھوڑ دو، میں یہ بات مسجد انوار سے کہہ رہا ہوں، تم سیاسی امور میں نہ پڑو، اسلئے کہ بہت سے طلبہ سیاسی امور میں پڑ کر ضائع ہو گئے، اور کچھ کو تو سر پھرے لوگوں نے اپنا شکار بنالیا، کہتے ہیں تین قسم کے لوگ دنیا کو برباد کرتے ہیں: نیم حکیم، نیم فقیہ اور نیم نحوی۔

شیخ الاسلام نے اس کلام کو نقل کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ انہیں نیم فقیہوں میں یہ حداد بھی ہے، جو لوگوں کو اعتزال کی طرف بلا رہا ہے اور اسی عقیدے پر فتوے دے رہا ہے، پھر کہتا ہے کہ اس پر اہل علم کا اجماع ہے، یہ بہت بڑا افساد ہے، نیم حکیم بدن کو برباد کرتا ہے، قدیم زمانے میں ایک نیم حکیم نے (الحبة السوداء) کو (الحية السوداء) پڑھ لیا اور کہا کہ کالے سانپ میں شفاء ہے، اسے مار کر مریض کو کھلا دو، چنانچہ لوگوں نے کالے سانپ کو مار کر مریض کو کھلا دیا اور وہ مر گیا!!

یہ نیم حکیم ہے، اور جو نیم نحوی ہوتا ہے وہ جہاں چاہتا ہے رفع، نصب اور جر دیتا ہے کسی قاعدے کا پابند نہیں ہوتا، ایسے لوگ زبان کو برباد کرتے ہیں، اور حداد جیسے لوگ دین کو برباد کرتے ہیں، جو نیم فقیہ بنے ہوئے ہیں، اور معتزلہ کا عقیدہ بیان کرنے کے بعد کہتا ہے کہ اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔

یہاں میں بات کو طول نہ دیتے ہوئے کہوں گا کہ یہ دکتور امریکہ میں رہتا ہے اور وہیں سے مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۵۸:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا ہے، تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ قلم پہلی مخلوق ہے؟

جواب:

اس تعلق سے اہل علم کا اختلاف ہم بہت پہلے پڑھ چکے ہیں کہ سب سے پہلی مخلوق کیا ہے؟ قلم یا عرش، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اگر یہ راجح کیا ہے کہ قلم پہلی مخلوق ہے تو ان کے شاگرد نے یہ راجح کیا ہے کہ پہلی مخلوق عرش ہے، چنانچہ اس مسئلے میں شیخ اور شاگرد میں اختلاف ہے، علامہ ابن قیم جہاں اختلاف رکھتے ہیں وہاں صراحت سے کہتے ہیں کہ فلاں مسئلے میں وہ شیخ سے اختلاف رکھتے ہیں جیسے حج کو عمرہ کیلئے فسخ کرنے کے مسئلے میں۔ اور اسی طرح پہلی مخلوق والے مسئلے میں۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ ایسے اختلاف سے کوئی نقصان نہیں ہے، پہلی مخلوق قلم ہے یا عرش اس سے کوئی نقصان نہیں، بلکہ اس میں گنجائش ہے، یہ تو تمہید ہے، اصل مسئلہ اسکے بعد ہے کہ انسان کرے کیا، ان پر کس طرح کا عقیدہ رکھے۔

❁❁❁

سوال نمبر ۵۹:

سائل شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تسلسل حوادث کے عقیدہ کو منسوب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ کائنات میں حوادث کی کوئی ابتداء نہیں ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:

یہاں مراد ماضی اور مستقبل میں حوادث کا تسلسل ہے، کیونکہ جو بھی حادثہ ہوتا ہے اسکے پہلے کوئی نہ کوئی حادثہ ضرور ہوتا ہے، اور ہر مخلوق سے قبل ایک مخلوق ہوتا ہے یہاں تک کہ آخر میں وہ جا کر ختم ہو جاتا ہے۔

وہ ذات جسکا کوئی اول اور کوئی آخر نہیں ہوتا وہ صرف اللہ کی ذات ہے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی صراحت کی ہے، اور جو ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ فعال لما یرید ہے اسکا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ ایک لمحے کیلئے عمل سے معطل نہیں ہے، اور ایک معنی یہ بھی ہے کہ کوئی بھی فعل اس کے لئے محال نہیں ہے، اور وہ کسی بھی لمحہ کسی بھی عمل سے عاجز نہیں ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے کرسکتا ہے۔

مگر اس کا معنی یہ بھی نہیں ہے کہ افعال رب العالمین کا مقارنہ کرتے ہیں! نہیں، کیونکہ جب اللہ تھا تو اس وقت اسکے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی، جیسا کہ حدیث میں ہے: (كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهُ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، ثُمَّ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ)

ترجمہ: اللہ تھا اور کوئی چیز نہیں تھی اور اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ پھر اس نے آسمان و زمین پیدا کئے اور لوح محفوظ میں ہر چیز لکھ دی۔

ہر مخلوق محدث (نئی) ہے، اسکا کوئی نہ کوئی آغاز ہے سوائے رب العالمین کے جس نے اس کائنات کی تخلیق کی ہے، اور جو کہتا ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ قدامت عالم کے قائل ہیں وہ انہیں کم فہموں سے ہے جو اہل علم کے کلام کو نہیں سمجھتے، اور اسکی جہالت اسے غلط تعبیر پر مجبور کرتی ہے، ورنہ یہ کون نہیں جانتا

کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فلاسفہ کی تکفیر اسی قول کی بنیاد پر کرتے ہیں یعنی وہ کہتے ہیں کہ کائنات قدیم ہے، اور میں نہیں جانتا کہ فلاسفہ کے سوا یہ عقیدہ کسی اور کا ہے۔

دراصل شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات کہی ہے اور جسے سمجھنے سے ایسے لوگ قاصر ہو جاتے ہیں وہ یہ ہےکہ اللہ کی نسبت سے فعل مستمر ہے، اور یہ استمرار یا تو فعل کے ذریعے ہوگا یا فعل کے امکان کے ذریعے، تخلیق کائنات کے بعد فعل کے ذریعے اور اس سے پہلے امکان کے ذریعے، چنانچہ اللہ کی ذات کیلئے فعل کبھی بھی محال نہیں رہا ہے، اور نہ ہی وہ کسی لمحہ اس سے عاجز رہا ہے، اور فعل اور امکان فعل میں فرق ہے، مخلوق کبھی بھی اللہ کی طرح قدیم نہیں ہے، بلکہ جدید ہے جسے اللہ نے پیدا کیا ہے بعد اس کے کہ وہ کچھ نہیں تھا، اسی لئے اسے کائن کہا جاتا ہے، چنانچہ ماسوا اللہ سب کائن ہے۔

جہاں تک واجب الوجود کا تعلق ہے تو وہ صرف اللہ کی ذات ہے، یہی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ ہے اور تمام مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے، فلاسفہ کے سوا کسی نے بھی قدامت عالم کی بات نہیں کہی ہے، یہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۶۰:

آپ نے کہا کہ اسماء وصفات کے مقابلے میں اخبار کا باب زیادہ وسیع ہے، تو کیا یہ جائز ہے کہ امور اخباریہ پر ہم اپنا نام رکھیں جیسے عبد المرید، عبد المشرع، عبد القدیم اور عبد الموجود؟

جواب:

ایسے نام رکھنا درست نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ خود ایسے ناموں کو تبدیل کر دیا کرتے تھے۔

القدیم اللہ کے ناموں میں سے نہیں ہے پھر آپ کیسے اس پر عبد القدیم نام رکھ سکتے ہیں، اسی طرح مشرع بھی اللہ کے ناموں میں سے نہیں ہے، پھر آپ کیسے اس پر عبد المشرع نام رکھ سکتے ہیں، اور عبد الموجود کا معنی ہوگا کہ آپ ہر موجود شیء کے بندے ہیں، اور موجودات بہت ہیں، اور یہ نام بھی اللہ کے ناموں میں سے نہیں ہے، یہ سب غلط ہے۔

❁❁❁

سوال نمبر ۶۱:

اللہ نے جس وقت ہمیں مٹی سے پیدا کیا کیا اسے یہ معلوم تھا کہ یہ مٹی اسکی اطاعت کرے گی اور یہ نافرمانی کرے گی؟ میرا مقصد مطیع کی اطاعت اور عاصی کی نافرمانی کا سبب نیز اس مٹی کے تعلق سے اللہ کی معرفت معلوم کرنا ہے۔

جواب:

سوال بہت ہی عجیب ہے!

پہلا جزء: اللہ کے حق میں لفظ معرفت کا استعمال درست نہیں ہے، بلکہ اللہ کے حق میں علم کا لفظ استعمال کیا جائے گا، اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے، اسی لئے وہ علم سے موصوف ہے، دراصل علم اور معرفت میں فرق ہے، معرفت جہالت کے بعد آتی ہے، جیسے ہماری معرفت، اور اللہ کا علم قدیم ہے اس سے پہلے کوئی جہالت نہیں ہے، اسلئے اللہ کے تعلق سے معرفت کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں ہے، اسلئے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اللہ ہماری معرفت رکھتا ہے بلکہ یہ کہیں گے کہ اللہ ہمارے بارے میں علم رکھتا ہے۔

دوسرا جزء: مٹی ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو اطاعت یا نافرمانی کرتی ہو، مجھے نہیں معلوم سائل یہاں موجود ہے یا نہیں، مگر اس کا سوال بہت عجیب ہے، مٹی کے تعلق سے ایسی باتیں کہنا بے معنی ہے، کیونکہ مٹی جمادات میں سے ہے، اور جمادات کے تعلق سے طاعت و نافرمانی کچھ نہیں کہہ سکتے، اس مٹی سے جو انسان بنا ہے اسکے بارے میں اطاعت اور نافرمانی کی بات کہیں گے۔

چنانچہ اگر آپ کے پاس کوئی شبہہ ہے یا کوئی ایسا کلام پڑھا ہے جو سمجھ سے باہر ہے، تو بجائے اس کے کہ حداد کی طرح غلطی کریں کسی عالم سے رابطہ کریں، اور اس تعلق سے سوال کریں، اپنی فہم پر کوئی حکم قائم نہ کریں۔

نوجوانوں بطور خاص چھوٹے طلبہ کو کہوں گا کہ آپ صرف کتابوں پر اعتماد نہ کریں، کیونکہ کہا گیا ہے

کہ جس کا شیخ کتاب ہے اس کے یہاں غلطیاں زیادہ ہوتی ہیں۔کتابوں سے استفادہ وہی کرتا ہے جو عربی زبان میں ماہر ہواوراس کے پاس علم بہت ہو،یعنی وہ کثرت سے مطالعہ کرے،مگر جہاں تک چھوٹے طالب علموں کی بات ہے تو انکے لئے شیخ کی شاگردی ضروری ہے۔

مجھے لگتا ہے کہ سائل نے کچھ مطالعہ ضرورکیا ہے مگر کلام کو ٹھیک ڈھنگ سے سمجھ نہیں سکا،اسلئے اس پر ضروری ہے کہ وہ جس کتاب کو پڑھا ہے اس کی عبارت اورقاعدہ کسی عالم دین پر پیش کرے تا کہ اس سے سمجھ لے،میری نصیحت ہے کہ حداد جیسا مت بنو،اورعلم وفتوی کے میدان میں زیادہ جسارت نہ کرو۔

۞۞۞

سوال نمبر ٦٢:

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (الشر لیس إلیك) اور دوسری جگہ فرمایا: (إن اللہ خالق کل شیء)، ان دونوں میں تطبیق کیسے دیں گے جبکہ شر بھی تمام اشیاء میں سے ایک شیء ہے؟

جواب:

کتاب وسنت کے نصوص سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالی ہی ہر چیز کا خالق ہے، وہ خیر کا بھی خالق ہے اور شر کا بھی، اور نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت ہے: (لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ) ترجمہ: میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور تیرا فرمانبردار ہوں اور ساری خوبی تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر سے تیری طرف سے نہیں ہے۔

دونوں نصوص میں فرق یہ ہیکہ وہ شر جسکی نفی کی گئی ہے اس سے شر محض مراد ہے، یعنی اللہ نے ایسی کوئی چیز نہیں پیدا کی ہے جو خالص شر ہو، یعنی کوئی شر ہو اس میں خیر کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور ہوتا ہے، اور جو خالص شر ہوگا اسے اللہ پیدا ہی نہیں کرے گا، اور یہ نہ ہی اللہ کی حکمت کا متقاضی ہے۔

جہاں تک ابلیس کا تعلق ہے جس کے بارے میں یہ گمان ہوسکتا ہے کہ وہ شر محض ہو اس میں کوئی خیر کا پہلو نہ ہو تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اسکی تخلیق میں بھی شر اور خیر دونوں پہلو موجود ہیں، البتہ خیر اسکی ذات میں نہیں ہے، اسلئے کہ اللہ نے اسے پیدا کیا ہے اور ہمیں اسکی نافرمانی کرنے کا حکم دیا ہے، اور جب ہم اسکی نافرمانی کرتے ہیں تو اجر کماتے ہیں، اللہ نے اسی طرح کفر اور کافروں کو پیدا کیا اور اپنے مومن بندوں پر ان سے جہاد کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کے ذریعے وہ شہادت کا مقام حاصل کرسکیں۔

اسی طرح اللہ نے معاصی کو پیدا کیا اور ہمیں ان سے اجتناب کا حکم دیا، چنانچہ جس نے معصیت کا ارتکاب کیا، پھر توبہ کرلیا تو اللہ اسکا توبہ قبول کرتا ہے اور اسکے توبہ سے خوش بھی ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " لَلَّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يَتُوبُ إِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ بِأَرْضِ، فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ، فَأَيِسَ مِنْهَا، فَأَتَى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا قَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهِ فَبَيْنَا هُوَ كَذَلِكَ، إِذَا هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهُ فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا "، ثُمَّ قَالَ: "مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اللَّهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ".

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”البتہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ خوشی ہوتی ہے اپنے بندہ کی توبہ سے جب وہ توبہ کرتا ہے تم میں سے اس شخص سے جو اپنے اونٹ پر سوار ہو ایک صاف بے آب و دانہ جنگل میں، پھر وہ اونٹ نکل بھاگے اسی پر اس کا کھانا اور پانی ہو۔ آخر وہ اس سے ناامید ہو کر ایک درخت تلے آ کر لیٹ رہے اس کے سایہ میں اور اونٹ سے بالکل ناامید ہو گیا ہو، وہ اسی حال میں ہو کہ یکا یک اونٹ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو جائے اور وہ اس کی نکیل تھام لے، پھر خوشی کے مارے بھول کر غلطی سے کہنے لگے: یا اللہ! تو میرا بندہ ہے میں تیرا رب ہوں خوشی کے سبب سے ایسی غلطی کرے۔“ (یعنی یوں کہنا تھا یا اللہ! تو میرا رب ہے میں تیرا بندا ہوں پر خوشی سے زبان میں الٹا نکل جائے)۔

پتہ چلا کہ کفر، معاصی، ابلیس اور تمام نفوس خبیثہ کی تخلیق میں بھی حکمت ہے، جس طرح کہ نفوس طیبہ کی تخلیق میں حکمت ہے۔

یہ جواب اختصار کے ساتھ ہے، ورنہ جو اس مسئلے میں تفصیلی معلومات جاننا چاہتا ہو وہ علامہ ابن القیم کی کتاب [طریق الھجرتین وباب السعادتین] کی طرف رجوع کرے، اس کتاب کے اندر اس مسئلے پر جس انداز میں بحث کی گئی ہے وہ شاید کسی دوسری کتاب میں نہ ملے۔ انتہی

(وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ) ترجمہ: اور شر سے تیری طرف سے نہیں ہے۔ اسکے کئی مفہوم بتائے گئے

ہیں:

۱-شر تیری طرف سے نزدیکی حاصل نہیں ہو سکتی۔

۲-شر اکیلا تیری طرف منسوب نہیں ہوتا مثلاً (خالق القردة و الخنازير) نہیں کہا جاتا، یا (یا رب الشر) نہیں کہا جاتا۔

۳-شر تیری طرف نہیں چڑھتا جیسے کلمہ طیب اور عمل صالح چڑھتے ہیں۔

۴-کوئی مخلوق تیرے واسطے شر نہیں اگرچہ ہمارے لیے شر ہو کیوں کہ ہم بشر ہیں اس لیے کہ ہر چیز کو تو نے حکمت کے ساتھ بنایا ہے۔(مترجم)۔

۞۞۞

سوال نمبر ۶۳:

مصر یا دوسرے ممالک کے جو لوگ سلفی عقیدے کے علاوہ دوسرا عقیدہ رکھتے ہیں اسکی کیا وجہ ہے؟ کیا سلف کی کتابیں ان تک نہیں پہونچیں؟ کیا ان کو سلف کا منہج معلوم نہیں ہوسکا یا جان بوجھ کر اعراض کیا؟

جواب:

یہ لوگ دو میں سے کوئی ایک ہوسکتے ہیں، یا تو انہوں نے جس منہج اور عقیدے کو پڑھا اسی کو اسلام سمجھ لیا، چنانچہ ان کے نزدیک اسلامی عقیدے کا مطلب اشعری عقیدہ ہے جسے انہوں نے پڑھا اور حاصل کیا، انہوں نے منہج سلف کو کچھ نہیں پڑھا، اس میں استاذ، پروفیسر یا دکتور ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، البتہ کچھ ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ کچھ لوگوں نے جب تخصص کیا، عقیدہ سلف سے واقف ہوئے انہوں نے تحقیق کی اور دکاترہ ہوگئے، تو اللہ نے انہیں توفیق دی اور انہوں نے منہج سلف کو سمجھ لیا اور اسی منہج پر واپس آگئے، بلکہ منہج سلف کے داعی بن گئے۔

مگر زمینی حقیقت یہی ہے کہ وہ استاذ ہو کہ طالب علم، پروفیسر ہو کہ دکتور منہج سلف سے ہر کوئی واقف نہیں ہے، کیونکہ اس منہج کو دوسرے ممالک کے اندر مدارس و جامعات میں پڑھایا ہی نہیں جاتا اور ان کے علاقوں میں اس منہج کا وجود ہی نہیں ہے، البتہ جو لوگ اس ملک میں علم حاصل کرنے آتے ہیں تو انہیں اس منہج کا پتہ چلتا ہے، یا بہت بعد میں اب دوسروں ملکوں میں بھی منہج سلف پر کتابیں شائع ہونے لگی ہیں، بلکہ ایک اندازے کے مطابق پچھلی صدی ہجری میں ساٹھ کی دہائی کے اندر، اس سے پہلے دوسرے ملکوں میں یہ کتابیں ناپید تھیں، ستر کی دہائی میں ہم حاجیوں کے واسطے سے دوسرے ملکوں میں فتح المجید اور کتاب التوحید بھیجا کرتے تھے، ہاں ہم یہ ملاحظہ کرتے تھے کہ جو علماء ہوتے تھے وہ ان کتابوں کو اپنے ساتھ نہیں لے جاتے تھے، اگر انہیں زبردستی دے بھی دیا جاتا تھا تو پتہ چلتا تھا کہ راستے ہی میں

انہیں وہ پھینک دیتے تھے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کتابوں سے نوجوانوں کا عقیدہ بگڑ جائے گا، البتہ جو عام لوگ ہوتے تھے ان کے ذریعے یہ کتابیں پہونچ جایا کرتی تھیں۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ دوسرے عرب اور اسلامی ممالک میں بڑے بڑے علماء عقیدے کے باب میں بالخصوص منہج سلف کے باب میں اور بالخصوص اسماء وصفات کے باب میں جاہل ہوتے ہیں، حتی کہ کبھی کبھی عبادت کے باب میں بھی جاہل لگتے ہیں۔

اسلئے ہمیں اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ اکثریت کے باوجود لوگ اس سلفی دعوت کی طرف اپنی نسبت کیوں نہیں کرتے ہیں حالانکہ یہی صحابہ کا عقیدہ تھا۔

کچھ لوگ سلفی علماء سے جڑے بھی مگر حالات وظروف کی وجہ سے وہ اپنا عقیدہ نہ بدل سکے کیونکہ وہ ایسے مدارس اور جامعات سے جڑے ہوتے ہیں جو سلفی نہیں ہوتے، اوران کے وظائف اور مناصب انہیں مدارس اور جامعات سے جڑے ہوتے ہیں، ایسی صورت میں سلفی عقیدے سے جڑنا اس مدرسے یا اس جامعہ سے بے دخل ہونا ہے، اور یہ انکے لئے دشوار ہے۔

اور کچھ تو ایسے بھی ہیں جو اس ملک میں کام یا پڑھائی کیلئے آتے ہیں، سلفی عقیدہ سیکھتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ یہ عار کی بات ہے کہ جس ملک سے جس عقیدہ کے ساتھ آئے اب واپس وہاں دوسرے عقیدہ کے ساتھ جائے، ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے، بلکہ میں نے ایسے لوگوں کے ساتھ کام بھی کیا ہے، وہ میری زیرنگرانی میں رہے ہیں، میری نظر میں ایسے لوگوں کو ابوطالب کی مثال دے سکتے ہیں جنہوں نے دین محمد ﷺ کی حقیقت کو جان کر بھی اسے قبول نہیں کیا، انہوں نے خود اس کا اعتراف کیا چنانچہ کہا:

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِأَنَّ دِينَ مُحَمَّدٍ ... مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِينَا

لَوْلَا الْمَلَامَةُ أَوْ حِذَارُ مَسَبَّةٍ ... لَوَجَدْتَنِي سَمْحًا بِذَاكَ مُبِينَا

ترجمہ: مجھے معلوم ہے کہ محمد کا دین تمام ادیان میں سب سے بہتر ہے۔ اگر ملامت یا عار کی بات نہ

ہوتی تو مجھے اسکے لئے سب سے زیادہ نرم اور کھلے دل والا پاتے۔

ابوطالب نے حقیقت کو جانا اور سمجھا مگر عار اور ملامت کے خوف سے ابوطالب ایمان نہ لاسکے کہ لوگ کہیں یہ نہ کہیں کہ ابوطالب اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر ایک یتیم بچے کے دین پر مرگیا۔

اسلئے علم ومعرفت الگ ہے اور ایمان الگ چیز ہے، ایک آدمی جان بوجھ کر ایمان نہیں لاتا، ان کے سامنے حق واضح تھا مگر یہ لوگ خارجی اسباب کی بنیاد پر اتباع حق سے خائف تھے، یعنی انکے حالات وظروف قریب قریب ابوطالب جیسے تھے، اور ایسا پڑوسی ممالک میں بہت پایا جاتا ہے۔

نوجوان ساتھیو! علماء کس طرح عقیدہ کے باب میں جاہل گزرے ہیں اس کا ایک واقعہ سناتا ہوں، ایک افریقی طالب علم آج سے بیس سال پہلے سعودی آرہا تھا، راستے میں ایک دوسرے ملک سے گزرنا تھا جو کہ سعودی کے بغل میں واقع ہے، رمضان کا مہینہ تھا، وہاں کے علماء نے اس طالب علم سے پوچھا:

کہاں جارہے ہو؟

کہا: سعودی جارہا ہوں جو اہل حرمین ہیں!

کہا: کس لئے؟

کہا: طلب علم کیلئے۔

کہا: کیا تمہیں نہیں معلوم کہ سعودی عرب میں اگر تمہیں (أشهد أن محمداً رسول الله) کہتے ہوئے سن لیں گے تو تمہاری گردن ماردیں گے؟

طالب علم گھبراگیا اور کہا: یہ صحیح نہیں ہے!

کہا: صحیح ہے۔

مگر اللہ نے اس بچے کو صحیح اور مسکت جواب کی توفیق دیدی چنانچہ اس نے کہا: کیا وہاں پر نماز کیلئے اذان ہوتی ہے؟

کہا: ہاں اذان تو ہوتی ہے۔

کہا: کیا وہاں موذن اذان کے اندر (أشهد أن محمداً رسول الله) نہیں کہتا؟

کہا: وہ لوگ محمد سے اپنے محمد کو مراد لیتے ہیں!

کہا: ان کا محمد کون ہے؟

کہا: محمد بن عبدالوہاب!

کہا: کیا محمد بن عبدالوہاب خود کو اللہ کا رسول کہتے ہیں؟

کہا: بالکل کہتے ہیں۔

کہا: یہ صحیح نہیں ہے۔

کہا: کیوں؟

کہا: اگر وہ خود کو رسول اللہ کہیں گے تو مرتد ہو جائیں گے، اور جو لوگ ان کی پیروی کریں گے وہ بھی مرتد ہو جائیں گے، اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالی مرتدین کو حرمین کا مالک بنادے جہاں وہ حکومت کریں، پھر یہ کہ دنیا کے تمام مسلمان اس پر خاموش بھی نہیں رہ سکتے، ایسے مرتدین سے لڑائی کرکے حرمین سے نکال دیں گے، تیسرے یہ کہ ہم نے اپنے ملک میں صرف یہی سنا تھا کہ وہ وہابی تھے، انہوں نے نبوت کا دعوی کیا تھا ایسا ہم نے اب تک نہیں سنا ہے۔

کہا: اگر تم نہیں مانتے تو جاؤ، خود نتیجہ سامنے دیکھو گے۔

کہا: ٹھیک ہے، میں جاتا ہوں۔

چنانچہ وہ حرمین آیا، وہ وقت موسم حج کا تھا، کہتا ہے: میں وہاں اذان سنا کرتا تھا کہ موذن کیا (أشهد أن محمداً رسول الله) کہتا ہے کہ نہیں، پھر حج مکمل کرنے کے بعد وہ دارالحدیث آیا، جو کہ صفا پہاڑی کے پاس دارارقم میں تھا، وہاں اس نے دیکھا کہ لوگ صحیحین، یعنی بخاری اور مسلم پڑھ

رہے ہیں، وہاں اس نے تفسیر جلالین دیکھا جوکہ خود اس نے اپنے ملک میں پڑھ رکھا تھا، اسی طرح عربی زبان میں کچھ دوسرے سبجیکٹ دیکھے جنہیں اس نے اپنے ملک میں پڑھ رکھا تھا، پھر اس نے درس سنا، وہاں اسے کچھ نہیں ملا، چنانچہ اس نے وہاں موجود طلبہ (افریقی، انڈین اور پاکستانی طلبہ) سے پوچھا: کیا یہ صحیح ہے کہ یہاں لوگ جب (أشهد أن محمداً رسول الله) کہتے ہیں تو اس سے محمد بن عبدالوہاب مراد ہوتے ہیں؟ طلبہ نے کہا: نہیں، ایسی بات نہیں ہے، اس سے محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہوتے ہیں، پھر اس نے طلبہ سے اپنا واقعہ سنایا تو سب ہنسنے لگے اور کہا: یہ تو غیر معقول لگ رہا ہے، ایسا کوئی نہیں کہہ سکتا۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ جو لوگ طالب علم کو سعودی کے خلاف بھڑکا رہے تھے وہ عرب علماء تھے، سعودی عرب کے پڑوس میں رہتے تھے، وہ یہاں کے عقیدے سے اچھی طرح واقف تھے، مگر ہٹ دھرمی، شبہات وشہوات نے انہیں پروپیگنڈہ اور الزامات پھیلانے پر مجبور کیا۔

یہ سلفی دعوت جب حجاز میں آئی ہے تو سب سے زیادہ وہاں کے علماء نے اس کا مقابلہ کیا ہے، جیسے احمد زینی دحلان اور زید نبہانی وغیرہ، نبہانی کی کتابیں خصوصی طور پر افریقہ میں پھیلی ہیں، ان کتابوں میں لکھا ہے کہ وہابی ہونے کیلئے شرط یہ ہیکہ آدمی اپنا سر منڈالے، یہ اعلان کرے کہ اسکی لاٹھی محمد ﷺ سے افضل ہے، اسکے آباء واجداد سب کفار ہیں وہی اکیلا مسلم ہے، یہ تین شروط نبہانی کے تمام کتابوں میں مل جائیں گی۔

اس طرح سلفی دعوت کا مقابلہ ابتداء ہی سے بہت سخت تھا مگر شروع ہی میں سلفی داعیوں نے ان پر رد نہیں لکھا، وہ صرف اپنی دعوت پھیلاتے تھے، کسی کے خلاف کتابیں نہیں لکھتے تھے۔

مگر جب انہیں مضبوطی حاصل ہوئی تو خود شیخ محمد بن عبدالوہاب نے کتابیں اور رسائل لکھنا شروع کیا، اور انہیں ڈاک کے ذریعے دوسرے علاقوں میں بھیجنا شروع کیا، اور کچھ کتابوں کو لوگوں کے ساتھ بھیجتے تھے جس طرح نبی اکرم ﷺ کیا کرتے تھے۔

اس سلفی عقیدے کی خوب مخالفت کی گئی اور اسکے خلاف خوب پروپیگنڈے کر کے لوگوں کو گمراہ کیا گیا، جس سے لوگ اس دعوت سے نفرت کرنے لگے، اور یہ وہابیت کا لقب باہر کے لوگوں نے پھیلایا ہے، یہاں تک لوگ اس سے اس قدر نفرت کرنے لگے کہ اتنا یہودیت اور نصرانیت سے نہیں کرتے تھے، حتی کہ ایک فاسق وفاجر بھی وہابیت سے نفرت کرنے لگا، بلکہ وہ اسکا معنی بھی نہیں جانتے وہ بھی اس لفظ سے نفرت کرنے لگے۔

ایسے حالات وظروف میں اگر علماء سلفی عقیدے سے ناواقف ہوں تو اس میں کسی تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ اس وقت بڑے بڑے علماء اس دعوت کے خلاف تھے کیونکہ انکی دکان پھیکی پڑنے لگی تھی۔

۞۞۞

سوال نمبر ۶۴:

موجودسماج میں رہنے والا مشرک کیا جہالت کی بنیاد پر معذور سمجھا جائے گا؟

جواب:

یہ سوال بہت کیا جاتا ہے، ایسا کہنا کہ مشرک جہالت کی بنا پر معذور ہوگا یا نہیں بہت مشکل ہے، کیونکہ اس کے لئے حالات وظروف، زمان ومکان اور اس ماحول کا جائزہ لینا پڑے گا جہاں وہ مشرک رہتا ہے۔

چنانچہ اس وقت جو قاہرہ، جزائر، ہندستان یا پاکستان میں رہتے ہیں وہ اگر شرک کرتے ہیں تو وہ ویسے نہیں ہیں جیسے یہاں کے لوگ شرک کریں، اسلئے زمان ومکان میں فرق کیا جائے گا، اسی لئے جو دعوت کے پھیلنے سے پہلے شرک کرتے تھے ان کا حکم دوسرا ہوگا بمقابل اس کے جو دعوت پھیلنے اور اس تک دعوت پہونچنے کے بعد شرک کرے، اسی طرح وہ لوگ جن کے پاس شبہات ہوتے ہیں، جو اپنے مشائخ اور پیر طریقت سے متاثر ہوتے ہیں، اور ان کے مراد سے باہر نہیں جاسکتے، اسکا حکم اور ایک عام شخص کا حکم برابر نہیں ہوگا، کیونکہ ایک عام شخص پر جب حق ظاہر ہو جائے گا وہ اسے بغیر کسی سے مشورہ لئے قبول کرلے گا مگر وہ مقلد صوفی بغیر اپنے شیخ سے مشورہ لئے حق قبول نہیں کرے گا۔

اس لئے یہ بات مطلق طور پر نہیں کہی جاسکتی کہ جو مسلمان شرک میں واقع ہوتا ہے اس کے لئے جہالت عذر ہے یا نہیں ہے اس کے اندر تفصیل کی ضرورت ہے، اور اسی طرح دعاۃ کیلئے یہ مناسب ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی طرف مطلق طور پر مشرکین جیسے الفاظ کی نسبت نہ کریں جو خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، مساجد میں جاکر نمازیں ادا کرتے ہیں، رمضان میں خوشی خوشی روزے رکھتے ہیں، موسم حج میں حج اور عمرہ کرتے ہیں۔

ان سب کے باوجود وہ مزاروں پر جاکر قبر والوں سے استغاثہ کرتا ہے، ایسے لوگوں کو ہم خطا کار

مسلمان کہیں گے، یہ خطا کبھی کبھی کفر اور ارتداد تک پہونچ جاتی ہے، اور کبھی نہیں پہونچتی ہے، اسلئے لوگوں کے حالات وظروف کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

ہم مطلق طور پر ایسا نہیں کہیں گے کہ فلاں مشرک ہے، فلاں جماعت مشرک ہے اور فلاں تنظیم مشرک ہے، اسے سب وشتم کہیں گے دعوت نہیں، اس سے لوگ متنفر ہوں گے، یہ دعوت کا اسلوب نہیں ہے، ضروری ہے کہ ہم اسے سنجیدگی سے سمجھیں۔ واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۶۵:

کیا کسی پر مشرک ہونے کا حکم لگانے کیلئے یہ شرط لگائیں گے کہ وہ اسے جانتا ہو اور اپنے اختیار سے کیا ہو، یا نہیں لگائیں گے؟

جواب:

حق اور ہدایت واضح ہونے کی شرط لگائیں گے، یہ دیکھیں گے کہ وہ حق واضح ہونے کے بعد اسے قبول کرتا ہے یا اسکی مخالفت کرتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {وَمَنۡ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنۡ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدَىٰ وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ الۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصۡلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتۡ مَصِيرًا} ترجمہ: اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔

اسلئے مجرد اسلام کے پھیلنے سے کسی کیلئے حجت نہیں مانیں گے، بلکہ ہدایت اور حق واضح ہونے کی شرط لگائی جائے گی، یہ دیکھا جائے گا کہ وہ ہٹ دھرمی دکھاتا ہے حق کی مخالفت کرتا ہے یا نہیں، اگر وہ ہٹ دھرمی دکھاتا ہے اور تعصب کی وجہ سے حق قبول نہیں کرتا تو پھر اس پر یہ حکم لگا سکتے ہیں، بصورت دیگر نہیں لگا سکتے۔

۞۞۞

سوال نمبر ٦٦:

کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک شخص طلب حق کی کوشش کرے یہاں تک کہ اس کے لئے حق واضح ہوجائے؟ بایں طور کہ اگر وہ حق تلاش نہ کرے تو اسے معذور نہ سمجھا جائے؟

جواب:

یہ سوال ہوچکا، مگر یہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کس کو معذور سمجھا جائے اور کس کو نہ سمجھا جائے اس کے کئی حالات ہوتے ہیں:

* ایک عام آدمی ہے، اس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ حق تلاش کرے، کیونکہ وہ یہی سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے، یہ ایک حالت ہوگئی۔

* ایک طالب علم ہے اس پر حق مشکوک ہوگیا ہے، مگر وہ طلب حق میں کوتاہی کر رہا ہے بایں طور کہ اگر وہ حق طلب کرتا تو واضح ہوجاتا، مگر سستی اور کوتاہی کی وجہ سے جو اس کے پاس ہے اسی پر اکتفاء کر رہا ہے، اسے معذور نہیں کہہ سکتے۔

* ایک وہ شخص ہے جو معرفت حق کیلئے پوری کوشش کرتا ہے مگر حق اسکے لئے واضح نہیں ہوتا، تو ایسا شخص معذور ہوگا، ایسے لوگوں کے بارے میں شیخ الاسلام نے بہت زیادہ کلام کیا ہے، خاص طور سے اسماء وصفات کے باب میں، اسلئے کہ یہ باب بہت دقیق ہے، ایک شخص کوشش کرتا ہے کہ وہ اسی منہج پر رہے جس پر صحابہ تھے مگر اس کے لئے حق واضح نہیں ہوتا، یا تو کتابیں نہ ہونے کی وجہ سے یا پھر معلم نہ ہونے کی وجہ سے یا پھر کسی دوسرے سبب کی وجہ سے، مگر یہ کہ وہ اپنی فہم کے حساب سے وہ کتاب وسنت کا شیدائی ہے، البتہ عقیدہ کے باب میں بعض پہلوؤں کے اندر اس کے فہم میں نقص پایا جاتا ہے، اور وہ اپنے اس نقص کا علاج نہیں کر پا رہا ہے، تو ایسے لوگ معذور ہوں گے۔

ایسے لوگوں کی میں نے بہت سی مثالیں دی ہیں، بطور خاص بعض ائمہ حدیث جیسے حافظ ابن حجر

عسقلانی، امام نووی، امام شوکانی، امام ذہبی وغیرہ، یہ حضرات معذور ہیں؛ کیونکہ ان لوگوں نے طلب حق میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے، انہوں نے اپنی پوری کوشش صرف کر دی ہے، چنانچہ جو انہوں نے دین اسلام کو سمجھا اسی پر عمل کیا، اور کتاب وسنت کا دفاع کیا، مگر پھر بھی انہوں نے صفات کے باب میں تاویلیں کی ہیں، اب ان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

چنانچہ کہتے ہیں کہ اللہ کے حق میں یہ کہنا یہ اسکے پاس انگلیاں ہیں یہ محال ہے، دراصل انہوں نے ان صفات کو اللہ کے حق میں اسی طرح سمجھ لیا جیسے بنی آدم کے حق میں سمجھا جاتا ہے، یعنی جیسے مخلوق کے حق میں سمجھنا چاہئے، جیسا کہ امام جوینی نے کہا ہے۔

دراصل ان مسائل کی تحقیق اوران کا دراسہ ہونا چاہئے، ایسے مواقف کی وضاحت ہونی چاہئے، جن پر ابھی تک بالکل کام نہیں ہوا ہے، کتابیں مطبوع ہیں، محقق ہیں اورلوگوں کے ہاتھوں میں ہیں، مجموع الفتاوی موجود ہے جسے ابن قاسم نے اکٹھا کیا ہے، شیخ الاسلام کے ایسے مواقف ہیں جن کے بارے میں آپ توقع بھی نہیں کرسکتے، بلکہ وہ آپ کے مخالفین بھی توقع نہیں کرسکتے، کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ بہت متشدد اورسخت ہیں، لوگوں میں نفرت پھیلاتے ہیں۔

مگر جو ان کی کتابیں پڑھے گا تو علمائے سلف میں انہیں نرم مزاج والا داعی پائے گا، انہیں پائے گا کہ وہ لوگوں کیلئے سب سے زیادہ عذر تلاش کرنے والے ہیں، اورشاید اس حقیقت کو جاننے کے لئے آپ کی ایک چھوٹی سی کتاب کافی ہے، اوروہ ہے: [رفع الملام عن الأئمة الأعلام]۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کو اصول اورفروع ہر جگہ تطبیق دیتے ہیں، ایسا نہیں کہ جاہل صرف فروعات میں معذور ہوگا اصول میں نہیں، جیسا کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے، مگر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں میں سے ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جاہل اپنی جہالت کی وجہ سے معذور ہوگا مگر انہیں شروط کے ساتھ جو گزرچکی ہیں، خواہ وہ اصول میں ہو یا فروع میں، واللہ اعلم۔

سائل اس کتاب کے بارے میں سوال کر رہا ہے؟

حقیقت میں یہ کتاب بہت عظیم ہے، مگر یہ کتاب جمع کی گئی ہے محقق نہیں ہے، اوراس کتاب [مجموع الفتاوی] کے اندر بعض عبارات ایسی بھی پائی جاتی ہیں جن کا تعلق عقیدے سے ہے مگر وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت نہیں ہے، اسے ڈالا گیا ہے، مثال کے طور پر حیات خضر کے مسئلے میں، آپ اس مسئلے کو مجموع کے اندر پاؤ گے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اسے ثابت کر رہے ہیں، جبکہ دوسری جگہ انکی وفات کے قائل ہیں، اور بعض کتابوں میں یہ عبارتیں موجود بھی نہیں ہیں بطور خاص وہ قدیم نسخے جنہیں آپ کے تلامذہ نے لکھا ہے، جیسے ابن عبدالہادی، اس کے اندر ہم ایسی چیزیں پائیں گے جو نہ تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدے سے میل کھاتی ہیں اور نہ ہی عقیدہ سلف کے عقیدے سے۔

خلاصہ کلام یہ ہیکہ یہ کتاب [مجموع الفتاوی] تحقیق کا محتاج ہے، اور مجھے یہ خبر ملی ہے کہ جامعۃ الامام نے اس کتاب پر تحقیق کا کام شروع کر دیا ہے، جس طرح کہ [المنھاج] کی تحقیق کی ہے، اور جس طرح [درء التعارض] کی تحقیق کی ہے، مجھے پتہ چلا ہے کہ تحقیق کیلئے کبار طلبہ پر اس کے اجزاء کو تقسیم کر دیا گیا ہے، اگر اس کتاب کی تحقیق ہوگئی تو یہ طلبہ کیلئے بڑی سعادت کی بات ہوگی؛ اس لئے کہ اس کتاب کے اندر تمام طرح کے علوم موجود ہیں، جیسا کہ کہا جاتا ہے (یہ ہر فن مولا ہے)، مگر تحقیق سے پہلے اس کتاب کو پڑھتے وقت احتیاط کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال:

اس قول کا یہ مطلب ہے کہ اہل کلام میں اشاعرہ منہج سلف کے زیادہ قریب ہیں؟

جواب:

دراصل یہاں اہل قبلہ اور غیر اہل قبلہ کے درمیان بحث نہیں ہے، یہ بحث بدعتیوں اور اہل سنت کے درمیان ہے، یعنی وہ فرقے جو منہج سلف کے مخالف ہیں، ہم ان پر یہ حکم نہیں لگاتے کہ وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہیں؛ اسلئے کہ اسکا مطلب ہوگا کہ ہم ان کی تکفیر کر رہے ہیں، جہمیہ کو چھوڑ کر وہ سارے فرقے جو خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ بدعتی فرقے ہیں، منہج سلف کے مخالف ہیں مگر اس کا یہ بھی مفہوم نہیں ہے کہ وہ کافر ہیں، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہیکہ وہ بدعتی ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ ہر بدعتی کافر نہیں ہوتا، ہاں بدعت کبھی قابل تکفیر ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔

ان فرقوں کی تکفیر کی جرأت سلف میں سے کسی نے نہیں کی ہے سوائے جہمیہ اور غالی روافض کے جنہیں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلا دیا تھا جب انہوں نے آپ کو معبود بنالیا تھا، اور اس عقیدہ کی بنیاد پر کافر ہو گئے تھے۔

اور جہمیہ جنہوں نے اللہ تعالی کے حق میں سب کچھ انکار کر دیا سوائے وجود ذہنی کے، انہوں نے اللہ کیلئے وجود خارجی بالکل ثابت نہیں کیا، اس طرح یہ بھی کافر ہو گئے، البتہ یہ تکفیر عام ہے نہ کہ تکفیر معین، چنانچہ کہا جائے گا: جو یہ کہے کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہے، اور جو کتاب وسنت میں ثابت شدہ کسی صفت کا انکار کرے وہ کافر ہے، البتہ یہ نہیں کہا جائے گا کہ فلاں گروہ کافر ہے، فلاں شخص کافر ہے، ایسا سوائے جہمیہ اور غالی روافض کے کسی کے بارے میں نہیں کہا جائے گا۔

اور اشاعرہ کے بارے میں کہا گیا کہ یہ اہل سنت والجماعہ کے سب سے زیادہ قریب ہیں مگر اہل سنت والجماعہ میں سے نہیں ہیں، اس لئے کہ انہوں نے اسماء وصفات کے باب میں انکی مخالفت کی ہے،

بہت سارے نصوص صفات میں انہوں نے تاویل کی ہے، جس سے نفی صفات لازم آتا ہے، مثال کے طور پر صفت علو اور صفت کلام کی نفی، اس طرح انہوں نے اہل سنت والجماعہ کی مخالفت کی، سنت رسول ﷺ کی مخالفت کی کیونکہ انہوں نے عقلی دلیلوں کو سنت رسول ﷺ پر مقدم کر دیا، حتی کہ کتاب اللہ پر بھی مقدم کر دیا، اس طرح انہوں نے کتاب وسنت کی مخالفت کی، کتاب وسنت میں ایسا کچھ نہیں ہے جس سے باطل کا وہم ہو، جب کہ اشاعرہ کے یہاں ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جن سے باطل کا وہم ہو، اس لئے ان کی تاویل واجب ہے، اس تعلق سے انہیں میں سے ایک شخص کہتا ہے:

وکل نفس أوهمت تشبيهاً　　　أوله أو فوض ورم تنزيهاً

ترجمہ: ہر وہ نفس جس سے تشبیہ کا وہم ہو اسکی تاویل کرو یا اسے تفویض کر دو اور ایسے ہی اللہ کی تنزیہ اور پاکی بیان کر سکتے ہو۔

سلف کے یہاں یہ معنی باطل ہے، چنانچہ یہ عقیدہ رکھنا کہ کتاب وسنت کے اندر وہم میں ڈالنے والے معنی پائے جاتے ہیں باطل ہے، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اللہ کیلئے ایسے صفات وارد ہوں جو اسکی ذات کے لائق نہ ہوں، یہ محال ہے، بلکہ کتاب وسنت پر الزام ہے، اور کتاب وسنت کے یہ مخالف ہے، کتاب وسنت میں اللہ کیلئے وہی صفات بیان کئے گئے ہیں جو اسکے لائق ہیں۔

چنانچہ انہوں ایسا عقیدہ رکھ کر اہل سنت والجماعہ کی مخالفت کی ہے اور وہ اہل سنت میں سے نہیں ہیں، اور اگر ہم ان نقاط کا جائزہ لیں جن میں اشاعرہ نے اہل سنت والجماعہ کی مخالفت کی وہ تو ہم درج ذیل نقاط پائیں گے:

پہلا نقطہ:

اسماء وصفات کا باب: جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اس باب میں چند صفات کو ثابت مانتے ہیں وہ بھی عقلی دلیلوں کی بنیاد پر نہ کہ شرعی دلیلوں کی بنیاد پر، یعنی جن صفات کو انہوں نے ثابت کیا

ہے انہیں کتاب وسنت کی بنیاد پرنہیں بلکہ عقلی دلیلوں کی بنیاد پر، البتہ ان کا دعوی ہے کہ انہوں نے تین صفات کونقلی یعنی شرعی دلیلوں سے ثابت کیا ہے، اور وہ سمع وبصر اور کلام ہے، وہ ان آیتوں سے استدلال کرتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: {لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ} ترجمہ: اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا} ترجمہ: اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا، خود کلام کرنا۔

ان آیتوں سے دراصل انہوں نے شکلی طور پر یعنی ثانوی طور پر استدلال کیا ہے ان کا اصل اعتماد عقلی دلیلوں پر ہے، اس طرح یہاں بھی انہوں نے اہل سنت والجماعہ کی مخالفت کی ہے۔

دوسرا نقطہ:

افعال العباد کا باب؛ یہاں بھی انہوں نے اہل سنت والجماعہ کی مخالفت کی ہے؛ اسلئے کہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بندے کی قدرت کام نہیں کرتی ہے، اس میں اللہ کی قدرت کا اثر ہوتا ہے، یعنی بندے کی قدرت میں کوئی اثر نہیں ہے۔

تیسرا نقطہ:

آخرت میں رؤیت باری تعالی کے باب میں؛ کیونکہ انکا عقیدہ ہے کہ مومنین اپنے رب کو سامنے سے نہیں دیکھیں گے یعنی اللہ جب حجاب اٹھائے گا تو وہ اسے چاروں طرف سے دیکھیں گے، کسی ایک جہت سے نہیں، دراصل یہ لوگ صفت علو سے بھاگ رہے ہیں، اور یہی اہل سنت والجماعہ کی مخالفت ہے۔

ویسے تو مخالفت کیلئے صرف ایک ہی صفت کافی ہے، اور یہ اہل سنت کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ انہوں نے بعض صفات کو ثابت کیا ہے البتہ دوسرے صفات کی انہوں نے تاویل کی ہے ان کا صاف انکار نہیں کیا ہے، واللہ اعلم۔

باطنی فرقہ اسماعیلیہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہیں، گرچہ اکثر لوگ انہیں ایسا سمجھتے ہیں، انہوں نے پوری شریعت کی تاویل کرڈالی ہے صرف صفات ہی کے باب میں نہیں، انہوں نے حج، نماز، روزہ سب کی تاویل کردی ہے، ان کے یہاں پوری شریعت اپنے ظاہری معنی میں نہیں ہے، بلکہ سب موول ہے، گویا انہوں نے وہ دین جسے محمد ﷺ لیکر آئے تھے اس دین سے ہٹ کر ایک نیا دین قائم کرلیا، چنانچہ یہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہیں، انہیں بھی غالی شیعوں میں مانا جاتا ہے، مگر یہ امامی جعفری فرقہ سے بھی زیادہ متشدد ہیں۔ واللہ اعلم۔

۞۞۞

سوال نمبر ٦٧:

کیا صوفیوں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو حق پر ہیں اور دوسرے وہ جو باطل پر ہیں؟

جواب:

صوفیت کا آغاز اور اسکا ماخذ:

ابتداء میں دراصل یہ وہ عابد وزاہد تھے جو دنیا کی زیب وزینت سے کٹ کر الگ ہو گئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے، اور یہ دوسری یا تیسری صدی ہجری کے اواخر میں بصرہ کے اندر پیش آیا، پھر یہی حال باقی رہا یہاں تک کہ شیطان نے انہیں ان کے اعمال کو مزین کر دیا اور یہ لوگ صوف یعنی اونی کپڑا پہننے لگے، اس طرح یہی کپڑا انکے لئے امتیاز اور پہچان وشعار بن گیا، چنانچہ جسے دیکھا جاتا کہ وہ کاٹن اور روئی وغیرہ سے بنے کپڑے نہ پہن کر اونی (صوف) کپڑے پہن رہا ہے تو اسے صوفی کہا جانے لگا۔

یہی تصوف کا صحیح ماخذ ہے، نہ کہ جیسا آج کل کے صوفی گمان کرتے ہیں کہ صوفیت صفاء، یا صفوہ، یا صف اول، یا صفہ سے ماخوذ ہے، یہ سب جھوٹ ہے، کیونکہ لغوی اعتبار ہی سے دیکھا جائے تو یہ نسبت صحیح نہیں ہے، کیونکہ صفہ کی طرف نسبت صُفی آئے گا، اور صف کی طرف نسبت صَفی آئے گا، اور صفاء کی طرف نسبت صفائی آئے گا، اور صوف کی طرف نسبت صوفی آئے گا، اور یہی صحیح ہے کہ ان کی نسبت صوف یعنی اون کی طرف ہے، جسے وہ گدڑی کی طرح بدن پر ڈال لیا کرتے تھے، اور اسی میں یہ مشہور تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب تک ان کے اندر الحاد اور زندقہ داخل نہیں ہوا یہ عبادت اور زہد وتقوی میں جانے جاتے تھے، اور اسلام کے اندر یہ وصف مرغوب ہے مذموم نہیں ہے، مگر جب انہوں نے ترک دنیا میں غلو سے کام لیا، ساتھ ہی ان کے اندر الحاد اور زندقہ بھی در آیا، تو اب صوفی کا اطلاق ان لوگوں پر ہونے لگا جو سنت سے منحرف دیوانہ ہوتے ہیں۔

سائل کو ہم ایک بہت ہی اہم کتاب کی طرف لاتے ہیں، جس کا نام [ھذہ ھی الصوفیۃ] ہے، جس کے

مصنف شیخ عبدالرحمن الوکیل المصری ہیں، یہ ایک زمانے تک صوفیوں کے چنگل میں تھے، جب ان کی حقیقت ان پر اچھی طرح آشکارا ہوگئی تو ان سے دور ہوگئے اور انکی حقیقت پر اس کتاب کو لکھا، آپ اس کتاب کے اندر اکثر علامہ بقاعی کتاب [مصرع التصوف] کا حوالہ دیتے ہیں، اور علامہ بقاعی ساتویں صدی ہجری کے ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ پایا ہے، آپ ایک جلیل القدر معروف عالم دین ہیں، آپ نے اپنی کتاب [مصرع التصوف] کے اندر تصوف کی حقیقت واضح کیا ہے، ان دونوں کتابوں کے بعد جب آپ ابن عربی کی دونوں کتابوں: [فصوص الحکم] اور [الفتوحات المکیہ] پڑھیں گے تو وہاں تمام خرافات کے ساتھ کفر صریح تک پائیں گے۔

یہ ابن عربی صوفی ہے جبکہ ابن العربی ایک مالکی سنی معروف محدث عالم دین ہیں، ابن عربی نکرہ غیر معروف ہے، جس کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس نے ایسے ایسے کفریہ کلام لائے ہیں کہ ویسا کفار قریش نے بھی نہیں کہا ہوگا۔ کیونکہ یہ کہتا ہے کہ اس جبے کے اندر اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے، یعنی وہ خود کو اللہ مراد لیتا ہے؛ اسلئے کہ اللہ کی ذات اس کے ساتھ متحد ہوگئی، اور یہ اپنے دین وملت کا تعارف کراتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کائنات کے اندر کوئی دوئی نہیں ہے، اسی لئے یہ وحدت الوجود کے قائل ہیں، یعنی سارا وجود ایک ہے، اور اسی وجہ سے یہ کہتا ہے کہ بندہ ہی رب ہے اور رب ہی بندہ ہے، کاش مجھے پتہ چلتا کہ مکلف کون ہے؟ یعنی کون کسے مکلف بناتا ہے جب بندہ رب ہے اور رب بندہ ہے؟ یہی ابن عربی کا دین ہے یعنی وحدت الوجود کا دین۔

۞۞۞

سوال نمبر ۶۸:

سائل کہتا ہے کہ اس نے زاہد کوثری کو پڑھا ہے جو امام شافعی پر بہت برستے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ عربی زبان اچھی طرح نہیں جانتے تھے؟

جواب:

یہ ایسا کلام ہے جو غمزدہ شخص کو بھی ہنسا دے، کیا یہ ایک بھونڈا مذاق اور ہنسی کی بات نہیں ہے کہ ایک عجمی ترکی ایک قرشی، مطلبی امام کے بارے میں کہے کہ وہ عربی اچھی طرح نہیں جانتے تھے؟ کیا آپ کو پتہ ہے کہ اس زاہد نے ایسا زاہدانہ کلام کیوں کہا ہے، دراصل امام شافعی نے یہ حکم لگاتے ہوئے کہا ہے کہ اہل کلام کے تعلق سے میرا فیصلہ ہے کہ انہیں پالتو گدھوں پر بٹھا کر قبیلوں اور شہروں میں گھمایا جائے اور انہیں جوتوں سے مارا جائے، اور کہا جائے: یہ اس شخص کی سزا ہے جو کتاب اللہ کو چھوڑ کر علم کلام میں مشغول ہوتا ہے۔

اور کوثری بھی اس حکم میں داخل ہے، اسی لئے وہ امام صاحب سے غصہ ہے اور اپنے غصے کا بدلہ لے رہا ہے، اس نے امام شافعی کا رسالہ پڑھا وہ بھی اسے ہضم نہیں ہوا، اسکے پلے نہیں پڑا، حتی کہ ایک عربی جو عربی زبان وادب میں ماہر نہ ہو وہ بھی امام شافعی کا رسالہ پہلی فرصت میں نہیں سمجھ پائے گا، اور یہ تو عجمی ہے اسے کیسے ہضم ہوسکتا ہے، اسی لئے الٹا امام شافعی ہی پر الزام لگا دیا کہ وہ عربی زبان اچھی طرح نہیں جانتے تھے۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ ہم اس وقت شبہات کے دور سے گزر رہے ہیں، یہاں تک مخالفین قدیم شبہات کو بھی لاکر پروس رہے ہیں، نبہانی کتاب [شواھد الحق فی الاستغاثۃ بنبی الخلق] جسے میں نے بچپن میں پڑھا تھا آج اس کتاب کو نئے طرز پر پیش کیا جارہا ہے اور نبہانی کے شبہات کو جدید اسلوب میں پھیلایا جارہا ہے کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغاثہ کا قائل تھا، اور یہ نبہانی ان لوگوں میں شمار ہوتا ہے جنہوں نے سلفی

دعوت کی سب سے زیادہ مخالفت کی ہے، بطور خاص حجاز کے اندر، ایسے لوگ حقیقت میں عقیدہ کے اندر جاہل ہوتے ہیں، آخر جو استغاثہ اور وسیلہ میں فرق نہ جانتا ہو وہ عقیدہ میں جاہل ہی ہوگا، خواہ وہ کوئی بھی ہو، کیونکہ استغاثہ عبادت ہے جبکہ وسیلہ عبادت نہیں ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۶۹:

سائل کہتا ہے کہ آج سے تیس سال پہلے سعودی عرب کے اندر کوئی ایسا عالم نہیں تھا جو اہل کلام کے فرقوں کو پڑھتا ہو چہ جائے کہ ان پر رد کرے؟

جواب:

کیا تیس سال پہلے کے علماء کے ساتھ آپ رہے ہیں یا انکی کتابوں کو آپ پڑھا ہے؟

ابھی آپ قرآن یاد کرتے اور اسکا مفہوم سمجھتے یہی آپ کیلئے کافی تھا، نہ کہ علماء پر کلام کرنے بیٹھ جاؤ، صرف اسلئے کہ وہ آپ کی سیاسی تحریک کی مخالفت کرتے ہیں، اور آپ تو سیاسی بھی نہیں بلکہ ان سے دھوکہ کھائے ہوئے ہیں، اور یہ ذلت ورسوائی کا مقام ہے، ایک طالب علم کیلئے سعادت کی بات دو چیزوں میں ہے: یہ کہ اسے اچھا منہج اور نیک استاذ میسر ہو جائے۔

اگر ایک طالب علم کو اچھا منہج میسر ہو جائے، اور ہمارے یہاں ابتدائی سے لیکر اعلیٰ تعلیم تک اچھا منہج ہی ہے ان شاء اللہ، تمام علماء اس کی گواہی دیتے ہیں، صرف اسی ملک کے علماء نہیں، اور کیا آپ کو پتہ ہے کہ جب جامعہ اسلامیہ کی بنیاد پڑی تھی اس وقت اسکے لئے ایک مشاورتی مجلس کا قیام عمل میں آیا تھا، جس کے لئے تقریبا ہر ملک سے ایک یا دو علماء کو اس میں رکھا گیا تھا، انہیں لوگوں نے جامعہ کا منہج تیار کیا تھا، یہ صرف ہمارے علماء کا منہج نہیں ہے بلکہ پورے عالم اسلام کے علماء کا منہج ہے۔

دوسرے یہ کہ طالب علم کو ایک نیک استاذ میسر ہو جائے، پہلے یہ صحیح تھا، لیکن آج کل تھوڑا مشکل ہے، یعنی دونوں کسی کو ایک ساتھ میسر ہو جائے، مگر سوال یہ ہیکہ دونوں میں برا کیا ہے: آپ کا منہج اچھا ہے مگر استاذ اچھا نہیں ہے؟ یا اسکے برعکس یعنی منہج اچھا نہ ہو اور استاذ اچھا ہو؟ دونوں میں کم نقصان کس صورت میں ہے؟

حقیقت یہ ہیکہ اگر منہج اچھا ہے اور استاذ اچھا نہیں ہے تو اسکا منہج بھی وہ بگاڑ دے گا۔ اس لئے اگر

طالب علم کو اچھا استاذ نہیں مل سکا تو وہ ضائع ہوجائے گا گرچہ اس کا منہج اچھا ہو، اسکے بہت سارے شواہد ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے ملکوں کے جامعات میں یہاں کے بچے پڑھنے جاتے ہیں جن کا منہج اچھا ہوتا ہے مگر ان میں سے کوئی جبری منہج لیکر واپس آتا ہے کوئی مرجئہ کا منہج اور کوئی اشاعرہ کا منہج لیکر واپس آتا ہے؛ کیونکہ انہیں اچھا استاذ میسر نہیں ہوتا۔

اسلئے میں طلبہ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ پوری کوشش کریں کہ ان کا استاذ اچھا ہو یعنی اچھے منہج والا ہو، وہ تخریبی تحریکی، سیاسی اور حزبی امور سے دور رہیں، صرف طلب علم کیلئے خود کو وقف کردیں۔

۞۞۞

سوال نمبر ۷۰:

کیاپابند شرع نوجوان کو درویش کہہ سکتے ہیں؟

جواب:

نہیں مناسب ہے، ایسا کہنے پر آپ کو کس چیز نے ابھارا ہے، دراصل درویش صوفی طلبہ کو کہتے ہیں، یہ حقیقت میں اپنے پیروں، مریدوں، صوفی خلفاء اور صوفی مشائخ کے خدام ہوتے ہیں طلبہ نہیں ہوتے، یہ ان کی مجلسوں میں بیٹھ کر ان کی خدمت کرتے ہیں، اور ان کی مجلسوں میں جو بیٹھتے ہیں ان کے بھی القاب ہوتے ہیں، اصولیوں کے نزدیک کسی چیز پر حکم لگانا اسکے تصور کا فرع ہوتا ہے۔

چنانچہ صوفیوں کے نزدیک جو شیخ کبیر ہوگا اسے عارف باللہ کہتے ہیں، پھر واصل الی اللہ، پھر اسکے بعد بھی طبقات ہوتے ہیں، شیخ کبیر کے بعد والوں کو خلفاء کہتے ہیں، ایسے خلفاء کو مختلف جگہوں پر متعین کیا جاتا ہے، جو شیخ کبیر کیلئے نذر و نیاز اور مال وعطیات اکٹھا کرتا ہے اور اسکے لئے زیارات کی ترتیب دیتا ہے، اور یہ خلفاء بہت مالدار ہوتے ہیں، اور یہ مال و دولت اسی شیطانی سلسلے سے اکٹھا کرتے ہیں، اور جس وقت وہ شیخ کبیر کے پاس سے نکلتا ہے اسے مرید کہا جاتا ہے، اور یہ مرید بہت ہوتے ہیں، اور جو ان کے طلبہ ہوتے ہیں، وہ وہاں پر خلفاء کے مقام پر پہونچنے کا انتظار کرتے ہیں۔

اور جو شیخ کبیر، خلیفہ اور مریدوں کی خدمت کرتا ہے اسے درویش کہتے ہیں، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو صاف ستھرا لباس زیب تن نہیں کرتے بلکہ گدڑی اور چادر وغیرہ بدن پر ڈال لیتے ہیں، یہ چاپلوس ہوتے ہیں، اور جسکی خدمت پر مامور ہوتے ہیں اسکی پرستش اور عقیدت میں بڑے مخلص ہوتے ہیں، انہیں کو درویش کہتے ہیں، اسلئے یہ لقب طلبہ کیلئے جائز نہیں ہے، ممکن ہے جس نے یہ سوال کیا ہو وہ اس لقب سے ایک متواضع شخص مراد لے رہا ہو مگر درویش سے یہ معنی مراد نہیں ہے، ضروری ہے کہ ایسے مصطلحات کو جانا جائے۔

سوال نمبر ۱۷:

ارشاد باری ہے:{الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى} ترجمہ: وہ بے حد رحم والا عرش پر بلند ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:{وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ} ترجمہ: اور وہ تمھارے ساتھ ہے، جہاں بھی تم ہو۔ ان دونوں آیتوں میں تطبیق کیسے دیں گے؟

جواب:

سلف صالح اور ائمہ دین خواہ صحابہ ہوں یا تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ کسی کے ذہن میں یہ نہیں آیا تھا کہ ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض ہے، یہ تعارض بہت بعد میں نظر آیا بطور خاص متاخرین نے جب علم کلام کو سیکھنا شروع کیا، اور اس کے بعد جہم بن صفوان نے عقیدہ جہمیت کو پھیلایا، اور اسی کے وارث معتزلہ ہیں، جن کے شریک کار اشاعرہ بھی ہیں، جو سب دعوی کرتے ہیں کہ اللہ ذات کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہے۔

استواء جو اللہ کی ذات کیلئے مناسب اور لائق ہے، وہ علو کے معنی میں ہے، عرش دنیا کیلئے چھت ہے، سوائے رب العالمین کے کہ وہ عرش کے اوپر ہے، بلکہ تمام مخلوقات کے اوپر عرش پر مستوی ہے، ایسی کیفیت میں جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے، امام مالک کہتے ہیں: استواء معلوم ہے، یعنی اسکا معنی معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، یعنی اللہ عرش پر کس طرح مستوی ہے یہ ہم نہیں جانتے، علو باری پر ایمان لانا واجب ہے، اور کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

اور جہاں تک دوسری آیت کا تعلق ہے تو سلف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت کے اندر معیت سے مراد معیت علم ہے نہ کہ معیت ذات، کیونکہ یہ محال ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ اپنی ذات کے ساتھ ہو، اور جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ ہمارے ساتھ اپنی ذات کے اعتبار سے ہے بلکہ وہ ہر جگہ موجود ہے، تو انکے نزدیک اللہ کا وجود خیالی ہے، ورنہ اگر آپ ایسے لوگوں سے سوال کرو گے کہ ذرا دکھاؤ ہمیں بھی

اگر اللہ تمہارے ساتھ ہے!! اس وقت ان کے پاس کیا جواب ہوگا؟

اللہ تعالی نے جب اپنے نبی محمد ﷺ کو تشریف عظیم سے نوازنا چاہا یعنی اپنی ملاقات کا شرف بخشنا چاہا تو اپنے پاس بلندی پر عرش کے پاس بلایا، جس کیلئے آپ ﷺ مکہ سے بیت المقدس لے جائے گئے، جہاں آپ کی ملاقات انبیاء سے ہوئی جنہیں اللہ نے زندہ کیا پھر آپ ﷺ نے انکی امامت کرائی، پھر وہاں سے آپ کو آسمان پر بلایا گیا جہاں ہر آسمان پر آپ کا استقبال کیا گیا، پہلے آسمان پر سیدنا آدم کے ذریعے اور آخری آسمان پر سیدنا ابراہیم کے ذریعے، یہاں تک کہ آپ سدرۃ المنتہی کو پار کر گئے، اور اللہ کے پاس گئے اور اللہ سبحانہ وتعالی آپ سے مخاطب ہوا، آپ ﷺ نے اللہ کا کلام سنا مگر اللہ کو دیکھا نہیں۔

اسلئے ضروری ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالی تمام مخلوقات کے اوپر ہے، یہ مناسب ہی نہیں ہے کہ وہ مخلوق کے ساتھ رہے، زمین ہو کہ آسمان، اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا ہے: {أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ [16] أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ} ترجمہ: کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تمھیں زمین میں دھنسا دے، تو اچانک وہ حرکت کرنے لگے؟ [16] یا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر پتھراؤ والی آندھی بھیج دے، پھر عنقریب تم جان لوگے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے؟

یہاں پر آسمان سے مراد بلندی ہے، جس کی تفسیر یہ سورہ طہ کی آیت کر رہی ہے: {الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ} ترجمہ: وہ بے حد رحم والا عرش پر بلند ہوا۔ اسلئے کہ ایک مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالی اجرام سماویہ کے اندر ہے، جس طرح کہ یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالی زمین میں ہمارے ساتھ ہے، اسلئے دوسری آیت جس میں اللہ کا ارشاد ہے: {وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ} ترجمہ: اور وہ تمھارے ساتھ ہے، جہاں بھی تم ہو۔ اسکا مفہوم یہی ہے کہ وہ علم کے اعتبار سے

ہمارے ساتھ ہے، اسی کو معیت عامہ کہتے ہیں، اسلئے کہ (مع) کا لفظ ذاتی مقارنہ کیلئے صریح نہیں ہے، بلکہ مطلق استعمال ہوا ہے، پھر سیاق سے بھی ذات کا مفہوم نہیں ہے، چنانچہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ مع یہاں امام احمد کے ساتھ ہوں، یعنی اس اعتقاد میں کہ قرآن مخلوق نہیں ہے وہ اللہ کا کلام ہے، اسے حقیقی معیت کہیں گے، کیونکہ آپ حقیقت میں اس عقیدے کے اندر امام احمد کے ساتھ ہیں، اسی طرح آپ کہتے ہیں کہ ہم سفر کر رہے تھے اور چاند ہمارے ساتھ تھا، حالانکہ چاند آسمان میں ہوتا ہے وہ صرف ہمارے ساتھ اپنی روشنی کے ساتھ ہوتا ہے نہ ہی ذات کے ساتھ۔

ارشاد باری ہے: {إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا} ترجمہ: جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اپنی سکینت اس پر اتار دی اور اسے ان لشکروں کے ساتھ قوت دی جو تم نے نہیں دیکھے۔

اسی طرح حدیث میں بھی وارد ہوا ہے:

حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ حَدَّثَهُ، قَالَ: " نَظَرْتُ إِلَى أَقْدَامِ الْمُشْرِكِينَ عَلَى رُءُوسِنَا وَنَحْنُ فِي الْغَارِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ نَظَرَ إِلَى قَدَمَيْهِ أَبْصَرَنَا تَحْتَ قَدَمَيْهِ، فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ: مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللَّهُ ثَالِثُهُمَا ".

ترجمہ: سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے مشرکوں کے پاؤں دیکھے اپنے سروں پر اور ہم غار میں تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں کی طرف دیکھے تو ہم کو دیکھ لے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابو بکر! تو کیا سمجھتا ہے ان دونوں کے بارے میں جن کے میں ساتھ تیسرا اللہ بھی ہے۔"

کیا کوئی مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ اپنی ذات کے ساتھ ان دونوں کے ساتھ غار میں تھا، ہر گز

نہیں، سبحان اللہ، اللہ وہ ہے جسکی کرسی تمام آسمانوں اور زمین کو وسیع ہے، کوئی کیسے یہ سوچ سکتا ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ اپنی ذات کے ساتھ ہے، اور وہ غار میں تھا، اور وہ موسی اور ہارون علیہما السلام کے ساتھ تھا، جب اس نے انہیں فرعون کو تبلیغ کی ذمیداری دی تھی، چنانچہ ایسا اعتقاد رکھنا جائز نہیں ہے، یہ اعتقاد حلولیت کی طرف لے جاتا ہے کہ اللہ مخلوقات میں حلول کئے ہوئے ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۷۲:

کیا سارے صفات باری ازلی ہیں کیا بعض ان میں مخلوق بھی ہیں؟

جواب:

میرے نزدیک سب سے بری چیز یہ ہیکہ ایک طالب علم جب اللہ تعالی کے تعلق سے بات کرے تو وہ بڑی جرأت کا مظاہرہ کرے، ایسا لگے کہ وہ کسی مخلوق کے بارے میں بات کرتا ہے، یہ اسلوب صحیح نہیں ہے، بہترین اسلوب نصف علم ہے، آپ یہاں پر یہ کہہ سکتے تھے کہ کیا سارے صفات باری ازلی اور قدیم ہیں اسی طرح جس طرح ذات باری قدیم ہے یا نہیں؟

اور یہ مخلوق کا لفظ کہنا غلط ہے، ایسا کوئی نہیں کہتا کہ اللہ کی کوئی صفت مخلوق ہے، اگر مخلوق ہے تو صفت نہیں اور صفت ہے تو مخلوق نہیں، آپ نے تعبیر میں غلطی کی ہے، مجھے امید ہے کہ یہ تعبیر صرف لفظی اور تعبیر ہی ہو اعتقادی نہ ہو، اور اگر آپ کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ کی کوئی صفت مخلوق ہے جیسے کلام باری تو پھر آپ کا شمار معتزلہ پھر اشاعرہ کلابیہ میں ہوگا۔

اللہ کی صفات کی دو قسمیں ہیں: ایک ذاتی اور دوسرے فعلی۔

ذاتی صفات سب کے سب خواہ وہ عقلی ہوں یا خبری قدیم ہیں جیسے ذات باری قدیم ہے، جیسے اللہ کا علم، قدرت، چہرہ، ہاتھ، علو، سمع و بصر وغیرہ، انہیں ذاتی صفات کہتے ہیں، جو ذات ہی کی طرح قدیم ہیں، ان میں جدت نہیں ہوتی۔

اور جہاں تک صفات فعلیہ کا تعلق ہے تو ان میں جدت ہوتی ہے، جیسے صفت استواء جو کہ صفات افعال میں سے ہے؛ اسلئے کہ اللہ نے اس کے بارے میں خبر دی ہے پھر عرش پر مستوی ہوا ہے، اسی طرح نزول بھی صفات افعال میں سے ہے، کیونکہ ہمارا رب نازل ہوتا ہے، اور مجیء بھی صفات افعال میں سے ہے، کیونکہ ہمارا رب قیامت کے روز فیصلہ کیلئے آئے گا، مگر یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ صفات مخلوق

ہیں، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ انہیں اللہ جب چاہتا ہے خود انجام دیتا ہے، یہ اللہ کی مشیئت اور ارادے نیز اسکی حکمت کے مطابق ہوتے رہتے ہیں، ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مخلوق ہیں۔

سوال نمبر ۷۳:

سائل کہتا ہے کہ اس نے بوطی کی کتاب [فقہ السیرہ النبویہ] پڑھی ہے جس میں لکھا ہے کہ قبر رسول ﷺ کی طرف سفر کی نیت سے جاسکتے ہیں، اس مسئلے میں سوائے ابن تیمیہ کے کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور بطور کے مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے، اور پھر زیارت قبور کی مشروعیت کے کچھ عمومی اسباب گنائے ہیں، اور پھر قبر رسول ﷺ کی زیارت کے تعلق سے صحابہ اور تابعین کے اقوال نقل کئے ہیں کہ وہ جب بھی روضہ سے گزرتے تھے تو زیارت کرتے تھے، صحابہ میں سیدنا بلال کا بھی ذکر کیا ہے، پھر اس کے بعد ابن تیمیہ پر رد کیا ہے اور (شد رحال) کا مفہوم بتلایا ہے کہ کیا اس سے مراد حقیقی ہے یا مجازی کہ جس کا معنی قصد اور عزم کرنا ہوتا ہے، بہر حال میں اس پر آپ کی وضاحت چاہتا ہوں؟

جواب:

اس میں دو سوال ہیں:

پہلا سوال: زیارت قبور کا حکم جس میں رسول اللہ ﷺ کی قبر بھی آجائے گی۔

دوسرا سوال: کیا قبر رسول ﷺ کیلئے سفر کرنا جائز ہے؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو زیارت قبور سنت ہے، اس پر علمائے امت کا اجماع ہے، اور مگر بعض ائمہ دین نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر قبر رسول ﷺ کیلئے سفر کا قصد نہ ہو تو وہاں جا کر آپ ﷺ کی قبر کی زیارت بھی تقرب الہی کا بڑا ذریعہ ہے، اور اس میں کسی تعجب کی بات نہیں ہے؛ کیونکہ زیارت قبور کی حکمت یاد آخرت بتائی گئی ہے جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ .

ترجمہ: سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں تم کو منع کرتا تھا

قبروں کی زیارت سے تو تم اب زیارت کیا کرو۔اس لیے کہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

یعنی یہ قبر آپ کو آخرت کی یاد دلاتی ہے، دنیا سے بے رغبت بناتی ہے،اور عمل پر ابھارتی ہے، جیسے کہ جب آپ قبر رسول ﷺ پر کھڑے ہوں گے، پھر آپ نبی اکرم ﷺ کی زندگی کو یاد کریں گے کہ آپ مدینہ کے اندر کیسے رہتے تے، پھر آپ اپنے رب کے پاس کوچ کر گئے،اور اس دنیا کو چھوڑ دیا،مطلب یہاں کچھ نہیں ہے،تو یہ چیز آپ کو عمل پر ابھارے گی، آپ دنیا سے بے رغبت ہوں گے،آپ وہاں کھڑے ہو کر سلام کریں گے پہلے نبی اکرم ﷺ پر پھر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر،اس سے آپ کو آخرت کی یاد آئے گی،اور دنیا میں آپ کی حرص کم ہو گی۔

اور قبر رسول ﷺ کیلئے سفر کر کے جانے کا مسئلہ اور بوطی کا یہ کہنا کہ صرف ابن تیمیہ نے اختلاف کیا ہے،یہ بہت بڑی ناانصافی ہے،اور یہ پہلی مرتبہ نہیں ہے،بوطی اس طرح کی ناانصافیوں اور علمی خیانتوں میں معروف ہے۔

سوال یہ ہیکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اگر اس مسئلے میں مخالفت کی ہے تو کیا انکی مجرد رائے ہے یا ان کے پاس دلیل ہے؟اس تعلق سے واضح حدیث موجود ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِي هَذَا، وَمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کہ کجاوے نہ باندھے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف ایک میری یہ مسجد یعنی جو مدینہ میں ہے اور مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ۔“ (یعنی بیت المقدس)۔

چنانچہ جو مسجد رسول ﷺ کی نیت سے سفر کر کے جائے، پھر وہاں مسجد میں عبادت کرے، روضہ کے اندر تحیۃ المسجد ادا کرے،اور دیگر نوافل پڑھے، پھر وہیں پر نبی اکرم ﷺ پر سلام کر لے،یہی صحیح ہے،

مگر کوئی اپنے گھر سے باقاعدہ قبر رسول پر سلام کرنے کیلئے سفر کرے تو یہ صحیح نہیں ہے، اور یہ اس حدیث کی وجہ سے ہے، نہ کہ ابن تیمیہ کے قول کی وجہ سے۔ بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابن تیمیہ نے حدیث کی روشنی میں اپنی بات رکھی ہے۔

بوطی نے تو امام مالک کے تعلق سے بھی کہا ہے کہ آج ہم ویسا نہیں کہہ سکتے جس طرح امام مالک نے کہہ دیا ہے کہ استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے۔ یعنی آج کا یہ شخص وہ بات نہیں کہہ سکتا جو بات پہلے کے ائمہ دین نے کہی ہے، سوال ہیکہ ایسا کیوں؟ وجہ یہ ہیکہ بوطی نے صرف عربی قواعد اور بلاغہ پڑھ کر وہ سمجھ لیا جو امام مالک نہ سمجھ سکے، اور یہی وجہ ہے کہ اسکے یہاں سلف صالح کا کوئی احترام نہیں ہے، چنانچہ اس بندے سے کوئی دھوکہ نہ کھائے بطور خاص اسکی کتاب [کبری الیقینیات] سے کہ جس میں ہر طرح کی مصیبت مل جائے گی۔

اور میں اس شخص کی صراحت کے ساتھ نام اس لئے لے رہا ہوں کیونکہ دینی امور میں دفاع حق میں ایسا کہہ سکتے ہیں اور اگر کسی سے غلطیاں ہوئی ہوں تو اسے بیان کرسکتے ہیں اور اس کے شبہات کو سامنے لاکر رد کرسکتے ہیں، اور اسکے نام کی صراحت کرسکتے ہیں تاکہ لوگ اس سے دھوکہ نہ کھائیں، جس طرح کہ علم رجال میں کیا جاتا ہے، محدثین نے کہا ہے: فلاں کذاب ہے، فلاں دجال ہے، اس سے طلبہ کو نصیحت کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ تنبیہ کہ فلاں سے روایت نہیں لینی ہے، اور نہ ہی ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم عام یا خاص مجلسوں میں اسکی باتیں بیان کریں، اور ایسے لوگوں کے تعلق سے ہم اسی نیت اور اسی اسلوب میں بیان کرسکتے ہیں۔

آپ یہ سوال کرسکتے ہیں کہ کیا سارے صوفیاء اسی عقیدے پر ہیں؟

جواب:

یہ صوفیوں کے اعلی مراتب ہیں جن کے لئے ہر صوفی کوشش میں ہوتا ہے، گرچہ وہ چھوٹا ہی

کوئی صوفی ہو، مگر اس مقام تک پہونچنے کیلئے وہ ہمیشہ کوشش میں رہتا ہے خواہ اسکے لئے اسے کفر ہی کرنا پڑے، اور جو عام صوفی ہیں سلسلے اور طریقے والے وہ اب تک اس مقام تک نہیں پہونچ سکے ہیں، البتہ وہ وہاں تک پہونچنے کی کوشش میں ہیں، اسی لئے جو پہونچ چکا ہے اسے وہ واصل الی اللہ، العارف باللہ کہتے ہیں۔

صوفیوں کے یہاں جو واصل الی اللہ ہے وہ ہمارے یہاں مارق من الدین یعنی دین سے خارج ہے، اللہ سے دور ہے، اور صوفیوں کا عارف باللہ ہمارے یہاں اللہ سے جاہل ہے، اس نے اللہ کو پہچانا ہی نہیں، یہی حقیقت ہے۔

اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت صوفیت باطل پر ہے، بلکہ اس کی جتنی بھی شکلیں ہیں سب باطل ہیں۔

یا تو وہ الحاد تک پہونچ چکے ہیں، یا اس تک پہونچنے کیلئے کوشش میں ہیں، اور جو الحاد وکفر پر یقین رکھے وہ کافر ہے، جس طرح کہ ایمان سے محبت ایمان ہے، اسی طرح کفر سے محبت کفر ہے، یہی آج کی صوفیت کی حقیقت ہے۔

ابن العربی المالکی بھی دوسرے دیگر ان علماء کی طرح ہیں جنہوں نے تھوڑی بہت تاویل کی ہے، مگر انہیں یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اشعری تھے یا منکر تقدیر تھے، یا موؤلہ میں سے تھے، بلکہ ان کے تعلق سے بھی وہی کہیں گے جو دیگر علمائے اہل سنت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اجتہاد سے تاویل کی ہے، جان بوجھ کر نہیں، اور نہ ہی وہ کتاب وسنت کی مخالفت کرنا چاہتے ہیں، اور ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۷۴:

سائل کہتا ہے کہ بعض نوجوان صوفیوں کی مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں جہاں قلبی ذکر، رقص وسرور اور حرکات صوفیہ عمل میں آتی ہیں تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:

سائل خود سمجھ رہا ہے کہ یہ چیزیں صحیح نہیں ہیں، کیا آپ اسے صحیح سمجھتے ہیں کہ نوجوانوں کا نکلنا ناچنے کیلئے دین کا کام ہے؟! سبحان اللہ، ایسے واضح امور کے بارے میں سوال کی ضرورت ہی نہیں تھی، کیا صوفیوں کی ایسی عجیب وغریب حرکتوں قلبی ذکر کہا جائے گا، یہ ذکر پر جھوٹ ہے، اسکے ساتھ کھلواڑ ہے، قلبی ذکر یہ ہیکہ آدمی اللہ سے جڑ جائے، جسے مراقبہ کہتے ہیں، یہ صوفیوں کی ان بیہودہ حرکتوں کا نام نہیں ہے، یہ دین اسلام سے ہے، اور قلبی ذکر لسانی ذکر سے افضل ہے، اور اگر دونوں اکٹھا ہو جائیں تو سب سے افضل ذکر ہو جائے گا، کیونکہ آدمی جب کسی دوسری چیز میں مشغول ہوتا ہے اور اللہ سے غافل ہوتا ہے مگر ہاتھ میں تسبیح لیکر زبان سے لاالہ الا اللہ کہتا رہتا ہے، اور اسکا دل کہیں ہوتا ہے، ایسا ذکر غیر مفید ہے۔

لیکن اگر آدمی اپنے عمل میں خاموش ہے، اللہ کے سامنے کھڑا ہو کر اللہ کی عظمت کو یاد کر رہا ہے، اور یہ کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے اور سن رہا ہے، اور اسکے اعضاء وجوارح کی حفاظت کر رہا ہے یہی قلبی ذکر ہے اور یہ ذکر کی سب سے زیادہ نفع بخش قسم ہے، لیکن اگر قلبی ذکر کے ساتھ زبان سے بھی ذکر واذکار کر رہے ہیں، خواہ وہ تسبیح وتہلیل ہو یا استغفار ودرود، یعنی آپ نہ تو غافل ہیں اور نہ ہی اعراض کرنے والے ہیں، تو یہی اصل مطلوبہ ذکر ہے۔

اسی طرح آپ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، تو یہ علی الاطلاق سب سے افضل ذکر ہے، بالخصوص اگر یہ تدبر اور حضور قلب کے ساتھ ہو، اور یہ صوفی اعمال میں سے نہیں ہے، صوفی اعمال میں رقص وسرود اور جذب وحرکات ہے، یہاں تک کہ کچھ کی یہ عادت ہو چکی ہے کہ اگر وہ تلاوت بھی کرتا ہے تو بدن کو حرکت

دبائے بغیر نہیں رہ سکتا، کیونکہ حرکات ان کی عادت میں شامل ہے۔

یہ ذکر کی ابتداء لاالہ الااللہ سے کرتے ہیں، پھر جب یہ جوش میں آتے ہیں تو اس عوام کی ذکر سے منتقل ہوکر جیسا کہ یہ کہتے ہیں، خواص کی ذکر پر آتے ہیں، اور وہ صرف لفظ جلالہ (اللہ) ہے، جسکا وہ تکرار کرتے ہیں، اور جب وہ کچھ زیادہ ہی جوش میں آتے ہیں تو لفظ ہی بگاڑ دیتے ہیں، اور لفظ جلالہ کو (حاللہ، حاللہ) کہنا شروع کردیتے ہیں، اور اسے خواص کاذکر کہتے ہیں، جبکہ یہ الحاد ہے۔

اس کے بعد خواص الخاص کاذکر ہوتا ہے، اسے بھی جان لیں، شاعر کہتا ہے:

عرفت الشر لا للشر لكن لتوقيه　　من لم يعرف الشر يوشك أن يقع فيه!

ترجمہ: میں نے شر کو جانا شر کی خاطر نہیں، بلکہ اس سے بچنے کی خاطر، جس نے شر کو نہیں جانا وہ اس میں واقع ہوسکتا ہے۔

ممکن ہے آپ کے پاس کچھ صوفی لوگ آئیں اور کہیں کہ چلو اللہ کی ذکر کیلئے نکلتے ہیں، چل کر خواص الخاص والاذکر کرتے ہیں، یہ خواص الخاص والاذکر کیا ہے؟ یہ دراصل (ھو، ھو) ہے، آخر میں یہ اسے بھی بدل کر (حوحو!) کہنے لگتے ہیں، خاص طور پر رات کے آخری پہر میں۔

ممکن ہے آپ لوگ اسے پہلوں کی کہانیاں سمجھتے ہوں، مگر ایسا نہیں ہے، یہ حقائق ہیں، میں نے خود منی کے اندر کچھ ایسے حاجیوں کو دیکھا ہے جو اپنے کمروں میں یہ ذکر کرتے تھے، اور میں دیکھتا تھا، ان میں کوئی جوش میں آتا تو اوپر چلا جاتا پھر نیچے آتا، کوئی جھومنے لگتا، اور یہی تکرار کرتا: (حوحو!)، یہ خواص الخاص کاذکر ہے، حالانکہ یہ دین اسلام میں ردوبدل ہے، یہ نیادین ہے، یہ شیطانی طریقہ ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسی لئے میں ہر مناسبت سے کہا کرتا ہوں کہ امت اسلامیہ کو اس وقت جتنی پریشانی صوفی خرافات سے ملی ہے اتنی اور کسی سے نہیں۔

یہ صوفیت ہی چاہتی ہے کہ مشرق ومغرب کے مسلمانوں اور داعیان حق کے درمیان کوئی تعلق نہ رہے، یہ ہمہ وقت ان داعیان حق کے خلاف یہی پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ یہ اولیائے کرام سے نفرت کرتے ہیں، یہ اللہ کا ذکر نہیں کرتے، یہ ذکر کی مجلسوں سے بھاگتے ہیں، اور یہ ایسی مجلسوں سے اپنی (حو) والی مجلسوں کو مراد لیتے ہیں اکثر ممالک میں یہ حکام کا تقرب حاصل کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم آپ کیلئے دعائیں کرتے ہیں، اور حکومتیں بھی ان سے تبرک حاصل کرتی ہے، پھر یہ صوفی حکام کا استعمال کرکے داعیان حق کو پریشان کرتے ہیں، اور حکام سے کہتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہر گھڑی ہم آپ کا ساتھ دیں گے مگر ہماری ایک بات سن لیں، کچھ سلفی نام کے لوگ رہتے ہیں، یہ حکومت کے خلاف عوام کو بھڑکاتے ہیں، کہتے ہیں، یہ حرام ہے وہ حلال ہے، یہ بدعت ہے، وہ سنت ہے، قبروں کی زیارت ناجائز ہے، وسیلہ ناجائز ہے۔

پھر یہ حکام کو سلفیوں کے خلاف بھڑکادیتے ہیں، یہ ڈاکو ہیں، یہ اسلام کا کچھ بھی بھلا نہیں کرتے، یہ کافر حکام تک سے تقرب حاصل کرتے ہیں اور مقصد صرف حکومت کو سلفیوں کی اس چھوٹی سی جماعت کے خلاف بھڑکانا ہوتا ہے، اس تعلق سے میں ایک چھوٹا سا واقعہ بتلاتا ہوں:

افریقہ کے اندر ایک عیسائی ملک ہے، جہاں مسلمانوں میں صوفیوں کا غلبہ ہے، جامعہ اسلامیہ کا ایک طالب علم اسی ملک کا ہے، یہ طالب علم عقیدہ، علم حدیث اور عربی زبان کے قواعد میں ماہر ہے، یہ اپنے ملک میں جاکر دعوت کے میدان میں سرگرم ہوگیا، وہاں کے نوجوانوں کی ایک بھیڑ جمع ہوگئی، یہ چیز صوفیوں کیلئے بہت بری خبر تھی، انہیں بڑا غصہ آیا، وہ اس سے دشمنی کرنے لگے، اور اسے ہر جگہ تکلیف دینے لگے، اس سے کہا گیا: تم حکومت کے پاس شکایت درج کرادو، کہا: نہیں، میں صبر کروں گا، ملک کا سربراہ عیسائی ہے، میں اس کے پاس اپنے مشائخ کی شکایت نہیں لے جاؤں گا، مگر جب صوفی مشائخ اسے نہیں روک سکے تو جاکر عیسائی حاکم سے اس کی شکایت کردی، حاکم نے پوچھا: تم لوگوں کو اس سے کیا شکایت ہے؟ کہا: یہ کوئی نیا دین لیکر آیا ہے جسے ہم نہیں جانتے۔ حاکم نے پوچھا: یہ نیا دین کہاں سے

لایا ہے؟ کہا: سعودی عرب سے۔ حاکم نے اس نوجوان سے پوچھا: تم نے کہاں سے پڑھائی کی ہے؟ کہا: سعودی سے۔ پوچھا: کس شہر سے؟ کہا: مدینہ سے۔ پوچھا: کیا تمہارے پاس ڈگری ہے؟ کہا: ہاں جامعہ اسلامیہ کی ڈگری ہے۔

اسکے بعد حاکم نے کہا: اس نے پوری تعلیم سعودی سے حاصل کی ہے، اور تمہارا اصلی دین وہیں مدینہ سے آیا ہے، کیا تمہارا رسول مکہ میں پیدا نہیں ہوا تھا جو وہاں سے مدینہ ہجرت کر گیا تھا، اور وہ اس وقت سعودی عرب میں ہے؟ تمہارا جو دین اسلام ہے، وہ سعودی سے آیا ہے، میں یہاں بھی دین اسلام کو وہی مانوں گا جو سعودی والا ہوگا، مجھے لگتا ہے تم لوگ دین اسلام کو نہیں سمجھتے ہو۔ میں نے یورپی ممالک میں تعلیم حاصل کی ہے، اور وہاں اصلی عیسائیت کو دیکھا ہے مگر یہ بہت سے پادری ایسے رسومات پر عمل کرتے ہیں جن کا عیسائیت سے کوئی تعلق نہیں، ممکن ہے تم بھی اسی طرح کے رسومات پر عمل کرتے ہوگے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہ ہو، اور انہیں رسومات کو تم دین سمجھ رہے ہو جس طرح یہ پادری سمجھ رہے ہیں، تم لوگ اصل میں دین اسلام کو نہیں سمجھ رہے ہو، اور اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک تم سعودی عرب جا کر اسے نہ سیکھ لو، کیونکہ تمہارا دین وہیں سے آیا ہے۔

پھر سارے صوفی منہ لٹکا کر بیٹھ گئے، حاکم نے آخر میں نوجوان سے کہا: تم اپنا کام جاری رکھو تمہیں کوئی نہیں چھیڑے گا، اور صوفیوں سے کہا: تم لوگ اس نوجوان سے جا کر اسلام سیکھ لو، یا پھر اس سے دور رہو۔

جب مجھ سے یہ واقعہ بتلایا گیا اس وقت میں افریقہ ہی میں دعوتی پروگرام کیلئے گیا تھا، اس واقعہ کو سن کر مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول یاد آ گیا: (وَأَنَّ اللَّهَ يُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ)

ترجمہ: اور اللہ مدد کرے گا اس دین کی برے آدمی سے۔

بہر حال اسلامی دعوت کی جیت ہوئی اور اللہ نے ایک عیسائی فاجر شخص کے ذریعے حق کی مدد کی اور صوفی مشائخ کو ہار ہوئی۔

یہاں شاہد یہی ہے کہ صوفی ہمیشہ دین اسلام کے خلاف ہی رہے ہیں، وہ داعیان حق کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، اور یہاں کوئی صوفی جماعت حق پر نہیں ہے، جیسا کہ سائل پوچھ رہا ہے۔

اور جہاں تک گیتوں اور رقص وسرود کا تعلق ہے تو ان کا دین اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے، عبادت میں ہم نے انہیں کبھی بھی ان کا سہارا نہیں لیا، اور یہ گیت ممکن ہے تسلی کے طور پر پڑھ لئے جائیں جب آپ سفر کر رہے ہوں، جیسے کہ وہ لوگ جو اونٹ سے سفر کرتے ہیں اور حدی خوانی کرتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اس میں عبرت کی باتیں ہوں لیکن انہیں عبادت کا حصہ سمجھ لیا جائے یہ صحیح نہیں ہے، اسی طرح رقص وسرود کا بھی اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اس وقت دراصل اسلام کا مفہوم بہت ہی وسیع معنوں میں لیا جانے لگا ہے، جس کے اندر بہت سی تفاصیل ہیں، اس کے اندر اسلامی اختلاط بھی پایا جاتا ہے۔

میں کلیۃ الحدیث میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، میرا ایک ساتھی گرمی کی چھٹی میں باہر گیا تھا، جب وہ واپس آیا تو میں نے پوچھا کہ تم نے وہاں کیا دیکھا ہے، تو اس نے بتایا کہ میں نے جو چیز سب سے غریب اور نئی دیکھی ہے وہ اسلامی اختلاط ہے، ان کے یہاں اسلام اب یہاں تک پہونچ چکا ہے۔ واللہ المستعان۔

۞۞۞

سوال نمبر ۷۵:

کلام اور منطق میں کیا فرق ہے؟

جواب:

کلام ایک نئی اصطلاح ہے، مگر علم کلام اشاعرہ اور معتزلہ کے یہاں پہلے سے چلا آرہا ہے، اور منطق اسی علم کلام میں داخل ہے۔

چنانچہ علم کلام منطق، فلسفہ اور بعض دیگر مصطلحات کو شامل ہے۔

منطق: ایک ایسا علم یا اصطلاح ہے تو بذات خود قائم ہے، اور اسی طرح فلسفہ بھی ہے، مگر علم کلام فلاسفہ اور مناطقہ کے اصطلاحات اور ان علمائے کلام سے بنا ہے جو اس دراسے سے متاثر ہیں۔

آپ لوگ اللہ کا شکر ادا کرو کہ آپ ان پریشانیوں میں نہیں پڑے، اللہ نے اس سے محفوظ رکھا، ایسی چیزوں کو چھوڑ دو، اور عقیدہ سیکھو، عقیدہ الگ ہے اور علم کلام الگ ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۷۶:

تقیہ اور توریہ میں کیا فرق ہے؟

جواب:

دونوں کے درمیان فرق بالکل واضح ہے، تقیہ نفاق ہے، یہ دراصل تقوی کی بدلی ہوئی شکل ہے جسے روافض نے بدل کر تقیہ کر دیا ہے۔

تقیہ حقیقت میں نفاق ہے جسے تقوی کا لباس پہنادیا گیا ہے، یہ روافض کے یہاں ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے اپنے مخالفین کے غضب سے بچتے ہیں، یہ اسلوب صرف روافض شیعہ ہی کے یہاں پایا جاتا ہے، یہ شیعوں کے یہاں بہت ہی اہم عمل ہے، ایک شیعہ اگر تقیہ میں ماہر نہیں ہے تو ان کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اسلئے کہ وہ یا تو شیعوں کو ہی ذلیل ورسوا کرے گا یا پھر وہ خود اپنے نفس کو ہلاک کرے گا۔

یعنی اگر ہمارے درمیان کوئی رافضی ہو- اللہ نہ کرے- اوراس سے ایسے ماحول میں پوچھا جائے کہ ابوبکر صدیق کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو وہ یہی کہے گا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اول تھے، پھر وہ صدیق اکبر کی تعریف بھی کرے گا، حالانکہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ آپ دوزخی ہیں، یہی تقیہ ہے، وہ اس اسلوب کا استعمال کرتا ہے تاکہ وہ اہل سنت سے محفوظ رہے، چنانچہ وہ جیسے ہی یہاں سے نکلے گا سیدنا ابوبکر صدیق پر لعن طعن شروع کر دے گا، اسی کو تقیہ کہتے ہیں۔

اور جہاں تک توریہ کا تعلق ہے تو یہ دوسری چیز ہے، چنانچہ توریہ کہتے ہیں کہ آپ کوئی ایسا لفظ استعمال کریں جس کے دو معانی ہوں: ایک معنی قریبی ہو یعنی فوراً اسکا مطلب سمجھ میں آجائے، اور دوسرا معنی دور کا ہو، یہ آپ اس وقت استعمال کرتے ہیں جب آپ چاہتے ہیں کہ سننے والا وہ معنی نہ سمجھ سکے جسے آپ مراد لے رہے ہیں، اس طرح توریہ کے استعمال سے آدمی جھوٹ سے محفوظ ہو جاتا ہے، اور تقیہ سے

جھوٹ ہی مراد ہوتا ہے، اس لئے دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔تقیہ جھوٹ اورنفاق ہے جبکہ توریہ جھوٹ سے بچنے کا ایک ہتھیار ہے۔دوسرے یہ کہ تقیہ دین کے خلاف ایک مہلک ہتھیار ہے جبکہ توریہ دین ہی کی خاطر ایک کارگر ہتھیار ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۷۷:
کیا شخص معین پر لعنت کرنا جائز ہے؟

جواب:

شخص معین پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو؛ کیونکہ یہ شخص معین لوگوں سے الگ ہوگیا، چنانچہ جب آپ نے کہا: اللہ کی اس پر لعنت ہو اور آپ نے اسکا نام لے لیا، اور لعنت کہتے ہیں اللہ کی رحمت سے دور کرنا، اور آپ کو نہیں معلوم کہ اس شخص معین کا خاتمہ کس چیز پر ہو؛ ایمان پر ہو یا ایمان پر نہ ہو۔

اس لئے اس تعلق سے مشروع یہی ہے کہ آپ مطلق طور پر لعنت بھیجیں یعنی کہیں کہ کافروں، ظالموں اور فاسقوں پر اللہ کی لعنت ہو: (لعنۃ اللہ علی الظالمین)، (لعنۃ اللہ الکافرین)، شخص معین پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے۔

پھر دوسری بات یہ کہ زیادہ لعنت بھیجنا مومنوں کا شیوہ بھی نہیں ہے۔

۞ ۞ ۞

سوال نمبر ۷۸:

کیا معصیت کو ہلکا سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے؟ اور کیا معصیت کو ہلکا سمجھنا اسکا مذاق ہے؟

جواب:

اگر استخفاف اور ہلکا سمجھنے سے آپ کی مراد یہ ہیکہ وہ اپنی خواہشات کا پیرو کار ہے، وہ معصیت میں ملوث ہے اور یہ جانتا ہے کہ یہ معصیت ہے پھر بھی وہ اس کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ حرام ہے، مگر اس کی وجہ سے وہ کافر نہیں ہوگا۔

لیکن اگر وہ ان نصوص کا مذاق اڑاتا ہے جن میں ان معاصی کو حرام کہا گیا ہے، یا ان نصوص کا مذاق اڑاتا ہے جن میں سنتوں کو مشروع کیا گیا ہے، تو ایسی صورت میں وہ کافر ہو جائے گا۔

البتہ جو جان بوجھ کر معصیت کا ارتکاب کرے اس پر یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ وہ اسکا مذاق اڑا رہا ہے، یا ان نصوص کا مذاق اڑا رہا ہے یا انہیں ہلکا سمجھ رہا ہے جن میں ان معصیتوں کو حرام کہا گیا ہے، بلکہ ایسا وہ اس لئے کر رہا ہے کیونکہ شیطان نے اس معصیت کو اسکے لئے مزین کر دیا ہے اور اسکے نفس امارہ نے اسے برائی پر ابھار دیا ہے، اس طرح وہ معصیت میں واقع ہو گیا ہے، اس کے لئے توبہ کی امید کریں، لیکن اگر وہ اسی حالت میں بغیر توبہ کے مر گیا تو اسکا معاملہ اللہ پر ہے۔

❁❁❁

سوال نمبر ۷۹:

آپ کے تجربات اور طلب علم کی روشنی میں کیا طلب علم، متون کا حفظ کرنا، فقہ اور دیگر علوم شرعیہ کی پڑھائی میں مشغول ہونا اللہ کی محبت، اسکی طرف شوق اور موت نیز جنت و دوزخ کی یاد اور ان میں غور وفکر کے منافی ہے؟

جواب:

سبحان اللہ ! معاملہ بالکل الٹا گیا، اپنے سوال کو الٹ دو تو مفہوم درست ہو جائے گا، کیونکہ اسی صورت میں اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی محبت پیدا ہوگی، آخرت کی یاد آئے گی، یقیناً طلب علم اور قرآن کے پڑھنے اور اس میں غور وفکر کرنے ہی سے آخرت کا توشہ اکٹھا ہوسکتا ہے۔

مناسب ہے کہ حفاظ کے پاس ایسی چھوٹی کتاب ہو جسکے اندر قرآن میں موجود مشکل الفاظ کی شرح ہو، یا ایسا مصحف استعمال کریں جس کے حاشیہ میں الفاظ کی شرح موجود ہوتا کہ اس کے ذریعے قرآن میں غور وفکر کرنے اور تدبر میں معاون ثابت ہو۔

لیکن اگر آپ کے پاس کوئی تلبیس کرنے آتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ متون اور قرآن یاد کرنے نیز کتابوں کے پڑھنے میں مشغول ہو جاؤ گے تو اس سے اللہ کی محبت سے غفلت ہو جائے گی، تو جان لو یہ شخص جاہل ہے، کیونکہ جو چیز اللہ کی محبت اور اسکا مراقبہ آپ کے اندر پیدا کرسکتی ہے وہ علم نافع ہے اسی طریقے سے جیسا میں نے بتلایا۔

اور جو لوگ علم کو ہلکا سمجھ رہے ہیں اور اسے معمولی بنا کر پیش کر رہے ہیں شاید یہ وہی لوگ ہیں جو نوجوانوں کو باہر نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ چلہ کرنے والے ہیں، ان کا یہ اسلوب صحیح نہیں ہے، ایسے لوگوں کے قریب کبھی نہ جانا، بلکہ ایسے لوگوں کو صحیح دین کی طرف دعوت دینے کی ضرورت ہے، یہ خود دعوت اور اصلاح کے زیادہ لائق ہیں۔

ایک جاہل نوجوان اپنے کاروبار اور تجارت کو چھوڑ کر باہر نکل جاتا ہے، طلب علم کو ترک کر دیتا ہے، اپنی اولاد اور بیوی کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے، چالیس دنوں تک یا چار مہینوں تک غائب رہتا ہے، اور کہتا ہے: میں اللہ کی راہ میں نکلا تھا، سوال یہ ہے کہ تم نے اللہ کی راہ میں کیا کیا؟ وہ کہے گا: میں احباب کے ساتھ گیا تھا، میں نے ان کی باتوں کو سنا، سبحان اللہ! کیا مسجد نبوی میں، مسجد حرام میں جو مدرسین ہیں وہ تمہارے احباب نہیں ہیں؟ ان احباب کے پاس جاؤ اور ان سے دین سیکھو، پھر اپنے گھر واپس آجاؤ، اپنے کاروبار پر واپس آجاؤ۔

آپ دیکھیں گے کہ ایک جاہل کھڑا ہو کر دین کے بارے میں لوگوں کے سامنے بولے گا نہ اسکے پاس کوئی علم ہوگا اور نہ کوئی دلیل، بلکہ وہ طلب علم کو ہلکا کر کے بیان کرے گا اور طلبہ کا مذاق اڑائے گا، جو لوگ ہوٹلوں میں ٹھہرتے ہیں ان کا مذاق اڑائے گا، اور ٹھہرنے کیلئے مسجد کو بہتر بتلائے گا! ایسی چیزوں کو عبادت بتلائے گا جو عبادت نہیں ہوں گی، ایسی چیزوں کو تقوی اور نیکی بتلائے گا جو ایسا نہیں ہوں گی، یہ سب جہالت ہے، بے بصیرتی ہے۔

ایک داعی کیلئے ضروری ہے کہ وہ صاحب بصیرت عالم ہو، ان جاہلوں سے دور رہو بلکہ ان کیلئے ہدایت کی دعاء کرو، اور کوشش کرو کہ یہ لوگ صحیح طریقے پر واپس آجائیں، ان کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

❁❁❁

سوال نمبر ۸۰:

بعض خطباء کہتے ہیں کہ ضروری ہے کہ ہم احادیث فتن کے سمجھنے میں تجدید کاری کریں، اسکا کیا مفہوم ہے؟

جواب:

سائل نے جو سوال کیا ہے اسے معنوی طور پر بیان کیا ہے، میری سمجھ سے اس نے غلط سمجھا ہے، اور اسکا یہ غلط سمجھنا صحیح سمجھنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ کچھ خطباء یہ کہتے ہیں کہ احادیث فتن کو نئے سرے سے سمجھنے کی ضرورت ہے، اور یہی بڑی غلطی ہے کہ بہت سے نوجوان اس وقت چاہتے ہیں کہ وہ ان حدیثوں کو اپنی طرف سے مستقل طور پر سمجھیں اور فہم سلف کو ترک کر دیں، یہی بھیانک اور سنگین غلطی ہے، کیونکہ کتاب وسنت کے نصوص کو سلف صالح کے فہم کے بغیر ہم نہیں سمجھ سکتے، اگر ہم نے ان مفاہیم سے اختلاف کیا اور دوسرے مفہوم کے ساتھ ہم تجدید کاری کا دعوی کیا تو ایسی صورت میں ہم مسلمانوں اور مومنوں کی راہ کو چھوڑ بیٹھیں گے؛ ارشاد باری تعالی ہے: {وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا} ترجمہ: اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔

اسی مناسبت سے میں کہوں گا کہ ہمارے بعض نوجوان ایسی باتیں سن سکتے ہیں جو بعض دکاترہ (بوطی) کہتے ہیں کہ آج ہم ویسا نہیں کہہ سکتے جس طرح امام مالک نے اللہ کے قول {الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى} ترجمہ: وہ بے حد رحم والا عرش پر بلند ہوا۔ کے بارے میں کہہ دیا ہے کہ استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے۔ یعنی آج کا یہ شخص وہ بات نہیں کہہ سکتا جو بات پہلے کے ائمہ دین نے کہی ہے،

سوال ہیکہ ایسا کیوں؟ وجہ یہ ہیکہ بوطی نے صرف عربی قواعد اور بلاغہ پڑھ کر وہ سمجھ لیا جو امام مالک نہ سمجھ سکے۔

امام مالک ہوں یا دوسرے ائمہ دین ان کے بارے میں اہل علم نے کیا کہا ہے؟ اہل علم نے اس دور کے بارے میں کہا: (تبع تابعین کے دور میں مسلمانوں کے اندر چار ایسے عظیم لوگ پائے جاتے تھے جنہیں ائمہ دنیا کہا جاتا تھا: امام مالک حجاز میں، لیث بن سعد مصر میں، اوزاعی شام میں اور ثوری عراق میں)۔

خواہ یہ چاروں ائمہ دین ہوں یا ان سے پہلے کے یا بعد کے ائمہ دین ہوں سب امام مالک کے اس قول پر متفق ہیں کہ استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے اور اس بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔ مگر آج کا ایک دکتور آ کر کہتا ہے کہ ہم نے عربی زبان اور بلاغہ کو پڑھا ہے، ہم وہ بات نہیں کہہ سکتے جو امام مالک نے کہی ہے، گویا وہ کہہ حال سے کہہ رہا ہے کہ ہم پہلے کے مومنین کی راہ پر نہیں چل سکتے، اور یہ بہت بڑی غلطی ہے، مصیبت تو یہ ہے کہ اسکی یہ بات کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں اور نوجوانوں کے درمیان اسکی تحریریں پھیلی ہوئی ہیں۔

خلاصہ یہ ہیکہ ایسے لوگوں کی یہ منظم کوشش ہے کہ ہمیں نصوص کے سمجھنے میں فہم سلف سے کاٹ دیں تاکہ وہ نصوص کو آزادنہ طریقے سے جو معنی چاہیں لوگوں کو بتاتے پھریں۔

❁❁❁

سوال:

اس کے بعد سائل ایک خطیب کے خطبے کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مغربی ملکوں میں خطیب خطبے کے دوران حاکم وقت کو گالی دیکر اپنے گھر امن وامان کے ساتھ چلا جاتا ہے اور اسے کوئی خوف نہیں ہوتا۔اس پر آپ کا کیا تبصرہ ہے؟

جواب:

محاضرہ کے دوران ہی میں نے اس کا جواب دے دیا تھا کہ جو یہ اعتقاد رکھے کہ مغربی ملکوں میں حکام کے یہاں عدل وانصاف پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک آدمی اسکے سامنے کھڑا ہو کر اسے گالی دیتا ہے اور پھر اپنے گھر امن وامان کے ساتھ چلا جاتا ہے۔

میں ایسے خطیب سے کہوں گا کہ یہ خواہشات نفس ہے، ایسا کرنا جائز نہیں ہے، ورنہ کیا معقول بات ہے کہ حکام کو گالی دینے پر لوگوں کو ابھارا جائے؟!

اسی خطبے میں خطیب یہ بھی کہتا ہے کہ مغربی ممالک میں حکام حکومتی امور میں پبلک سے مشورہ لیتے ہیں مگر ہمارے یہاں پبلک کی کوئی حیثیت نہیں ہے، ان سے کوئی مشورہ نہیں لیتا۔

دراصل خطیب کو دھوکہ ہوا ہے، دراصل اسے نہیں معلوم کہ مغربی ملکوں میں حکام پبلک سے مشورہ لیتی ہے کیونکہ وہاں حکومت انسانوں کی ہوتی ہے، اور انہیں کے مشورے پر وہ حکومت چلتی ہے، مگر اسلامی ملکوں میں بالخصوص اس ملک کے اندر حکومت شرعی دستور پر چلتی ہے، پھر کس سے مشورہ لیا جائے؟ کیا کسی انسان سے یہ مشورہ لیا جائے کہ حدود کا نفاذ کیسے کیا جائے؟ کیا اس کیلئے مشورے کی ضرورت ہے؟ کیا قصاص نافذ کریں یا نہیں؟ کیا چور کا ہاتھ کاٹا جائے؟ کیا ان امور کیلئے مشوروں کی ضرورت ہے؟

ایک مسلمان حاکم دراصل بعض غامض اور دشوار امور میں اور جدید پیش آمدہ سیاسی امور میں یا جنگی امور میں اپنے خاص مشیروں اہل حل وعقد سے مشورہ لیتا جس وقت اس کے سامنے درست بات واضح

نہیں ہوتی، لیکن جب معاملہ واضح ہوتا ہے تو یہ اصول ہے کہ اللہ پر بھروسہ کر کے کام کرتے جاؤ۔

ایسے خطیبوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ فقہ اسلامی کا مطالعہ کریں، تاکہ ایسے خطبوں سے لوگوں کو گمراہ نہ کریں، یہ افسوسناک معاملہ ہے، ایسے بعض خطیب ہوتے ہیں جو بغیر سوچے سمجھے بھڑکانے والا خطبہ دے دیتے ہیں، واللہ المستعان۔

وباللہ التوفیق، وصلی اللّٰہ وسلم وبارک علی خیرۃ خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

۞۞۞

سوال نمبر ۸۱:

عورتوں کے تعلق سے زیارت قبور کے مسئلے میں فیصلہ کن قول کیا ہے؟

جواب:

اس بارے میں کوئی فیصلہ کن بات نہیں ہے، یہ مسئلہ اختلافی ہے، اور یہ مسئلہ شروع سے آج تک اختلافی رہا ہے، فیصلہ کن قول کا مطلب راجح بات، اور رجحان اضافی ہوتا ہے، یعنی اگر کسی اختلافی مسئلے میں کوئی قول میرے نزدیک راجح ہے تو یہ انصاف کی بات نہیں ہوگی کہ طلبہ کو میں اپنے قول کو قبول کرنے پر مجبور کروں، اگر ان کے نزدیک دوسرا قول راجح ہے، اس لئے مناسب سوال اس طرح ہونا چاہئے کہ عورتوں کے تعلق سے زیارت قبور کے مسئلے میں آپ کے نزدیک راجح قول کیا ہے؟

تو ایسی صورت میں میں کہوں گا: میرے نزدیک راجح یہ ہیکہ بالقصد وہاں نہ جائے البتہ اگر کسی قبرستان سے گزر ہو یا بقیع سے یا روضہ میں جائے اور قبر رسول کے قریب ہو جائے تو وہاں ضرور سلام کرے، مگر یہ کہ بالقصد کسی قبر پر زیارت کیلئے جائے یہ صحیح نہیں ہے۔

بہر حال یہ مسئلہ اختلافی ہے، اس میں بہت سی کتابیں اور رسالے لکھے گئے ہیں، مگر میرے نزدیک جو راجح ہے وہ میں نے بتادیا، اور جہاں تک حدیث: (لعن اللہ زائرات القبور) اور (لعن اللہ زوّارات القبور) کا تعلق ہے، تو محدثین کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ (زوّارات القبور) کے الفاظ کے ساتھ حدیث صحیح ہے، اختلاف (زائرات القبور) والے الفاظ میں ہے، کچھ لوگوں نے صحیح کہا ہے اور کچھ نے ضعیف، واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۸۲:

بعض داعی کہتے ہیں کہ اسلام یہاں ہمارے پاس موجود ہے مگر اسکی اصل روح یورپ میں ہے؟اس پر آپ کیا کہیں گے؟

جواب:

یہ گمراہ کن بات ہے، اسکا کوئی مطلب نہیں، یہ برائی کی دعوت ہے، اسی طرح کے لوگ یہ بھی کہتے ہیں: یہاں مسلمان رہتے ہیں مگر اسلام نہیں ہے اور وہاں اسلام ہے مگر مسلمان نہیں۔

یہ بہت ہی قدیم عبارت ہے، اسے محمد عبدہ نے کہا تھا جس وقت وہ فرانس میں رہتے تھے، اور وہیں کے یورپین کلچر سے گھل مل گئے تھے، پھر جب اپنے ملک واپس آئے تو ایسی بات کہی، ان کے پیروکار انہیں امام کہتے ہیں، اور اس کلام کو ایک جہاں دیدہ شخص کا کلام تصور کرتے ہیں ایسا جہاندیدہ جو یہ کہتا ہو کہ یورپ میں اسلام ہے مگر بغیر مسلمانوں کے اور ہمارے یہاں مشرقی دنیا میں مسلمان ہیں مگر بغیر اسلام کے۔ایسے کلام سے وہی لوگ دھوکہ کھا سکتے ہیں جو نا تجربہ کار اور کم علم اور کم فہم ہوں۔

سوال یہ ہیکہ یورپ میں کیا پایا جاتا ہے جو ہمارے یہاں نہیں پایا جاتا؟ وہاں شراب وکباب، فسق وفجور کثرت سے پایا جاتا ہے، کیا یہی اسلام ہے؟ آخر یورپ میں اسلام کہاں ہے؟ اہل یورپ خود ایسی باتوں کو جھٹلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام ان کے یہاں نہیں پایا جاتا نہ ہی ذاتی طور پر اور نہ ہی روحانی طور پر، مگر ایسا جو کہتا ہے وہ دراصل گمراہ کرنا چاہتا ہے، یہ باطل قول ہے، نوجوان طلبہ ایسی باتوں سے دھوکہ نہ کھائیں۔

❁❁❁

سوال نمبر ۸۳:

ایک شخص کا دعوی ہے کہ اس نے امام ابن القیم کی کتاب [مدارج السالکین] کی تہذیب کی ہے جوکہ دراصل خود علامہ ہروی کی کتاب [منازل السائرین] کی تہذیب ہے؟

جواب:

ہروی کے اندر خود صوفیت پائی جاتی تھی، مگر شاید آخری عمر میں اعتدال آگیا تھا جیسا کہ ان کی بعض تحریروں یا بعض کتابوں سے اندازہ ہوتا ہے۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ اس کتاب کو ابن القیم نے تہذیب کیا جس کا نام (مدارج السالکین) رکھا، مگر یہ تہذیب بھی اصل کتاب کے بعض خرافات کو ختم نہیں کرسکا، مگر یہاں یہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ نئے مصنف نے جو کہا ہے وہ مطلوب ہے، نیا مصنف کہتا ہے کہ ہمارا مقصد یہ ہیکہ نوجوان اسلام کے دلوں کا تزکیہ کیا جائے اور انہیں ایمانی اخلاق سے معمور کردیا جائے، یعنی اسکا مقصد یہ ہیکہ بدعتوں کا نہ ذکر کیا جائے اور نہ ہی ان پر رد کیا جائے کہ کہیں لوگ اس کی مجلس سے بھاگ نہ جائیں۔

دراصل اس کا مقصد لوگوں کی بھیڑ اکٹھا کرنا ہے، وہ یہ نہیں کہنا چاہتا کہ جو غلطی کرے تو اس سے کہا جائے کہ تم نے غلط کیا ہے، اور جو بدعت کا ارتکاب کرے اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو، تم نے بدعت کا ارتکاب کیا ہے، اور جو شریعت کی مخالفت کرے اس سے کہا جائے کہ تم نے شریعت کی مخالفت کی ہے۔

بلکہ یہ لوگ ان داعیوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا واحد مقصد زیادہ سے زیادہ پیروکار اکٹھا کرنا ہوتا ہے جو ان کی باتوں پر تالی بجائیں اور نعرہ لگائیں، اور ایسے ہی لوگ زیادہ تر سلفی منہج پر نقد کرتے ہیں وہ سلفی جو بدعت کو بدعت اور سنت کو سنت کہتا ہے، اور لوگوں کو سنت کی طرف دعوت دیتا ہے۔

یہ بہت ہی خطرناک اور سنگین معاملہ ہے کہ آپ نوجوانوں کو دھوکہ دیں اور کہیں بدعتوں کا ذکر کرو

گے اوران پرردکروگے تو لوگوں کوتشویش ہوگی، یہ غلط بات ہے۔

مصنف کہتا ہے کہ آج کل بہت سی بدعتیں ایسی ہیں جن کاارتکاب کرنے والا مشکل سے کوئی ملے گا!!

یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ حقیقت کے خلاف ہے،صوفیوں کی بدعتیں کثرت سے موجود ہیں،ان کے سلسلے اکثر ممالک میں پائے جاتے ہیں،ان کی مجلسیں ہوتی ہیں،صوفیوں کے بڑے بڑے مشائخ ہوتے ہیں، موجودہ تصوف بدعات سے بھرا ہوا ہے۔

اسی طرح علم کلام کی بدعت بھی پھیلی ہوئی ہے، چنانچہ جولوگ علم کلام، فلسفہ اور منطق پڑھتے ہیں ان کی تعداد بہت ہے، ایسی صورت حال میں ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ بدعتوں کے مرتکبین کا وجود آج مشکل سے ملے گا!!!

صوفیت کے نشوونما کے تعلق سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ صوفیت کا آغاز دراصل بصرہ سے ہوا ہے، ابتداء میں یہ وہ عابد وزاہد تھے جو دنیا کی زیب وزینت سے کٹ کر الگ ہوگئے اور عبادت میں مشغول ہوگئے،اور یہ کسی قدر مقبول ہوسکتا ہے،اور یہ مطلوب بھی ہے، پھر آگے کہتے ہیں کہ پھر اسکے بعدان کے اندر الحاد اور زندقہ داخل ہوگیا،اور صوفیت وحدت الوجود اور ابن عربی کے دین کا نام پڑگیا،وہ ابن عربی جس نے کائنات کے اندر دوئی (خالق ومخلوق) کا انکار کرکے یہ دعوی کیا کہ اس کائنات میں صرف ایک ہی آنکھ ہے!

العبد رب والرب عبد   فليت شعري من المكلف؟

ترجمہ: بندہ ہی رب ہے اور رب ہی بندہ ہے، کاش مجھے پتہ چلتا کہ مکلف کون ہے؟

یعنی کون کسے مکلف بناتا ہے جب بندہ رب ہے اور رب بندہ ہے؟ یہی ابن عربی کا دین ہے یعنی وحدت الوجود کا دین۔

ابن عربی گمراہ گروہ اصحاب وحدت الوجود کا بانی اور امام ہے، اسے یہ لوگ شیخ اکبر کہتے ہیں،

اور جہاں تک مصنف کا یہ کہنا کہ اس وقت نہ کوئی بدعت ہے اور نہ کوئی اسکا ارتکاب کرنے والا، تو یہ صحیح ہے کہ وحدت الوجود کے ماننے والے بظاہر اس کا اعلان نہیں کرتے مگر یہ عقیدہ انکے اندر موجود ہے اور یہ ابن عربی کو خاتم الاولیاء مانتے ہیں، اسکی تقدیس کرتے ہیں۔

بوطی پر تعجب ہوتا ہے کہ اس نے اپنی کتاب [کبری الیقینیات] کے اندر معتزلہ کی تکفیر کی ہے جو خود اسکے بہت سے اعتقادات میں شریک ہیں، ساتھ ہی بوطی یہ نصیحت کرتا ہے کہ ابن عربی کی تکفیر نہ کی جائے، حالانکہ معتزلہ اور اشاعرہ دونوں خلق قرآن کے عقیدہ میں ایک ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ بوطی جس وقت معتزلہ کی تکفیر کر رہا تھا اس وقت اسکی عقل کہاں چلی گئی تھی؟!

یہاں شاہد یہ ہیکہ جو لوگ کتاب وسنت اور سلف صالح کی منہج کی مخالفت کرتے ہیں ان کے یہاں اس طرح کے تناقضات اور تضادات پائے جاتے ہیں بلکہ ایک ہی کتاب کے اندر تضاد کی باتیں پائی جاتی ہیں۔

سوال نمبر ۸۴:

سائل کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَمَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ) ترجمہ: اور تم یہ یقین رکھو کہ جو (خیر وشر) تمہیں پہنچا ہے تم سے چوکنے والا نہ تھا، اور جو تم سے چوک گیا وہ تمہیں پہنچنے والا نہیں تھا۔

کیا یہ نبوی محمدی اصول یہ بات کیلئے کافی ہے کہ دنیوی اور دینی تمام مصائب میں اس سے حجت پکڑ سکتے ہیں اور اسے عذر کے طور پر پیش کر سکتے ہیں؟

جواب:

اگر سائل یہاں تقدیر سے حجت پکڑنا مراد لے رہا ہے، کہ اگر کوئی انسان کسی معصیت میں ملوث ہو جائے اور اس سے کہا جائے کہ اللہ سے توبہ کرو اور معصیت چھوڑ دو تو وہ کہے: یہ تو میرے حق میں مقدر تھا کہ میں معصیت کا ارتکاب کروں، تو ایسا سوچنا حرام ہے، اور یہ تقدیر کو شریعت کے مقابلے میں کھڑا کرنا ہے، چنانچہ معصیت کے ارتکاب کرنے اور اس پر اصرار کرنے پر تقدیر سے احتجاج نہیں کر سکتے، برخلاف مصائب میں مبتلا ہونے کے، کہ اگر کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے اور کہو کہ اللہ نے اسے مقدر کیا تھا، یا اسی طرح اگر معصیت کا ارتکاب کر لیا اور پھر توبہ کر لیا، پھر توبہ کے بعد اگر کوئی ملامت کرتا ہے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ کیا تم میری ملامت ایسی چیز پر کر رہے ہو جسے اللہ نے مجھ پر مقدر کر دیا تھا اور پھر میں نے اس سے توبہ کر لیا، تو یہ بعض اہل علم کے بقول جائز ہے، اور یہ لوگ سیدنا آدم اور سیدنا موسی کے مناظرہ سے احتجاج کرتے ہیں، کہ موسی علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کی ملامت کی اس بات پر کہ وہ ہمیں جنت سے نکلنے کا سبب بنے چنانچہ انہوں نے کہا جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " حَاجَّ مُوسَى آدَمَ، فَقَالَ لَهُ: أَنْتَ الَّذِي أَخْرَجْتَ النَّاسَ مِنَ الْجَنَّةِ بِذَنْبِكَ وَأَشْقَيْتَهُمْ،

قَالَ: قَالَ آدَمُ: يَا مُوسَى، أَنْتَ الَّذِي اصْطَفَاكَ اللَّهُ بِرِسَالَتِهِ وَبِكَلَامِهِ أَتَلُومُنِي عَلَى أَمْرٍ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي أَوْ قَدَّرَهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے بحث کی اور ان سے کہا کہ آپ ہی نے اپنی غلطی کے نتیجہ میں انسانوں کو جنت سے نکالا اور مشقت میں ڈالا۔ آدم علیہ السلام بولے کہ اے موسیٰ! آپ کو اللہ نے اپنی رسالت کے لیے پسند فرمایا اور ہم کلامی کا شرف بخشا۔ کیا آپ ایک ایسی بات پر مجھے ملامت کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے بھی پہلے میرے لیے مقرر کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چنانچہ آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر بحث میں غالب آ گئے۔

چنانچہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ یہاں پر مصیبت کے ذریعے احتجاج کیا گیا ہے نہ کہ اس معصیت پر جس کا ارتکاب آدم علیہ السلام نے کیا تھا، پھر اس سے توبہ کر لیا تھا، بلکہ وہ مصیبت جس نے انہیں جنت سے نکالا تھا، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ توبہ کے بعد معاصی سے بھی احتجاج کر سکتے ہیں؛ کیونکہ اس وقت وہ تقدیر سے احتجاج نہیں کرتا ہے تاکہ وہ معصیت کا ارتکاب کرتا رہے، اور جو کہ جائز نہیں ہے۔

اور سائل نے جس حدیث کے ٹکڑے کو لیکر سوال کیا ہے وہ ابن ماجہ کی روایت ہے جو اس طرح ہے:

عَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ، قَالَ: وَقَعَ فِي نَفْسِي شَيْءٌ مِنْ هَذَا الْقَدَرِ خَشِيتُ أَنْ يُفْسِدَ عَلَيَّ دِينِي وَأَمْرِي، فَأَتَيْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، فَقُلْتُ: أَبَا الْمُنْذِرِ، إِنَّهُ قَدْ وَقَعَ فِي نَفْسِي شَيْءٌ مِنْ هَذَا الْقَدَرِ فَخَشِيتُ عَلَى دِينِي وَأَمْرِي، فَحَدِّثْنِي مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَنْفَعَنِي بِهِ، فَقَالَ: لَوْ أَنَّ اللَّهَ عَذَّبَ أَهْلَ سَمَاوَاتِهِ، وَأَهْلَ أَرْضِهِ، لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ

ظَالِمٍ لَهُمْ، وَلَوْ رَحِمَهُمْ لَكَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ أَعْمَالِهِمْ، وَلَوْ كَانَ لَكَ مِثْلُ جَبَلِ أُحُدٍ ذَهَبًا، أَوْ مِثْلُ جَبَلِ أُحُدٍ تُنْفِقُهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، مَا قُبِلَ مِنْكَ حَتَّى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ، فَتَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَأَنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ، وَأَنَّكَ إِنْ مُتَّ عَلَى غَيْرِ هَذَا دَخَلْتَ النَّارَ، وَلَا عَلَيْكَ أَنْ تَأْتِيَ أَخِي عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ فَتَسْأَلَهُ،

فَأَتَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ فَسَأَلْتُهُ، فَذَكَرَ مِثْلَ مَا قَالَ أُبَيٌّ، وَقَالَ لِي، وَلَا عَلَيْكَ أَنْ تَأْتِيَ حُذَيْفَةَ، فَأَتَيْتُ حُذَيْفَةَ فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَا، وَقَالَ: ائْتِ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَاسْأَلْهُ،

فَأَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " لَوْ أَنَّ اللَّهَ عَذَّبَ أَهْلَ سَمَاوَاتِهِ، وَأَهْلَ أَرْضِهِ، لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ، وَلَوْ رَحِمَهُمْ لَكَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ أَعْمَالِهِمْ، وَلَوْ كَانَ لَكَ مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا، أَوْ مِثْلُ جَبَلِ أُحُدٍ ذَهَبًا تُنْفِقُهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، مَا قَبِلَهُ مِنْكَ حَتَّى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ كُلِّهِ، فَتَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَمَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ، وَأَنَّكَ إِنْ مُتَّ عَلَى غَيْرِ هَذَا دَخَلْتَ النَّارَ ".

ترجمہ: عبداللہ بن فیروز دیلمی کہتے ہیں کہ میرے دل میں اس تقدیر کے سلسلے میں کچھ شبہات پیدا ہوئے، اور مجھے ڈر لاحق ہوا کہ کہیں یہ شبہات میرے دین اور میرے معاملے کو خراب نہ کر دیں، چنانچہ میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور عرض کیا: ابوالمنذر! میرے دل میں اس تقدیر کے سلسلے میں کچھ شبہات وارد ہوئے ہیں، مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا دین اور میرا معاملہ خراب نہ ہو جائے، لہٰذا آپ اس سلسلہ میں مجھ سے کچھ بیان کریں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے کچھ فائدہ پہنچائے، انہوں نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ

تمام آسمان وزمین والوں کو عذاب دینا چاہے تو انہیں عذاب دے سکتا ہے، اور وہ ظالم نہیں ہو گا، اور اگر ان پر رحم کرے تو اس کی رحمت ان کے حق میں ان کے اعمال سے زیادہ بہتر ہے، اور اگر تمہارے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو (یا کہا: احد پہاڑ کے برابر مال ہو) اور تم اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دو، تو یہ اس وقت تک قبول نہیں ہو گا جب تک کہ تم تقدیر پہ ایمان نہ لاؤ، تم یہ یقین رکھو کہ جو (خیر وشر) تمہیں پہنچا وہ تم سے چوکنے والا نہ تھا، اور جو تمہیں نہیں پہنچا وہ تمہیں پہنچنے والا نہیں تھا، اور اگر تم اس اعتقاد کے علاوہ پر مرے تو جہنم میں داخل ہو گے، اور کوئی حرج نہیں کہ تم میرے بھائی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو۔

عبداللہ بن فیروز دیلمی کہتے ہیں: میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور ان سے پوچھا، تو انہوں نے بھی وہی بتایا جو ابی رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا، اور مجھ سے کہا: کوئی مضائقہ نہیں کہ تم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔

چنانچہ میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے پوچھا تو انہوں نے بھی وہی بتایا جو ان دونوں (ابی بن کعب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے بتایا تھا، اور انہوں نے کہا: تم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے بھی پوچھ لو۔

چنانچہ میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور ان سے بھی پوچھا، تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ”اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان وزمین والوں کو عذاب دینا چاہے تو انہیں عذاب دے سکتا ہے، اور وہ ظالم نہیں ہو گا، اور اگر ان پر رحم کرے تو اس کی رحمت ان کے حق میں ان کے اعمال سے بہتر ہے، اور اگر تمہارے پاس احد کے برابر سونا یا احد پہاڑ کے برابر سونا ہو، اور تم اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو وہ اس وقت تک تمہاری جانب سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول نہ ہو گا جب تک کہ تم پوری تقدیر پہ کلی طور پر ایمان نہ لاؤ، اور تم یہ یقین رکھو کہ جو (خیر وشر) تمہیں پہنچا ہے تم سے

چوکنے والا نہ تھا، اور جو تم سے چوک گیا وہ تمہیں پہنچنے والا نہیں تھا، اور اگر تم اس عقیدہ کے علاوہ پر مرے تو جہنم میں داخل ہوگے"۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مقدر کر رکھا ہے، تقدیر کو اصابت سے تعبیر کیا، اس لئے کہ تقدیر کا لکھا ہو کر رہے گا، تو جو کچھ تقدیر تھی اللہ تعالیٰ نے اسے بندہ کے حق میں لکھ دی ہے وہ اس کو مل کر رہے گی، مقدر کو ٹالنے کے اسباب اختیار کرنے کے بعد بھی وہ مل کر رہے گا، انسان سے وہ خطا نہیں کرے گا۔ ایک معنی یہ بھی ہے کہ تم کو جو کچھ بھی پہنچ گیا ہے اس کے بارے میں یہ نہ سوچو کہ وہ تم سے خطا کرنے والی چیز ہے، تو یہ نہ کہو کہ اگر میں نے ایسے ایسے کیا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔

اس لئے کہ اس وقت تم جس حالت سے دوچار ہوئے اس کا ٹلنا ناممکن ہے، تو تمہارا ہر اندازہ اور ہر تدبیر اس تقدیر کے وقوع پذیر ہونے میں غیر موثر ہے، حدیث کی شرح دونوں معنوں میں صحیح ہے، پس اللہ تعالیٰ نے بندہ کے حق میں جو کچھ مقدر کر رکھا ہے وہ اس کو مل کر رہے گا، اس کا خطا کر جانا ناممکن ہے۔

اس بات پر ایمان کے نتیجہ میں مومن ایمان کا مزہ چکھے گا، اس لئے کہ اس ایمان کی موجودگی میں آدمی کو اس بات کا علم اور اس پر اطمینان ہوگا کہ مقدر کی بات لابدی اور ضروری طور پر واقع ہوگی، اس کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی اپنے بچوں کو لے کر کسی تفریح گاہ میں سیر و تفریح کے لئے جاتا ہے، اور اس کا بچہ وہاں گہرے پانی میں ڈوب کر مر جاتا ہے، تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ اگر وہ سیر کے لئے نہ نکلا ہوتا تو وہ بچہ نہ مرتا۔

اس لئے کہ جو کچھ ہوا یہ اللہ کی طرف سے مقدر تھا، اور تقدیر کے مطابق لازمی طور پر ہوا جس کو روکا نہیں جا سکتا تھا، تو جو کچھ ہونے والی چیز تھی اس نے خطا نہیں کی، ایسی صورت میں انسان کو اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس صورت حال پر اللہ کے فیصلہ پر صبر کرتا ہے بلکہ اس پر راضی ہوتا ہے، اور اس کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ جو کچھ ہوا اس سے فرار کی کوئی صورت نہیں تھی، اور دل میں ہر طرح کے اٹھتے خیالات اور

اندازے سب شیطانی وساوس کے قبیل سے ہیں، پس آدمی کو یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ اگر میں نے ایسا کیا ہوتا تو ایسا اور ایسا ہوتا، کیونکہ (لو) شیطان کی دخل اندازی کا راستہ کھول دیتا ہے۔

اس معنی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے: (مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ [22] لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ) یعنی: "نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے، نہ (خاص) تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے، تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو، اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ، اور اترانے والے شیخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔" (سورۃ الحدید: ۲۲-۲۳)

آدمی اگر تقدیر پر یقین کرے تو مصائب وحوادث پر اس کو اطمینان قلب ہوگا، اور وہ اس پر صبر کرے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہوگا، اور اسے ایمان کی حلاوت کا احساس ہوگا۔ حدیث کا دوسرا ٹکڑا: (وما أخطأك لم يكن يصيبك) پہلے فقرے ہی کے معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو تقدیر میں نہ ہونا لکھ دیا ہے، وہ کبھی واقع نہیں ہوسکتی۔

مثلاً اگر ایک آدمی نے کسی تجارت گاہ کا رخ کیا، لیکن وہاں پہنچنے پر پتہ چلا کہ بازار بند ہوگیا، تو اس کو کہا جائے گا کہ یہ تجارتی فائدہ جو تم کو نہ ملا، اسے تم کو ہرگز ہرگز نہ ملنا تھا چاہے تم اس کے لئے جتنا بھی جتن اور کوشش کرتے، یا ہم یہ کہیں کہ یہ تم کو حاصل ہونے والا نہ تھا اس لئے کہ معاملہ اللہ کے قضا و قدر کے مطابق طے ہونا تھا، آدمی کو اس عقیدہ کا تجربہ کرکے یہ دیکھنا چاہیئے کہ کیا اس کے بعد اس کو ایمان کی حلاوت کا احساس ہوا یا نہیں۔

سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ انسان تقدیر پر ایمان رکھے، اور شیطانی وسوسوں سے بچے، اور تقدیر کے

منکروں سے میل جول نہ رکھے بلکہ ان سے دور رہے، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کے اچھے اعمال بغیر ایمان کے ہرگز قبول نہیں ہوتے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر انسان اس قضاو قدر کے اسلامی عقیدہ کے سوا کسی اور عقیدہ پر مرا تو وہ جہنم میں جائے گا، مراد اس سے جہنم میں ہمیشہ رہنے کا نہیں ہے، جیسے کافروں کے لئے جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے، اس لئے کہ اہل قبلہ اپنے گناہوں کی سزا میں عذاب پانے کے بعد اگر وہ موحد ہیں تو جہنم سے نکالے جائیں گے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۸۵:

کیا غیر شرعی طریقے پر فیصلہ کرنا کفر صریح ہے یا نہیں؟

جواب:

اہل علم نے اس سوال کا جواب تفصیل سے دیا ہے اللہ تعالی کے اس قول کے پاس: {وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ} ترجمہ: اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالی نے فرمایا: {وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ} ترجمہ: اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ} ترجمہ: اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔

یہاں پر اللہ تعالی نے ان لوگوں پر جو غیر شرعی طریقے سے فیصلہ کرتے ہیں کفر، ظلم اور فسق کا حکم لگایا ہے، سوال یہ ہیکہ یہاں کفر، فسق اور ظلم کی کیا نوعیت ہے؟ اور کیا ان میں کچھ فروق پائے جاتے ہیں؟

جواب:

پہلا: ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

فسق کہتے کہ اللہ کی اطاعت سے نکل جائے، دین اسلام سے نکل جائے، اللہ کی شریعت سے نکل جائے، اور یہ کفر ہے۔

ظلم کہتے ہیں کسی چیز کو اس کے مناسب جگہ پر نہ رکھ کر غیر مناسب جگہ پر رکھ دیا جائے، چنانچہ جس نے غیر شرعی طریقے سے فیصلہ کیا اس نے فیصلے کو اس کے مناسب جگہ پر نہیں رکھا، اور یہی ظلم، فسق اور کفر ہے۔

چنانچہ ان تینوں الفاظ کے معانی تقریباً ایک ہی ہیں، ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، مگر سوال

یہ ہیکہ یہاں پرکفر کی نوعیت کیا ہے؟ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہاں کفر دون کفر مراد ہے۔اور یہ تفسیر کئی لوگوں نے آپ سے نقل کیا ہے، مگر اس مناسبت سے جو بات شارح طحاویہ نے نقل کیا ہے جسکی تفصیل یہ ہیکہ جس نے غیر شرعی طریقے سے فیصلہ کیا اس اعتقاد سے کہ وضعی قانون یا تقلیدی قانون وعادات ہی شریعت کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے یا یہ اعتقاد کیا کہ وہ شرعی قانون کے برابر ہے اور امت کیلئے اس وقت یہی مناسب ہے، چنانچہ جو یہ اعتقاد رکھے تو یہ صریح کفر ہے۔

یعنی جو غیر شرعی قوانین کی افضلیت یا برابری کا اعتقاد رکھا تو یہ کفر صریح ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دوسری قسم:

کوئی انسان غیر شرعی طریقے پر فیصلہ کرے اور یہ اعتقاد رکھے وہ غلطی کر رہا ہے اور یہ کہ وہ ظالم ہے، اپنے اس تصرف میں گنہگار ہے، اور جو شرعی قانون ہے وہی حق ہے، مگر وہ جس ماحول میں ہے وہ ماحول اور نفس امارہ اس پر غالب آگیا جس کی وجہ سے وہ یہ فیصلہ کر رہا ہے، تو یہ کفر اصغر ہے جسے کفر دون کفر کہا جاتا ہے، یعنی یہ صریح کفر یا کفر اکفر نہیں ہے کہ جس سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا، بلکہ یہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مانا جائے گا، اور یہ عملی کفر کہلائے گا نہ کہ اعتقادی کفر جس سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

تیسری قسم:

قاضی یا حاکم نے اجتہاد کیا اور شرعی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے لئے پوری محنت صرف کر دی اور فقہی اور حدیثی اصولوں کا استعمال بھی کیا اور مسئلے کا اچھی طرح دراسہ بھی کیا مگر غلطی کر گیا، تو یہ شخص بھی اجر کا مستحق ہوگا البتہ اسے صرف ایک اجر ملے گا، اسکا مواخذہ نہیں ہوگا۔

یہیں سے ہمیں پتہ چلا کہ بہت سارے کبار علماء اور ائمہ دین جنہوں نے نصوص صفات کو سمجھنے کیلئے

پوری کوشش صرف کردی تاکہ انہیں اسی طرح سمجھ لیں جس طرح اللہ اوراسکے رسول نے مراد لیا ہے، اسی طرح عبادت کے باب میں، مگران سے غلطی ہوگئی، اور وہ کسی ایسے استاذ کوبھی نہ پاسکے جوانہیں رہنمائی کرتا، اسی لئے انہوں نے تاویل کردی اور بہت ساری بدعتوں میں واقع ہوگئے، بلکہ بسااوقات شرکیہ امورمیں واقع ہوگئے، مگران کا یہ قصد نہیں تھا بلکہ وہ یہی گمان کرتے رہے کہ جس عقیدہ اورمنہج پر ہیں وہی صحیح ہے، بلکہ وہ منہج اسی منہج کے مطابق ہے جسے رسول اللہ ﷺ لیکر آئے ہیں، ایسے لوگ معذور ہوں گے؛ اسلئے کہ ان لوگوں نے اجتہاد کیا ہے، انہوں نے کتاب وسنت پر عمل کرنے کی کوشش کی مگر اپنی کوشش میں ناکام رہے۔

اس موضوع کوختم کرنے سے پہلے یہ تنبیہ کرنا چاہوں گا ک غیر شرعی طریقے سے فیصلہ کرنے سے مراد صرف وضعی قوانین ہی نہیں ہیں، بلکہ اس سے ہروہ چیز مراد ہے جو رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مخالف ہو، چنانچہ اگر کوئی اپنے سماج میں رائج اصول وضوابط اورعادات وتقالید کی روشنی میں فیصلہ کرے تو وہ بھی اس میں شامل ہوگا، جیسے کہ وہ لوگ جوعورتوں کو میراث نہیں دیتے بلکہ صرف مردوں کیلئے متعین کردیا ہے، چنانچہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اسلئے کہ اللہ تعالی کا فرمان صاف ہے، ارشاد باری ہے: {وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ} ترجمہ: اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔

یہ آیت تمام امور کو شامل ہے، وباللہ التوفیق۔

۞۞۞

سوال نمبر ۸۶:

کتاب [احیاء علوم الدین] کے بارے میں فیصلہ کن بات کیا ہے؟

جواب:

اس تعلق سے بات گزر چکی ہے کہ غزالی کی دیگر کتابوں کی بنسبت یہ کتاب زیادہ بہتر ہے، مگر اسکا معنی یہ نہیں ہے کہ یہ مواخذہ سے خالی ہے، بلکہ اس پر بھی بہت سے مواخذات ہیں، لوگوں کے بیانات اس کتاب کے تعلق سے مختلف ہے جسکی وجہ یہ ہیکہ غزالی کی کتابیں ایک دوسرے سے متناقض ہیں اور سب تصوف اور فلسفہ سے بھری ہوئی ہیں، کہا جاتا ہے کہ غزالی ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فلسفہ اور تصوف کو ایک ساتھ ملایا ہے، البتہ غزالی کی بعض آخری کتابوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے منہج سلف کی تعریف کی ہے، اور کہا ہے کہ بہتری اور بھلائی منہج سلف میں ہے، اور ان کتابوں میں علم کلام کی مذمت کی ہے۔

اگر میری کتاب [الصفات الالھیۃ] بڑے پیمانے پر متوفر ہوتی تو کہتا کہ اسی کتاب کی طرف رجوع کریں، اسلئے کہ اس کے اندر جب میں نے بڑے بڑے علمائے کلام پر مناقشہ کیا ہے تو ان میں غزالی کا بھی ذکر کیا ہے، اور ان کی بعض کتابوں اور بعض کلام کا بھی ذکر کیا ہے، اور ساتھ ہی مراجع کا بھی ذکر کیا ہے۔

چنانچہ میری اس کتاب کے اندر آپ غزالی، شہرستانی، رازی، امام الحرمین، والد امام الحرمین اور ابوالحسن اشعری سب کو پاجاؤ گے، میں نے ان سب پر کلام کیا ہے، اس وقت یہ کتاب زیر طباعت ہے ان شاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آجائے گی۔ (اور الحمدللہ اب منظر عام پر آچکی ہے۔ مترجم۔)

شاہد یہ ہیکہ غزالی کی کتابوں کے تعلق سے لوگ حیران ہیں کیونکہ ان کی کتابیں متناقض اور تضاد سے پر ہیں، کیونکہ وہ صوفی مزید فلسفی تھے، پھر آخر میں جیسا کہ کہا جاتا ہے فلسفہ اور صوفیت سے توبہ کرلیا تھا اور جس

وقت ان کی وفات ہوئی تھی صحیح بخاری انکے سینے پر تھی، جیسا کہ ان کی کتاب [اِلجام العوام] اور دیگر چھوٹے رسائل سے پتہ چلتا ہے اگر ان کتابوں کی نسبت انکی طرف درست ہے، فی الحال میں ان رسائل کا نام نہیں جانتا مگر میری کتاب الصفات الالھیۃ میں ان کا ذکر موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: اگر یہ کتابیں اور چھوٹے رسائل جنہیں آخری عمر میں لکھا ہے، اگر وہ صحیح ہیں، تو یہی امید ہے کہ اللہ نے انکا خاتمہ بالخیر کیا ہوگا، مگر ان رسائل سے پہلے وہ تصوف اور فلسفہ دونوں میں غرق تھے۔

کوئی کہتا ہے: غزالی بالاتفاق حجۃ الاسلام ہیں۔

یہ ایسا کلام ہے جسے ایک طالب علم نہیں کہہ سکتا، اس کے اندر حد درجہ مبالغہ اور جذباتیت ہے، ہم طلبہ کو نصیحت کرتے ہیں کہ ایسے مبالغہ آمیز القاب سے پرہیز کریں، کیونکہ سلف اس طرح کے القاب استعمال نہیں کرتے تھے۔

اس طرح مطلق کلام کسی کے بارے میں نہیں کہنا چاہئے۔ میں سائل سے پوچھوں گا کہ یہ اجماع کہاں سے آیا؟ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ علمائے مسلمین نے غزالی کے حجت الاسلام ہونے پر اتفاق کیا ہے؟ اور حجت الاسلام کا کیا معنی ہوتا ہے؟ وہ اسلام کے لئے حجت ہیں یا اسلام کے خلاف حجت ہیں؟ یہ ایسا لقب ہے جسکا کوئی معنی نہیں، ایسی بات وہ لوگ کرتے ہیں جو علماء کی تعظیم میں حد درجہ غلو کرتے ہیں۔

اسی طرح یہ لوگ امام الحرمین کہتے ہیں، اور اس سے ابوالمعالی عبدالملک کو مراد لیتے ہیں جو کہ ماوراء النہر کے ہیں، انہوں نے حرمین میں کبھی بھی امامت نہیں کرائی ہے، دونوں حرم میں سے کسی ایک میں بھی کبھی ایک وقت کی بھی امامت نہیں کرائی ہے، مکہ کے اندر مسجد حرام میں انہوں نے پانچ سال تک درس دیا ہے، پھر وہاں سے مدینہ گئے، اور وہاں سے پھر طہران چلے گئے، پھر وہیں اپنے ہی وطن میں رہے، مگر ان کے علاقے کے لوگوں نے اس قدر مبالغہ کیا کہ جب وہ بلاد حرمین سے واپس آئے

تو انہیں امام حرمین کہنا شروع کر دیا کہ یہ امام حرمین ہیں حرمین سے آئے ہیں، کیا یہ صحیح ہے کہ جو بلاد حرمین ہو کر آیا ہو اسے امام حرمین کہا جائے، یہ سب مبالغہ ہے جو کبار علماء کے تعلق سے اکثر پایا جاتا ہے۔

شاہد یہ ہیکہ غزالی ایک اصولی فقیہ عالم تھے، مگر انہیں علم حدیث میں دسترس حاصل نہیں تھا، اسی لئے انہوں نے اپنی کتابوں کو ہر طرح کی حدیثوں اور آثار سے بھر دیا، یہ مذہب شافعیہ میں ایک فقیہ اور اصولی مانے جاتے ہیں، وہ بھی آراء واقوال میں نہ کہ دلائل میں۔

اور اگر آپ تصوف پر اختصار سے کچھ جاننا چاہتے ہیں تو میں مجموع فتاوی ۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی جلد نمبر ۱۱ کی طرف احالہ کروں گا، جس کے اندر آپ نے یہ بتلایا ہے کہ تصوف کی نشو ونما کیسے اور کہاں ہوئی ہے؟ بصرہ میں ہوئی ہے، اور اس کا کیا سبب رہا ہے؟ کچھ لوگوں نے ترک دنیا کر کے زہد وتقشف اختیار کرلیا، اور عبادت کیلئے الگ تھلگ ہو گئے، یہ ٹھیک ٹھاک تصوف تھا، اسکے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھر ان کے اندر زندقہ اور الحاد آ گیا۔

مگر موجودہ دور کے صوفی جن کے ساتھ ہم رہتے ہیں انہیں اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہوں نے دنیا کمانے کیلئے دین کو ایک وسیلہ بنا رکھا ہے، نہ کہ مقصد اور غایت، بلکہ غایت اور مقصد یہ ہیکہ عوام کو مسخر کرلیں کبھی یہ دعوی کر کے کہ شیخ اڑ سکتا ہے، وہ مریدین کے سینوں کے راز کو جانتے ہیں، اسی طرح یہ عوام کو مسخر کرتے ہیں تاکہ اپنی پرستش کروائیں اور کوئی اعتراض نہ کرے، اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھائیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین کو دنیاوی زندگی کیلئے وسیلہ بنا رکھا ہے۔

سوال نمبر ۸۷:

اللہ کی معیت کی صفت کے بارے میں کتنی بار سوال کئے گئے ہیں؟

جواب:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ کی معیت اسکے بندوں کے ساتھ حقیقی ہوتی ہے، آپ کی یہ عبارت آپ کی کتاب [الفتوی الحمویہ] میں بھی موجود ہے جسے ہم اس وقت مسجد نبوی میں پڑھ رہے ہیں، بعض طلبہ کو اس عبارت سے غلط فہمی ہوگئی ہے، اور اس سے معیت ذات سمجھ لیا، ممکن ہے بعض لوگوں نے اسی مفہوم کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی منسوب کردیا ہے کہ آپ بھی معیت ذات کے قائل تھے، مگر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کسی بھی کتاب میں معیہ ذاتیہ کا لفظ ثابت نہیں کرسکتے ، نہ ہی آپ کے اور نہ ہی ابن کثیر کے کلام میں اور نہ ہی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کسی دوسرے شاگرد کے کلام میں، یہ کلمہ کہیں نہیں ملے گا، بس اتنا ہی ملے کہ یہ معیت حقیقی ہے۔

مگر آج کے نوجوان طلبہ جو متوسطہ، ثانویہ یا کلیہ اولی کے مراحل میں ہیں وہ اس کے سمجھنے میں غلطی کرجاتے ہیں، اس میں تو بڑے بڑے لوگ غلطی کرچکے ہیں، لیکن بعد میں رجوع کیا، اور یہ اعلان کیا کہ ذاتیہ کا کلمہ غلط ہے، یہاں حلول مقصد نہیں ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام (حقیقی معیت) سے ذاتی معیت سمجھنا غلط ہے، کیونکہ ایک طرف معیت ذات کہا جائے اور پھر دوسری طرف فوراً یہ کہا جائے کہ جیسا اس کی ذات کیلئے مناسب اور لائق ہے، دونوں باتوں میں حد درجہ تناقض ہے۔

کیونکہ معیت ذات کا مفہوم حلول ہوجائے گا یعنی وہ زمین میں ہمارے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے، اور وہ اللہ کی ذات کے لائق نہیں ہے، کیا کوئی مسلمان ایسا کہہ سکتا ہے کہ اسکو نیند اور اونگھ آتی ہے جیسا اسکی ذات کیلئے مناسب ہے؟! یہ جائز نہیں ہے، اسلئے یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالی اپنی ذات کے ساتھ زمین میں ہمارے ساتھ ہے یا آسمان میں فرشتوں کے ساتھ ہے، غلط ہے۔

اللہ تمام مخلوقات کے اوپر ہے اپنی ذات کے ساتھ ، اور تمام مخلوقات کے ساتھ ہے اپنے علم کے ساتھ ، جسے معیت عامہ کہتے ہیں اور اپنے نیک بندوں کے ساتھ ہے اپنے علم کے ساتھ جسے معیت خاصہ کہتے ہیں، یعنی وہ انکی حفاظت کرتا ہے، انہیں توفیق دیتا ہے اور انکی مدد کرتا ہے۔

اسلئے ضروری ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب کو صحیح سے سمجھا جائے، کیونکہ آپ کا اسلوب کوئی مشکل نہیں بہت آسان اور واضح ہے، اور اس مسئلے کو بالخصوص الفتاوی الحمویہ کے اندر واضح کردیا ہے، اور یہ کتاب مارکٹ میں موجود ہے، الگ سے بھی موجود ہے اور مجموع الفتاوی میں بھی موجود ہے، بالخصوص وہ نسخہ زیادہ لائق مطالعہ ہے جسکی تحقیق شیخ عبدالرزاق حمزہ نے کی ہے۔

پھر میں چھوٹے طلبہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اہل علم کے کلام کو خود سمجھنے کی کوشش نہ کریں بلکہ انہیں علماء پر پیش کردیا کریں۔

نوجوانوں میں ایک عجیب بات یہ ہیکہ وہ ساری باتیں خود ہی سمجھنا چاہتے ہیں، کتاب اٹھایا، مطالعہ کیا اور کہا: میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام سمجھ لیا، میں نے ابن کثیر کا کلا سمجھ لیا اور میں نے ابوالحسن کا کلام سمجھ لیا، جبکہ وہ سمجھنے میں قاصر رہا ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہیکہ علم علماء کی زبان سے حاصل کیا جاتا ہے۔

کتاب کو مشائخ پر پیش کرو، ان کے سامنے پڑھو، الحمدللہ مشائخ بہت ہیں، ہر جگہ مل جائیں گے، وہ اس کلام کو سمجھادیں گے، آپ تو (مع) کا مطلب صحیح سے نہیں سمجھ سکتے، یہاں تک کہ بتایا جائے کہ یہ مطلق مقارنہ کے معنی میں آتا ہے، اور یہ مقارنہ ذات کے اعتبار سے بھی ہوسکتا ہے اور علم کے اعتبار سے بھی ہوسکتا ہے، حفاظت اور نگرانی کے اعتبار سے بھی ہوسکتا ہے، اسی طرح مصاحبت کیلئے بھی آتا ہے، چنانچہ (مع) کے بہت سارے معانی ہوتے ہیں، اس طرح کا کلام جب سمجھ میں نہ آئے تو مشائخ پر انہیں پیش کرکے سمجھ لیا کریں۔

علم علماء کے زبان سے اور تلقین سے حاصل کیا جاتا ہے، ہمارے علماء اور سلف ایک ایک حدیث کیلئے اور اسکا معنی سمجھنے کیلئے دور دور تک کا سفر کرتے تھے تاکہ اسے سمجھیں اور انکے معانی سے آگاہی حاصل ہو جائے، اسکی سندوں کو جانیں، اور اسکے فوائد کو سمجھیں، حالانکہ ان کے پاس کتابیں بھی ہوتی تھیں۔

مگر طلب علم صرف کتابوں کے مطالعہ سے نہیں آتا، چنانچہ جو طالب علم صرف کتابوں پر بھروسہ کرتا ہے اسکی مثال اس شخص کی طرح سے ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جس کا شیخ کتاب ہو اسکے یہاں درستگی سے زیادہ غلطیاں ہوں گی۔

یہ مجرب نسخہ ہے، اسلئے کتابوں کو اپنا شیخ نہ بناؤ، کتاب استاذ نہیں ہوتی، بلکہ کتاب کو استاذ کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ کتاب کو شیخ کے سامنے پیش کرو، وہ اسکے معنی کو واضح کرے گا، پھر سمجھو گے، ورنہ پھر مدارس اور کلیات میں جانے کا کیا فائدہ ہوگا؟

یہ صحیح ہے کہ کتابوں سے سمجھ سکتے ہیں مگر کب؟ جب آپ مدارس میں ایک مدت تک مختلف موضوعات اور سبجیکٹ پر کتابیں اور اصول وضوابط سیکھ اور پڑھ لیں، نحو وصرف، بلاغہ، اصول اور مصطلح وغیرہ سے آگاہی حاصل کرلیں، اور دیگر علوم وفنون میں سے کچھ نہ کچھ عناصر اور اصول سیکھ لیں اور خود کو اسطرح بنالیں کہ اگر اسکے بعد کوئی کتاب پڑھیں تو اسے آسانی سے سمجھ سکیں، آپ کے سامنے کوئی اصولی اسلوب آجائے تو اسے سمجھ لیں، ایسا نہیں ہوسکتا کہ ابھی آپ چھوٹے ہیں ثانویہ مرحلے میں تعلیم حاصل کررہے ہیں، پھر پڑھائی چھوڑ کر کتابوں پر بھروسہ کرلیں اور مشائخ واساتذہ کے بغیر علم حاصل کرنا شروع کردیں، یہ بالکل غلط ہے۔

مجھے اس وقت بہت افسوس ہوتا ہے جب کوئی طالب علم یہ کہتا ہے کہ ممکن ہے سلف نے اس مسئلے کو نہ سمجھا ہو!!

ایک چھوٹا سا طالب علم ہے ابھی علم میں ذرا بھی پختگی نہیں آئی ہے، وہ کہہ رہا ہے کہ سلف نے

نہیں سمجھا ہوگا!! میں کہتا ہوں کہ تم نے اسے کہاں سے سمجھ لیا ہے؟ یہ طلب علم میں سلف کے ساتھ بے ادبی ہے، آپ جس استاذ سے علم کریں اسکا احترام بھی کریں، اسکا نام احترام سے لیں، اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ کسی فن کے اندر آپ استاذ سے زیادہ سمجھدار ہیں اور یہ ممکن بھی ہے، مگر آپ اس سے اس مادے میں علم حاصل کر رہے ہیں جس کے اندر اس نے تخصص کیا ہے، ایسی صورت میں آپ اسکا احترام کریں گے کیونکہ وہ احترام کے لائق ہے وہ آپ کا استاذ ہے۔

مگر یہ کہ آپ یہ ظاہر کرنے لگیں کہ آپ اس سے زیادہ سمجھ دار ہیں، اور اسی وقت آپ اس سے استفادہ بھی کرنا چاہتے ہیں تو یہ تناقض ہے، مناسب نہیں ہے، اور بہت سے نوجوان جو ہمارے پاس آتے ہیں وہ الحمدللہ اتباع سلف میں شمار ہوتے ہیں، سلفیت کے پابند ہیں، لیکن ہم بعض لوگوں سے سنتے ہیں جو مناہج اور افکار میں اتفاق نہیں رکھتے وہ ہمارے نوجوانوں پر الزام لگاتے ہیں۔

یہ دراصل ہم سب پر الزام ہے خواہ ہمارے شیوخ ہوں یا طلبہ، ضروری ہے کہ مدرسین کے ساتھ ادب واحترام سے رہا جائے، گرچہ آپ کسی انگلش استاذ سے انگلش سیکھ رہے ہوں تو اسکا بھی احترام کریں کیونکہ وہ آپ کا استاذ ہے، اس سے آپ دنیاوی اور ممکن ہے دینی بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں، بہر حال آپ کسی سے بھی کوئی بھی فن سیکھ رہے ہوں اس کا احترام کریں، آپ کسی سے علم بھی سیکھیں اور اسکا مذاق بھی اڑائیں اور اسے حقیر بھی سمجھیں یہ بہت ہی غلط بات اور سنگین ہے۔

ایسا کہنے پر میں مجبور ہوا، حالانکہ کہنا نہیں چاہتا تھا، مگر اسی شہر مدینہ ہی میں بعض نوجوانوں کا رویہ بعض مشائخ کے ساتھ میں دیکھ چکا ہوں جو کہ مناسب نہیں تھا۔

قرة عيون السلفية

یعنی سوالات وجوابات کا

ایک سلفی مجموعہ

منہج سے متعلق فتاوے:

مفاہیم کی تصحیح اور آراء کا مناقشہ

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله، وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً.

قال تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ ، ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً﴾. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيداً * يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيماً﴾.

حمد وثناء کے بعد:

اس وقت میری گفتگو کا عنوان ہوگا (**مفاہیم کی تصحیح اور آراء کا مناقشہ**)، اس وقت ہم ایسے ماحول میں جی رہے ہیں کہ ہر چہار جانب سے فتنوں کا سیلاب آیا ہوا ہے، ہمارے نوجوان حیران ہیں، آج کے فتنے تاریک رات کے ٹکڑے کے مانند ہیں، صبح کے وقت اسکی رائے کچھ ہوتی ہے شام کو کچھ اور ہو جاتی ہے، وہ جو کچھ پڑھتا، دیکھتا، سنتا ہے اس سے اس کے سامنے حق بات واضح نہیں پاتی ہے۔

اس وقت ہمارے نوجوانوں کو یہ سمجھ لینا ہوگا کہ ہمارے اردگرد ماحول میں دو طرح کے لوگ رہتے ہیں: یا تو حاسد اور حاقد ہوگا جو آپ سے حسد کرے گا، کیونکہ اللہ نے آپ کو نعمتوں سے نوازا ہے، سب سے

بڑی نعمت عقیدہ اور دین کی سلامتی ہے، شریعت پر مضبوطی سے قائم رہنا اور اسے نافذ کرنا ہے، امن و امان کی نعمت ہے اور خوشگوار زندگی ہے، کیونکہ ہر نعمت پر حسد کیا جاتا ہے، اور دوسرا وہ شخص ہوگا جو آپ کو دیکھ کر رشک کرے گا، اور رشک کرنا حسد کرنے جیسا نہیں ہوتا ہے، حسد کے اندر آدمی یہ تمنا کرتا ہے کہ فلاں کی نعمت ختم ہو جائے وہ اسے ملے یا نہ ملے، اور رشک کہتے ہیں کہ آدمی اس بات کی تمنا کرتا ہے کہ اسکے پاس بھی وہی نعمت آجائے بغیر اس کے کہ وہ نعمت اس سے ختم ہو۔

ہمیں آج کل کے ماحول میں یہ سب سوچ کر رہنا ہوگا، اور پوری بصیرت کے ساتھ چلنا ہوگا، تاکہ دوسروں کے ساتھ معاملہ داری میں محتاط رہیں اور دوست اور دشمن کا فرق معلوم ہو، اور حقیقت تو یہ ہیکہ فتنوں اور مصیبتوں نیز آزمائشوں کے وقت دوست اور دشمن کا پتہ چل جاتا ہے، کہ سچا دوست کون ہے اور چاپلوس دشمن کون ہے، سچ کہا ہے کسی شاعر نے:

جزی اللہ الشدائد کل خیر　　　عرفت بہا عدوی من صدیقی

ترجمہ: اللہ تعالی مصیبتوں کا بھلا کرے، میں اسی وقت اپنے دوست اور دشمن کو پہچانا۔

فتنوں کے وقت حقائق ظاہر ہوتے ہیں ایسے حقائق جو دلوں میں چھپے ہوتے ہیں، ایسے وقت میں غلط مفاہیم بھی جنم لے سکتے ہیں، اور بعض لوگ اسکے حامل بھی ہو سکتے ہیں، مگر وہ ان کی دعوت اسی وقت دے سکتے ہیں جب حالات سازگار نہ ہو، انارکی اور افراتفری کا ماحول ہو، اسلئے آج ہم ایک ایسے عظیم سایہ دار درخت کے سامنے ہیں جسے ہر کوئی اپنا اپنا پھاوڑا لیکر کاٹ رہا ہے، کوئی قلم سے لکھ رہا ہے، کئی ٹی وی سے خبریں نشر کر رہا ہے، کوئی کیسٹوں سے ریکارڈ کر رہا ہے، کوئی لیکچر دے رہا ہے، جو جس برتن میں ہے وہ اسے انڈیل رہا ہے، اور ہمارے نوجوان پڑھتے بھی ہیں، سنتے بھی ہیں، دیکھتے بھی ہیں، حیران ہیں، شعلہ کو کھجور سمجھ کر اٹھا لیتے ہیں اور خود اپنا نقصان اٹھاتے ہیں۔

چنانچہ جس وقت عراق نے کویت پر قبضہ کیا اور سعودی بارڈر پر عراقی افواج نے ڈیرا ڈال دیا، جس

کی وجہ سے سعودی قیادت کو حکمت پر مبنی اچھی پہل کر مظاہرہ کرتے ہوئے اجنبی افواج سے مدد لینا مجبوری ہوگئی، جس پر بہت زیادہ واویلا مچایا گیا، اس لئے یہاں پر کچھ تفصیل بتانا ضروری ہے:

میں نے حکمت پر مبنی اچھی پہل کیوں کہا؟

میں یہ بات جان بوجھ کر کہی ہے، اسلئے کہ سعودی عرب نے جس اجنبی فوج کو بلایا تھا اسی کو آگے بھیجا، اور یہ بالکل صلح حدیبیہ کے واقعے کی طرح ہے جب رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش کی نگرانی کیلئے مسلمانوں کی موجودگی کے باوجود قبیلہ خزاعہ کے ایک کافر شخص کو اختیار کیا، اس دقیق حکمت پر علامہ ابن القیم نے اپنی کتاب (زاد المعاد) کے اندر کلام کیا ہے اور اس سے حکمت کا استنباط کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک اہم کام کیلئے مسلمانوں چھوڑ کر ایک مشرک کو چنا؛ کیونکہ وہی کفار کے ساتھ مل جل کر انکی حقیقت کا پتہ لگا سکتا ہے اور ان کی طرف سے سچی اور مفید خبریں لا سکتا ہے۔

سعودی حکومت کو معلوم تھا کہ اس وقت عراقی افواج جس طرح سعودی بارڈ پر بیٹھ کر حملوں کا انتظار کر رہی ہے اس کا مقابلہ کرنے کیلئے خلیج میں کوئی فوج نہیں ہے، اور دشمن کے پاس جو اسلحہ ہے وہ ہمارے پاس نہیں ہے، اور مسلم اور عرب ممالک میں کوئی ایسا ہے بھی نہیں جس کی مدد سے انہیں روکا جاسکے، اسی لئے سعودی قیادت نے مجبور ہو کر اجنبی طاقت کا سہارا لیا جس سے دشمن کو اسکے حد میں رکھا جائے۔

اسلئے اگر مصلحت کا تقاضہ ہے کہ تو بوقت ضرورت کافر سے مدد لی جاسکتی ہے، ہم اس واقعہ سے استدلال کر سکتے ہیں، جس طرح رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عیینہ خزاعی سے مدد لی تھی، اسی لئے میں نے کہا کہ یہ عمل حکمت پر مبنی ہے۔

دراصل لوگ اسی وقت سے پوچھ رہے ہیں کہ کفار سے مدد لینے کا کیا حکم ہے؟ اور اس پر ہر کوئی اپنی اپنی رائے پیش کر رہا ہے، جس کی سمجھ میں جو آرہا ہے بولے جا رہا ہے، انہیں سارے اچھے غلط سوالات

وجوابات کی وجہ سے ہمارے نوجوان پریشان اور حیران ہیں اور چوراہے پر کھڑے نظر آرہے ہیں، اسلئے ان کی حیرانگی کو ختم کرنے کیلئے سوچا اس پر مفصل کلام کیا جائے تاکہ انہیں اطمینان ہو جائے۔

اسلئے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہوں گا کہ ایسے متضارب آراء واقوال کو متقدمین علماء کے مفاہیم پر پیش کیا جائے تاکہ وہ مفاہیم ان متضارب جوابات میں فیصل بن سکیں۔

انہیں ایام میں یعنی ماضی قریب ہی میں معروف محدث فضیلۃ الشیخ ناصر الدین البانی کی میں نے ایک کیسٹ سنی، شیخ سے میں اللہ کی خاطر محبت رکھتا ہوں لیکن جب میں نے اس کیسٹ کو سنا اور اس میں بعض غلطیاں اور ہفوات سنا تو علامہ ابن القیم کا وہ قول یاد آگیا جسے آپ نے ہروی سے مناقشہ کرتے وقت کہا تھا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حبیب ہیں مگر ہمارے نزدیک حق کی اتباع کرنا زیادہ محبوب ہے۔ اور یہاں پر میں کہتا ہوں: شیخ ناصر الدین البانی میرے حبیب ہیں، مگر آپ غیر معصوم ہیں، حق ہمارے لئے زیادہ محبوب ہے۔

اسلئے ضروری ہے کہ ہم شیخ ناصر الدین البانی کے ان آراء کا مناقشہ کریں جنہیں آپ نے اس تاریک فتنے کے تعلق سے پیش فرمایا ہے جس پر آشوب فتنے سے ہم گزر رہے ہیں، اگر یہ غلطیاں کسی طالب علم کی طرف سے ہوتیں تو نوجوانوں پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اور میں بھی ان پر کوئی کلام نہیں کرتا، اور نہ ہی اپنا وقت اس کے پیچھے لگاتا۔

مگر چونکہ مجھے معلوم ہے کہ شیخ ناصر الدین البانی ہمارے نوجوانوں کے دلوں میں بستے ہیں، ان کا ایک اثر ہے کیونکہ ان کا ایک علمی مقام ہے، اسی لئے میں نے آپ کے آراء کا مناقشہ کرنا چاہا، میں اپنے فہم کے اعتبار سے ان آراء کا مناقشہ کروں گا اور اپنے فہم سے ان میں جو غلطیاں ہیں انہیں واضح کرنے کی کوشش کروں گا، ممکن ہے دوسرے کی نظر میں میری باتیں غلط ہوں، مگر یہ کوئی اہم بات نہیں ہے، یہ اللہ کی سنت رہی ہے، ہر ایک کو حق ہے کہ وہ جو بہتر سمجھے بیان کرے اور اسے ڈنکے کی چوٹ پر کہے، اور

پھر جو چاہے اس پر رد کرے۔

سب سے میں یہ کہوں گا کہ چاہے میں ہوں یا شیخ ناصر ہر ایک کی بات لی بھی جا سکتی ہے اور رد بھی کی جا سکتی ہے، رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جس کا کلام آخری حجت ہو۔

چنانچہ جس کیسٹ کے اندر میں شیخ ناصر کلام سنا اس میں آپ میرے علم کے مطابق غیر موفق ہیں، اور جو میں حق سمجھتا ہوں اسے چاہتا ہوں کہ ذیل میں نقاط کی شکل میں بیان کر دوں:

پہلا نقطہ:

کفار سے مدد لینے کے عدم جواز پر فضیلۃ الشیخ نے صحیح مسلم کی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے جو بدر سے متعلق ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں مشرک سے مدد نہیں لیتا، اس پر تفصیلی گفتگو کروں گا ان شاء اللہ، پہلے یہ حدیث دیکھ لیں:

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: "خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ بَدْرٍ، فَلَمَّا كَانَ بِحَرَّةِ الْوَبَرَةِ أَدْرَكَهُ رَجُلٌ قَدْ كَانَ يُذْكَرُ مِنْهُ جُرْأَةٌ وَنَجْدَةٌ، فَفَرِحَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ رَأَوْهُ، فَلَمَّا أَدْرَكَهُ، قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: جِئْتُ لِأَتَّبِعَكَ وَأُصِيبَ مَعَكَ، قَالَ لَهُ: رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ؟، قَالَ: لَا، قَالَ: فَارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ، قَالَتْ: ثُمَّ مَضَى حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالشَّجَرَةِ أَدْرَكَهُ الرَّجُلُ، فَقَالَ لَهُ: كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ، قَالَ: فَارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ، قَالَ: ثُمَّ رَجَعَ فَأَدْرَكَهُ بِالْبَيْدَاءِ، فَقَالَ لَهُ: كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ؟، قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَانْطَلِقْ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف نکلے جب حرۃ الوبرہ (جو مدینہ سے چار میل پر ہے) میں پہنچے تو ایک شخص ملا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے، جس کی بہادری اور اصالت کا شہرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو اس نے کہا: میں اس لیے آیا کہ آپ کے ساتھ چلوں اور جو ملے اس میں حصہ پاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تجھے یقین ہے اللہ اور اس کے رسول کا۔" وہ بولا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو لوٹ جا میں مشرک کی مدد نہیں چاہتا۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے، جب شجرہ پہنچے تو وہ شخص پھر ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فرمایا جو پہلے فرمایا تھا اور فرمایا کہ "لوٹ جا میں مشرک کی مدد نہیں چاہتا۔" پھر وہ لوٹ گیا۔ بعد اس کے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا بیداء میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فرمایا تھا "تو یقین رکھتا ہے اللہ اور اس کے رسول پر۔" اب وہ شخص بولا: ہاں! میں یقین رکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو خیر چل۔"

دوسرا نقطہ:

شیخ نے دوسری حدیثوں کو جزئیات میں شمار کیا ہے جن کی کوئی قیمت نہیں ہے، اور آپ نے پہلی حدیث کو اصل قاعدہ بنایا ہے جس پر ساری حدیثوں کو پرکھا جائے گا جیسا کہ آپ کا نظریہ ہے۔

تیسرا نقطہ:

آپ نے کہا: (یہ جہاد کا زمانہ نہیں ہے)۔

چوتھا نقطہ:

آپ نے تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ وہ اپنے گھروں کو لازم پکڑیں، کسی کی مدد میں نہ آئیں نہ ہی سعودی کی مدد کیلئے اور نہ ہی عراق کی مدد کیلئے، یہ فتنہ ہے تمام مسلمانوں کیلئے اس لئے سب اس فتنے سے دور رہیں، وہ کسی جانبداری کا مظاہرہ نہ کریں، پھر آخر میں کہا کہ کوئی زیادتی کسی کی طرف سے نہیں ہوئی

ہے۔

پانچواں نقطہ:

شیخ نے اجنبی فوج سے مدد لینے کو قبضہ بتلایا نہ کہ مدد۔

چھٹا نقطہ:

آپ نے کہا کہ جہاد صرف اسلام کے جھنڈے کے تحت ہی ہوسکتا ہے۔

شیخ کے کلام میں بہت ساری غلطیاں ہیں مگر میں مذکورہ چھ اہم غلطیوں پر گفتگو کروں گا جنہیں میں اپنے فہم کے اعتبار سے غلطی سمجھتا ہوں۔

سب سے پہلے میں اس حدیث سے اپنی گفتگو کا آغاز کروں گا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں مشرک سے مدد نہیں لیتا۔

علامہ البانی سے پہلے دیگر اہل علم نے اس حدیث کا دو پہلو سے مفہوم نکالا ہے:

پہلا پہلو:

اہل علم نے کہا: یہ حدیث مدد کی حرمت پر دلالت نہیں کرتی ہے، کیونکہ جب اس مشرک کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی، جوکہ صحابہ کے نزدیک معروف اور بہادر شخص تھا، تو لوگ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اور یہ گمان کرنے لگے کہ اس کے ذریعے اللہ ضرور اپنے دین کی مدد کرے گا، کیونکہ اس نے ساتھ میں لڑنے کا وعدہ کیا تھا، اور بہت بہادر تھا۔

لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے سوال کیا کہ کیا وہ اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاتا ہے؟ تو اس نے کہا: نہیں، اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے واپس کر دیا اور کہا کہ میں کسی مشرک سے مدد نہیں لیتا، پھر وہ دوسری بار ملا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر وہی سوال دہرایا اور اس نے وہی جواب دیا، پھر وہ تیسری بار ملا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر وہی سوال دہرایا تو اس نے جواب دیا کہ ہاں میں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان

لاتا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر ٹھیک ہے چلو، چنانچہ وہ لڑائی میں شریک ہوا۔

علامہ شوکانی یہاں پر اہل کلام کے اقوال کو نقل کیا ہے جنہیں شیخ البانی نے نظرانداز کر دیا ہے، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ جب کسی اہم مسئلے پر تفصیلی گفتگو ہو تو وہاں پر اہل علم کے اقوال اور انکے آراء کا مناقشہ ہو، پر ان میں جو راجح ہو اسے ترجیح دی جائے، مگر ان سب سے اعراض کر کے کسی ایک چیز کو قاعدہ بنالیا جائے اور اسکی بنیاد پر دیگر حدیثوں کو نظرانداز کر دیا جائے یہ انصاف نہیں ہے۔

پہلا مفہوم:

چنانچہ اہل علم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے اسے پہلی اور دوسری بار میں جو واپس کر دیا تھا اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ وہ ایمان لے آئے، چنانچہ جب وہ ایمان لے آیا تو آپ ﷺ نے اجازت دیدی، امام شافعی کہتے ہیں: کفار سے مدد لینا مکروہ ہے سوائے ضرورت کے وقت۔

اور یہ صحیح ہے، ہم بھی ضرورت اور غیر ضرورت میں فرق کرتے ہیں، جیسا کہ اس کی تفصیل آئے گی۔

یہ اس حدیث کا پہلا مفہوم ہے۔

دوسرا مفہوم:

اہل علم نے کہا جن میں امام شافعی سب سے پہلے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے، ناسخ کیا ہے؟ ناسخ وہ واقعہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عیینہ خزاعی سے مدد لی تھی جس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے، آپ ﷺ نے اسے چنا جبکہ وہ مشرک تھا اور مسلمانوں کو چھوڑ دیا؛ اسلئے کہ اس وقت ایک مسلمان جاسوس سے مقصد پورا نہیں ہونے والا تھا، یہ مقصد صرف ایک مشرک ہی سے پورا ہوسکتا تھا۔ کیونکہ مشرک ہونے کی وجہ سے وہ جا کر مشرکوں کے بیچ میں رہ سکتا تھا، اسی لئے آپ ﷺ نے خزاعی کو چنا اور دوسرے مسلمانوں کو چھوڑ دیا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے اسکے بعد غزوہ خیبر کے موقع پر بنوقینقاع کے یہودیوں سے مدد لی تھی

اور پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حنین میں صفوان بن امیہ سے مدد لی تھی کہ اس سے سوزر ہیں لی تھیں، چنانچہ بدر کے بعد آپ ﷺ نے مختلف موقعوں پر مشرکین سے مدد لی ہے اسلئے پہلا واقعہ منسوخ ہے، اور تمام نصوص میں تطبیق کیلئے یہ طریقہ بہتر لگ رہا ہے۔

شیخ ناصر اس حقیقت کو سب سے زیادہ جانتے ہیں، مگر آپ نے تمام نصوص کو چھوڑ دیا اور ان پر کوئی علمی مناقشہ نہیں کیا صرف ایک ہی نص کو لیکر بیٹھ گئے، اسلئے کہ وہ ان کی رائے کے موافق تھا، جبکہ یہ انصاف کی بات نہیں ہے، بلکہ مختلف فیہ مسئلے میں سب سے پہلے تاریخ دیکھی جاتی ہے کہ کیا ان نصوص میں کوئی ایسا نص بھی ہے جو بعد میں کہا گیا ہو یا پیش آیا ہو، اگر ایسا ہے تو وہی متاخر والا نص ناسخ ہوگا اور متقدم نص منسوخ ہو جائے گا، اور یہی اصول ہے۔

لیکن جب یہ طریقہ ممکن نہ ہو تو پھر جمع و تطبیق دینے کی کوشش کی جاتی ہے، اور جب یہ طریقہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر ترجیح کیلئے کوشش کی جاتی ہے، اور یہ آخری مرحلہ ہے، اور شیخ ناصر ان تمام مراحل سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اور ان پر عمل بھی کرتے ہیں۔

شیخ ناصر کو جس طرح میں جانتا ہوں آپ لوگ نہیں جانتے ہیں، آپ صرف ان کی کتابیں پڑھتے ہیں اور انکے لیکچر سن لیتے ہیں، مگر ان کے ساتھ رہ چکا ہوں، ساتھ میں پڑھا ہوں اور کام بھی کیا ہوں، وہ ہمارے ساتھیوں میں سے ہیں، میں ان کے علمی مقام کو اچھی طرح سمجھتا ہوں اور اللہ کی خاطر اسی لئے محبت بھی رکھتا ہوں، مگر جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ہر شہسوار ٹھوکر کھاتا ہے اور ہر عالم غلطی کرتا ہے، تو اس مسئلے کا تعلق بھی ویسا ہی ہے۔

چنانچہ شیخ ناصر نے ایک حدیث کو لے لیا اور باقی احادیث کو ترک کر دیا، جبکہ پہلے ہی بہت سارے ائمہ دین اس حدیث کو منسوخ کہہ چکے ہیں، اور بعد والے واقعات اور احادیث کو ناسخ مانتے ہیں۔

اور جہاں تک شیخ کا یہ کہنا کہ (اس حدیث کے علاوہ دوسری حدیثوں کا تعلق جزئیات سے ہے، اس

لئے انہیں ہلکا سمجھا جائے گا) تو یہ بہت ہی خطرناک موقف ہے۔آپ کیلئے یہ بالکل مناسب نہیں تھا کہ صحیح اور ثابت حدیثوں کو جزئیات کا نام دیکر انہیں بے وقعت ثابت کرتے،اور ان سب سے اعراض کر لیتے، یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ اپنی رائے کو معتبر سمجھ کر دوسرے نصوص کی طرف توجہ نہیں دی، اور نہ دیگر اہل علم کے آراء اور انکے اقوال پر دھیان دیا جو نسخ اور جمع وتطبیق کے تعلق سے مذکور ہیں۔

یہی شیخ کی بھیانک غلطی ہے جسکی میں تکرار کر رہا ہوں، ممکن ہے میری یہ گفتگو شیخ کے پاس پہونچے اور پھر اس مسئلے کی دوبارہ آپ تحقیق کریں، جو صرف علمی تحقیق ہو،خواہشات سے بالکل دور۔

شیخ نے کہا: (یہ زمانہ جہاد کا نہیں ہے) یہ سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا!!، آخر جہاد کب ختم ہوگیا؟! اہل سنت والجماعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ حج اور جہاد مسلم حکام کے ساتھ قیامت تک جاری رہیں گے خواہ وہ نیک ہوں یا بد، جہاد کا حکم کبھی ختم نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ شیخ کا یہ قول: (یہ زمانہ جہاد کا نہیں ہے) ٹھیک نہیں ہے، غلط ہے، جہاد جاری رہے گا، اور یہ بھی نہیں دیکھا جائے گا کہ حکام کے ساتھ جہاد کرنے والے جو مسلمان ہیں وہ نیک ہیں یا بد، اسی طرح کی باتیں حدیثوں کے اندر وارد ہوئی ہیں۔

اس کے بعد شیخ سے ایک سوال ہوا کہ مسلمان اس وقت کیا کریں سعودی عرب کے ساتھ جہاد کریں یا عراق کے ساتھ، اس مسئلے میں آپ کا کیا موقف ہے؟ تو آپ نے تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ سب کو چاہئے کہ وہ الگ رہیں، اپنے گھروں کو لازم پکڑیں۔

آخر شیخ سے اس حدیث کا مقصد کیسے فوت ہوگیا جسکی طرف اشارہ کیا؟ آخر ایسا کب ہوتا ہے؟ یہ سب جانتے ہیں کہ جب بہت سارے لوگ آپس میں لڑ رہے ہوں اور کچھ پتہ نہ چلے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر، کون ظالم ہے اور کون مظلوم، تو اس وقت ایسی نصیحت کی جاتی ہے کہ آدمی اپنے گھر کو لازم پکڑے، اور ایسے فتنے سے دور رہے۔

تعجب تو یہ بھی ہے کہ ایسے موقع پر شیخ نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی نقل کیا مگر افسوس کہ نقل

کرکے گزرگئے اس سے کوئی فائدہ نہیں بتلایا، میں سمجھتا ہوں اسکی توفیق نہیں مل سکی۔

سیدنا عمار سیدنا علی کی فوج میں تھے، آپ کو ان لوگوں نے قتل کیا جو سیدنا معاویہ کی فوج میں تھے، اور بعض صحابہ نے نبی اکرم ﷺ سے یہ سن رکھا تھا کہ آپ ﷺ نے عمار کے بارے میں فرمایا ہے کہ انہیں باغی گروہ قتل کرے گا:

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لِعَمَّارٍ: " تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سیدنا عمار رضی اللہ عنہ سے: "تجھ کو قتل کرے گا ایک باغی گروہ۔" (باغی جو امام سے پھر جائے)۔

اور جب سیدنا عمار کو قتل کردیا گیا تو معلوم ہوگیا کہ حق سیدنا علی کی فوج کے ساتھ ہے اسی لئے آپ نے اس کے بعد تلوار سونت کر لڑائی کی۔

اسلئے سوال یہ ہیکہ ایک مسلمان اس لڑائی سے کب دور رہے گا جو مسلمانوں کے اندر آپس میں ہو رہی ہو؟

جب یہ پتہ نہ چلے کہ کون ظالم اور کون مظلوم ہے تو ایسی صورت میں قتال سے بچنا واجب ہے، لیکن جب یہ واضح ہو جائے کہ کون ظالم اور کون مظلوم ہے تو پھر ایسی صورت میں اپنے بھائی کی مدد کرنا واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ: اقْتَتَلَ غُلَامَانِ غُلَامٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ، وَغُلَامٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَنَادَى الْمُهَاجِرُ أَوِ الْمُهَاجِرُونَ: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ، وَنَادَى الْأَنْصَارِيُّ: يَا لَلْأَنْصَارِ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَا هَذَا دَعْوَى أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ؟ قَالُوا: لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِلَّا أَنَّ غُلَامَيْنِ اقْتَتَلَا فَكَسَعَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ، قَالَ: " فَلَا

بَأْسَ وَلْيَنْصُرِ الرَّجُلُ أَخَاهُ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا، إِنْ كَانَ ظَالِمًا فَلْيَنْهَهُ فَإِنَّهُ لَهُ نَصْرٌ، وَإِنْ كَانَ مَظْلُومًا فَلْيَنْصُرْهُ".

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو لڑکے لڑے ایک مہاجرین میں سے تھا اور ایک انصار میں سے۔ مہاجر نے اپنے مہاجروں کو پکارا اور انصاری نے اپنے انصار کو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور فرمایا: "یہ تو جاہلیت کا سا پکارنا ہے۔" (کہ ہر ایک اپنی قوم میں سے مدد لیتا ہے اور دوسری قوم سے لڑتا ہے اسلام میں سب مسلمان ایک ہیں) لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (کچھ بڑا مقدمہ نہیں) دو لڑکے لڑے ایک نے دوسرے کی سرین پر مارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو کچھ ڈر نہیں (میں تو سمجھا تھا کوئی بڑا فساد ہے) چاہیے کہ آدمی اپنے بھائی کی مدد کرے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اگر ظالم ہے تو اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے اور اگر مظلوم ہے تو اس کی مدد کرے۔" (اور ظالم کے پنجہ سے چھڑائے)۔

مظلوم کی مدد تو معلوم ہے مگر ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟ اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے، یعنی مسلمان مظلوم کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور اسکی مدد کریں؛ اسلئے کہ وہ مظلوم ہے، اور ساتھ ہی ظالم کے خلاف کھڑے ہو کر اسکے ظلم کو روکیں، اور یہی اسکی مدد ہے، اور یہاں ہمارے اس مسئلے میں یہی کرنا ہے اور اسی حدیث پر عمل کرنا ہے۔

ہم آج بھی یہی ایمان رکھتے ہیں کہ جہاد کفر اور ایمان کے بیچ میں ہوتا ہے اور توحید اور الحاد کے بیچ میں بھی ہوتا ہے، اسلئے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ملحدین مسلمان نہیں ہیں، انہوں نے صرف اسلام ہی بلکہ تمام ادیان کے ساتھ کفر کیا ہے، اسلام کا مذاق اڑایا ہے، اور یہ اعلان کیا ہے کہ اس وقت اسلام حکومت کیلئے مناسب نہیں ہے، انہوں نے اسلامی شریعت کا مذاق اڑایا ہے، جو کہ بالاتفاق ارتداد ہے۔

اور اگر یہ مان لیں کہ کچھ لوگ ملحدوں کو کافر نہیں مانتے ہیں تو بھی یہ قتال ایک مظلوم مسلمان اور

ایک ظالم مسلمان کے پیچ میں ہے، تو پھر کیا ایسی حالت میں بھی ہم اپنے گھروں میں دروازہ بند کر کے بیٹھے رہیں گے؟ یا پھر مظلوم کا ساتھ دیں گے تا کہ ظالم کو ظلم کرنے سے روک سکیں اس طرح ہم ایک طرف مظلوم کی مدد کریں اور دوسری طرف ظالم کو ظلم سے روک کر اسکی بھی مدد کریں۔

اسی نقطے کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ ہمیں اس وقت مظلوم کی مدد کرنا ہے، اسلئے کہ ہم اسی کے ساتھ کھڑے ہیں، ہم اسی کا دفاع کر رہے ہیں، اور اسی کے ساتھ جہاد کر رہے ہیں، اور یہ ہم پر واجب ہے، اور ہم ظالم کی بھی مدد کر رہے ہیں؛ اسلئے کہ ہم اسے ظلم کرنے سے روک رہے ہیں، اور اس طرح ہم نبی اکرم ﷺ کے اس قول پر عمل کر رہے ہیں: (وَلْيَنْصُرِ الرَّجُلُ أَخَاهُ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا، إِنْ كَانَ ظَالِمًا فَلْيَنْهَهُ فَإِنَّهُ لَهُ نَصْرٌ، وَإِنْ كَانَ مَظْلُومًا فَلْيَنْصُرْهُ) ترجمہ: چاہیے کہ آدمی اپنے بھائی کی مدد کرے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اگر ظالم ہے تو اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے اور اگر مظلوم ہے تو اس کی مدد کرے۔" (اور ظالم کے پنجہ سے چھڑائے)۔

اس مفہوم سے اگر ہم دیکھیں تو شیخ ناصر اس نقطے میں بڑی غلطی کر رہے ہیں، جو کہ آپ جیسی شخصیت کیلئے مناسب نہیں تھا، اس لئے میں نوجوانوں سے کہوں گا کہ وہ ایسی کیسٹوں سے دھوکہ نہ کھائیں، اور جان لیں کہ حق کو لوگوں سے نہیں جانا جاتا بلکہ حق سے لوگ جانے جاتے ہیں، چنانچہ جب لوگ حق کی اتباع کرتے ہیں اور انصاف کا دامن نہیں چھوڑتے تب وہ جانے جاتے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے۔

میں یہاں پر امام دار الہجرہ مالک بن انس کا قول یاد دلا رہا ہوں جنہوں نے اسی مسجد میں اپنے تلامذہ سے کہا تھا: ہر انسان کی بات لی جا سکتی ہے اور اسے رد بھی کیا جا سکتا ہے سوائے اس قبر والے کے) اس سے آپ نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کو مراد لیا ہے، اس وقت آپ روضہ کے قریب درس دیتے تھے۔

یہاں پر شیخ ایک عامیانہ بات کہہ رہے ہیں جس سے معاملہ مزید بگڑ جائے، کہتے ہیں: عراق کی طرف سے سعودی عرب پر کوئی زیادتی نہیں ہوئی ہے، پھر آخر یہ تیاری کیوں چل رہی ہے اور باہر سے اجنبی فوج کیوں بلایا جاتا ہے جب اس پر کوئی زیادتی ہی نہیں ہوئی؟ تعجب ہے! گویا سعودی عرب نے بلا وجہ اجنبی فوج کو بلایا ہے!!!

یہاں ہم شیخ سے ایک فقہی سوال کریں گے کہ اگر انسان بھوکا ہو، اسے اپنی ہلاکت کا خوف ہو اور اس کے سامنے مردار اور خنزیر کے گوشت کے سوا کچھ نہ ہو، تو ایسی صورت میں اسکے لئے کب جائز ہوگا کہ وہ یہ گوشت کھائے؟ کیا اس وقت کھائے گا جب اس پر ہلاکت کا خوف ہو یا وہ انتظار کرے گا یہاں تک کہ موت کا اس پر حملہ ہو جائے، اور وہ سکرات الموت میں مبتلا ہو جائے؟

اور کیا اس وقت اسکا کھانا اسے کچھ فائدہ پہونچائے گا؟ اور کیا اس وقت اس کی زندگی بچ سکے گی؟ میں سمجھتا ہوں کہ اسے پہلے ہی کھانے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ اسکی زندگی بچ سکے۔

اسی طرح اگر کسی طرف سے دشمنوں کا خوف ہو اور غالب گمان ہو کہ وہ حملہ کرنے والا ہے، اور دشمن طاقتور بھی ہے، اسکے پاس ایسے اسلحے ہیں کہ اپنے پاس اس طرح کے اسلحے میسر نہیں ہیں، تو پھر کیا ایسے وقت میں اسے یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اسی طرح یا اس کے طاقتور اسلحے اور فوج سے مدد لے سکے خواہ یہ مدد کافر کی طرف سے ہو یا مسلمان کی طرف سے؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہ واجب ہے۔

چنانچہ اس وقت یہاں پر جہاد فرض عین ہے خواہ وہ سعودی اصل ہو یا جو یہاں پر مقیم ہیں، سب پر واجب ہے، اور دیگر مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، یہ میری رائے ہے، اور اسکے لئے میرے پاس یہ دلیل ہے:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ

دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ".

ترجمہ: سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ”جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت کی خاطر مارا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جائے وہ شہید ہے“۔

اس وقت جو یہاں پر جہاد کریں گے اور اس میں مارے جائیں گے وہ اپنی جان و مال اور عزت وآبرو، نیز اپنے قبلے اور مسجدوں کو بچانے کیلئے مارے جائیں گے، بلکہ مسلمانوں کے قبلہ کو اور حرمین کی حفاظت میں مارے جائیں گے، یہ مرنا جہاد فی سبیل اللہ ہوگا، خواہ وہ دشمن مسلمان ہو یا کافر، معاملہ واضح ہے اگر وہ مسلمان بھی ہوگا تو بالاتفاق ظالم ہوگا۔

اور یہ معلوم ہے کہ ظالم کو اس کے ظلم سے روکنا بھی واجب ہے جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے۔

اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ شیخ نے اپنے تینوں نقاط میں فحش غلطی کی ہے، یہ آپ کا علمی مستوی نہیں تھا، نہیں معلوم شیخ کیسے غوطہ کھا گئے، ویسے تعجب دور ہو جاتا ہے جب یہ یقین ہوتا ہے کہ آپ معصوم نہیں ہیں، وہ تینوں نقطے یہ ہیں:

۱-کسی کا ساتھ نہ دیکر اپنے گھروں میں بیٹھے رہو۔

۲-سعودی پر کوئی زیادتی نہیں ہوئی ہے پھر وہ اجنبی فوج کیوں بلا رہا ہے؟

۳-یہ وقت جہاد کا نہیں ہے۔

آگے شیخ نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اجنبی فوج بلانے کا مطلب سعودی پر قبضہ ہوگا اور یہ قبضہ عراق کے کویتی قبضے سے کہیں زیادہ سنگین ہوگا۔

میں سمجھتا ہوں شیخ سعودی کے خلاف پروپیگنڈے کی زد میں بہہ گئے ہیں اور جو لوگ سعودی

عرب کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں جھوٹ پھیلاتے ہیں اور حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں اسی رو میں بہہ کر آپ نے بھی ایسا کہہ دیا ہے۔

اس طرح کی مدد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ کوئی نئی بات بھی نہیں ہے، مذاہب اربعہ کی مشہور کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے، ان میں آپ یہ جملہ پاسکتے ہیں: اگر مسلمان کسی ذمی یا کافر سے مدد لیں اور وہ لڑائی میں جائیں تو کیا ان کے لئے مال غنیمت میں حصہ نکالا جائے گا یا نہیں؟

آپ پائیں گے کہ فقہاء ان دونوں نقطوں پر بحث کرتے ہیں:

پہلا نقطہ:

کیا جو کافر مدد کیلئے آیا ہے اسکے لئے مال غنیمت میں حصہ لگا یا جائے گا یعنی کیا وہ مال غنیمت کا مستحق ہو گا یا نہیں؟

دوسرا نقطہ:

اسکے لئے مال غنیمت سے حصہ نہیں لگایا جائے گا تو کیا اسے الگ سے کچھ دیا جائے گا یا نہیں؟

سوال یہ ہیکہ آخر ان دونوں نقطوں سے کیا سمجھ میں آرہا ہے؟

یہی سمجھ میں آرہا ہے کہ تمام فقہاء نے کبھی اس بات کو غلط نہیں سمجھا کہ کفار سے مدد لینا جائز ہے، کیونکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے قول (میں مشرک سے مدد نہیں لیتا) سے یہی سمجھتے تھے کہ یہ قول یا تو منسوخ ہے جیسا کہ بتلایا گیا، یا آپ ﷺ اسے اسلئے واپس کررہے تھے کیونکہ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ وہ اسلام لے آئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں نے یہ شیخ کی کیسٹ کو سنا ہو گا جس کا میں مناقشہ کر رہا ہوں اور شیخ ناصر کے علاوہ دوسروں سے بھی ایسی باتیں سنی ہوں گی، کیونکہ یہ معروف معاملہ ہے، مگر جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ خلیج عرب میں جب یہ فتنہ واقع ہوا ہے اس وقت اس ملک کے علماء نے سرکاری اور غیر سرکاری ہر

اعتبار سے اجنبی طاقت سے مدد لینے کو جائز ہونے کا فتوی دیا ہے، اور اس وقت اس کے لئے جتنے بھی کانفرسیں اور پروگرام ہوئے ہیں ہر جگہ علماء ومفکرین نے جواز ہی کا فتوی دیا ہے۔

لیکن جب ایسے ماحول میں کوئی شاذ فتوی آجائے جو ان سارے موجودہ علماء کے فتوی کے مخالف ہو اور ساتھ ہی متقدمین علماء کے فتوی کے بھی خلاف ہو جیسے کہ امام شافعی، ابن حجر، نووی، شوکانی اور ابن القیم وغیرہ جیسے علمائے محققین۔

ان تمام علماء کے اقوال کی روشنی میں دیکھا جائے گا کہ آخر یہ شاذ قول کیوں آیا؟ کیا وجہ ہے کہ دوسرے تمام آراء اور اقوال اور متقدمین علماء کے مفاہیم کو رد کر دیا گیا؟ وہ وجہ کیا ہے؟

دوسری چیز یہ کہ شیخ نے کہا ہے کہ جہاد اسلامی جھنڈے کے تحت ہی ہوگا۔

مجھے سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آخر شیخ اس سے کہنا کیا چاہ رہے ہیں کہ اس ملک کے اوپر جو جھنڈا لہرا رہا ہے وہ اسلامی جھنڈا نہیں ہے؟!!

یا شیخ کے نزدیک یہاں کے جھنڈے اور بد دین جھنڈے میں کوئی فرق نہیں ہے؟ مجھے آپ کے اس قول پر بڑا تعجب ہو رہا ہے۔

ہمیں تو یہی یقین ہے کہ ہم ایک اسلامی ملک میں اور ایک اسلامی جھنڈے تلے رہتے ہیں، اسلئے تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس جھنڈے تلے جہاد کریں اور اس ملک کی حمایت اور اسکی دفاع میں، کہ جہاں جان ومال، عزت وآبرو، دین وعقیدہ سب کی حفاظت ہے۔

موجودہ ماحول میں ایک طالب علم جب یہ سنے گا کہ جہاد نہیں ہوسکتا مگر اسی وقت جب اسلامی جھنڈا ہو۔ تو آخر وہ اس سے کیا سمجھے گا؟ جب وہ سنے گا کہ یہ فتنے کا دور ہے، جہاد کا وقت نہیں ہے، اس وقت سب اپنے گھروں میں بیٹھے رہو، تو وہ اس سے کیا سمجھے گا؟ وہ شاید یہی سمجھے گا کہ اس وقت نہ ہی کوئی اسلامی ملک ہے اور نہ ہی کوئی اسلامی جھنڈا، اور جو بھی ہو رہا ہے وہ ایک فتنہ ہے۔

میں دوبارہ شیخ کے اس قول کااعادہ کرتا ہوں کہ اپنے گھروں کولازم پکڑلو، ایسا آپ نے کہا ہے ایک حدیث کی روشنی میں جوفتنوں کے وقت کیلئے آئی ہے، اوروہ حدیث صحیح ہے جس طرح بدر کے واقعے والی حدیث صحیح ہے، اسلئے ہمیں اسے بھی اچھی طرح سمجھنا چاہئے جسطرح ہم نے اس حدیث کو سمجھا ہے کیونکہ یہاں حدیث کے صحیح ہونے یانہ ہونے کامسئلہ نہیں ہے بلکہ صحیح سمجھنے کامسئلہ ہے،فہم وفکر کامسئلہ ہے، پہلے وہ حدیث دیکھتے ہیں:

عَنْ أَبِي كَبْشَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا مُوسَى، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي، قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: كُونُوا أَحْلَاسَ بُيُوتِكُمْ ".

ترجمہ: سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے سامنے فتنے ہوں گے اندھیری رات کی گھڑیوں کی طرح ان میں صبح کو آدمی مومن رہے گااور شام کو کافر، اور شام کومومن رہے گااور صبح کو کافر، اس میں بیٹھا ہوا کھڑے شخص سے بہتر ہوگا، اور کھڑا چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا"، لوگوں نے عرض کیا: تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنے گھر کاٹاٹ بن جانا" یعنی گھر میں پڑے رہنا۔

معلومات کازیادہ ہوناایک چیز ہے اوردین میں اچھی سمجھ ہوناایک الگ چیز ہے، ممکن ہے ایک شخص کو بہت معلومات ہومگر کوئی ضروری نہیں کہ اسے اسی طرح دین میں اچھی اور زیادہ سمجھ بھی ہو، یہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے وہ جسے توفیق دیدے، جیساکہ حدیث میں آتا ہے:

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ

خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَلَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ عَلَى مَنْ نَاوَأَهُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ".

ترجمہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص کی اللہ تعالیٰ بھلائی چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ دیتا ہے اور ہمیشہ ایک جماعت مسلمانوں کی حق پر لڑتی رہے گی اور غالب رہے گی ان پر جو ان سے لڑیں قیامت تک۔“

چنانچہ یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی کے پاس معلومات کا خزانہ کم ہو مگر اسے اللہ نے دین میں اچھی سمجھ دی ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کے پاس معلومات کا خزانہ ہو مگر اسے دین میں وہ سمجھ نہ ہو۔

اس لئے میں اپنی آخری گفتگو میں نوجوانوں کو یہ نصیحت کروں گا کہ وہ حق پر قائم رہیں، اپنے عقیدے پر قائم رہو، اپنے دین اسلام پر قائم رہو اپنے ایمان پر قائم رہو، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو حرمین شریفین کے دفاع میں، اسلامی قبلے کے دفاع میں، اپنے دین اور اپنے ملک اور اپنے جان ومال کے دفاع میں، یہ واجب ہے، جو ان امور کی خاطر جہاد کرتے ہوئے مرگیا وہ اللہ کی راہ میں مرے گا، خواہ اسکے سامنے کوئی کافر ہو یا ظالم مسلمان۔

یہی میری نصیحت ہے، اور میں یہ دعوی بھی نہیں کرتا کہ میں شیخ ناصر الدین سے زیادہ جانکار ہوں، بلکہ میں آپ کے علم وفضل کا اعتراف کرتا ہوں، مگر مجھے یقین ہے کہ شیخ کی طرف سے جو یہ آراء ظاہر ہوئے ہیں مبنی بر غلط ہیں، ان غلطیوں کا مناقشہ کوئی بھی طالب علم کرسکتا ہے۔

وبعد!

اگر میری ان باتوں سے متعلق کسی کو بھی کوئی اشکال ہو وہ پیش کرے، خواہ اسے لکھ کر پرچی میں پیش کردے یا یہیں پر پوری آزادی کے ساتھ مسئلے پر مناقشہ کرلے، کیونکہ میرا مقصد حق کو واضح کرنا ہے، اور میں حق ہی کا متلاشی ہوں، اور چاہتا ہوں کہ نوجوانوں کے اندر جو تشویش ہے وہ ختم ہوجائے۔

بطور خاص شیخ ناصر الدین کے اس بیان سے کافی تشویش ہوئی ہے، اس لئے جس کے ذہن میں جو بھی اشکال ہو اسے پیش کر دے۔

وما توفیقی الا باللہ، وصلی اللہ وسلم وبارک علی خیر خلقه محمدوآله وصحبه أجمعین۔

سوال نمبر ۱:

ایک طالب علم کا سوال ہے کہ آپ شیخ ناصر الدین البانی کے پاس خط لکھ کر ان کی غلطیوں کی وضاحت کیوں نہیں کرتے اور دیکھتے کہ وہ اس پر کیا جواب دیتے ہیں؟

جواب:

سوال اچھا ہے، میں شیخ کے ساتھ رہ چکا ہوں، مجھے اچھا تجربہ ہے، اگر میں نے آپ کے پاس کوئی خط اس تعلق سے بھیجا بھی ہوتا تو آپ اسکا جواب بھی نہ دیتے، یہ ایک پہلو ہے۔

دوسرا پہلو: آپ کی بات پھیل چکی ہے، وہ کیسٹ سارے نوجوانوں کے اندر موجود ہے، ان کے یہاں تشویش پائی جاتی ہے، اسلئے انہیں رہنمائی کی ضرورت ہے اسلئے مسئلے کی وضاحت کی گئی اور ان کے آراء کا مناقشہ کیا گیا۔

اسی طرح میرا ارادہ بھی ہے کہ میں اس کیسٹ کے ساتھ شیخ کے پاس ضرور اپنا کلام بھیجوں گا، انتظار کریں کہ شیخ اسکا کیا جواب دیتے ہیں، اور اس پر ذرا بھی نہ سوچیں کہ ہمارے اور شیخ کے درمیان کیسا معاملہ ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ ہمیں خیر کے ساتھ ملائے، اور اللہ ہی کی خاطر ہمارے درمیان محبت باقی رہے، اور اسی کی راہ میں ہم کام کریں، اور ہم سب کو فتنوں اور ان کے آثار بد سے محفوظ رکھے، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ۔

بعض سامعین پروپیگنڈے کے لفظ پر تعجب کر رہے ہیں، آپ کیا فرمائیں گے؟

جواب:

دراصل جذبات کا بہت عمل دخل ہوتا ہے، حق بیان ایک چیز ہے اور جذبات سے کھیلنا الگ ہے، وہ شخص جو اس فتنے کی حقیقت اور اسکی اصلیت نہیں جانتا، جب وہ اس طرح کی بات سنے گا کہ امریکہ نے

سعودی عرب پر قبضہ کرلیا ہے، اور یہ کہ سعودی پر امریکی قبضہ عراق کے کویتی قبضے سے زیادہ خطرناک ہے، کیا یہ پروپیگنڈہ نہیں ہے؟ آخر وہ شخص جو اس مسئلے کو صحیح سے نہیں جانتا یا جو یہاں سے دور رہتا ہے کیا اسکے لئے یہ پروپیگنڈہ نہیں ہے؟ بالکل واضح پروپیگنڈہ ہے۔

دوسری بات یہ کہ شیخ کے خلاف جو بھی باتیں ہوئی ہیں ان کی طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے کہ جو بھی کوئی کتاب لکھتا ہے، یا کوئی بات کہتا ہے یا کچھ ریکارڈ کرتا ہے تو اسکے خلاف کچھ لوگ ضرور بولتے ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ میرے بارے میں بھی لوگ کچھ نہ کچھ کہیں گے جس طرح کہ میں نے شیخ ناصر کے تعلق سے کچھ باتیں کہی ہیں، مجھے یہ بعید نہیں لگتا، کہنا بھی چاہئے، یہ اللہ کی سنت ہے، جسے ہونا ہے۔

اسی لئے میں وصیت کرتا ہوں کہ جذبات اور عقیدت سے دور ہو کر معاملے کو سمجھا جائے، کیونکہ آپ لوگوں میں سے اکثر لوگ شیخ کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے، اور میں نہیں جانتا کہ مجھ سے بھی زیادہ محبت اور قدر آپ لوگ کرتے ہوں گے؟ مگر میں نے شروع ہی میں ابن قیم کا کلام نقل کردیا ہے جو انہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہی ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے محبوب ہیں مگر حق میرے نزدیک ان سے بھی زیادہ محبوب ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ ہمیں خیر کے ساتھ ملائے، اور اللہ ہی کی خاطر ہمارے درمیان محبت باقی رہے، اور اسی کی راہ میں ہم کام کریں، اور ہم سب کو فتنوں اور ان کے آثار بد سے محفوظ رکھے، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ۔

سوال نمبر ۲:

سائل کہتا ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کافر سے مدد لینا جائز نہیں ہے؟

جواب:

فرض کرلیں کہ یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے، یہ مسئلہ ایک امام کے قول کا دوسرے امام کے قول سے مقارنہ کرنا نہیں ہے یا ایک عالم کے قول کا دوسرے عالم کے قول سے، بلکہ مسئلہ نصوص اور احادیث کے اندر موجود ظاہری تعارض کو دفع کرنے کا ہے کہ اسکا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور انکے شاگرد ابن القیم کے درمیان اختلاف واقع ہو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے، ایسا بہت ہوا ہے۔

میں آپ کو یہاں ایک مثال دیتا ہوں، مسئلہ ہے حج کو عمرہ کیلئے فسخ کرنے کا، ابن القیم کا خیال ہے یہ فسخ کرنا واجب ہے اور یہ حکم قیامت تک کیلئے ہے، جبکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ ان صحابہ کیلئے خاص ہے جو سوار تھے۔

اجتہادی مسائل میں علماء کے درمیان اختلاف کوئی عجیب بات نہیں ہے، مگر یہاں پر جس چیز نے ہمیں تعجب میں ڈالا ہے وہ شیخ ناصر الدین البانی کا تمام احادیث سے اعراض کرکے صرف ایک حدیث کو پکڑ لینا ہے، جس کے بارے میں ان سے بہت پہلے کے علماء اور ائمہ کہہ چکے ہیں کہ وہ منسوخ ہے، یہ ایک پہلو ہے۔

دوسرا پہلو شیخ کا یہ قول ہے: (یہ جہاد کا وقت نہیں ہے، بلکہ فتنوں کا دور ہے، اسلئے اپنے گھروں کو لازم پکڑلو)۔ ایسے وقت میں یہ کہنا شیخ کی طرف سے تعجب کی بات ہے۔

اور شیخ کا یہ کہنا کہ جب سعودی پر کوئی ظلم ہوا ہی نہیں تو یہ کیسی؟!!

اگر یہ بات شیخ ناصر کے سوا کوئی دوسرا کہا ہوتا تو یہی کہا جاتا کہ یہ چاہتا ہے کہ عراق سعودی عرب پر

آسانی سے قبضہ کرلے، یہ ایسے بیانات دیگر مسلمانوں کو نیند کی گولی دے رہا ہے، اور سعودی سے کہہ رہا ہے کہ کوئی تیاری مت کرو، وہ جب اندر آجائیں گے تو دیکھا جائے گا۔

اگر یہ بات کوئی دوسرا بولا ہوتا تو اسکی یہی وضاحت کی جاتی؛ اسلئے کہ یہ بہت ہی سنگین بات ہے، کوئی آسان نہیں ہے، اس لئے اس مسئلے کو سنجیدگی سے لو اسے مجرد بحث ومباحثہ نہ جانو۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جو شیخ ناصر الدین البانی سے متاثر ہیں اور جذباتی طور پر متاثر ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ شیخ ناصر کے تعلق سے کچھ نہ بولا جائے، مگر ایسا سوچنا درست نہیں ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے بعد آنے والے تمام سلفیوں کے شیخ ہیں، انہیں میں شیخ البانی بھی ہیں، اسلئے کہ ابن تیمیہ نے ساتویں صدی ہجری میں اس دین کی تجدید کی ہے، کیونکہ اس وقت اسلامی عقیدہ بھلا دیا گیا تھا، آپ نے تمام گمراہ فرقوں سے جہاد کیا، اور اس عقیدے کی حفاظت کی، مگر پھر بھی اسی وقت سے آج تک ایسے لوگ پائے جاتے رہے جو آپ کے خلاف بولتے رہتے ہیں بلکہ آپ پر طعن وتشنیع کرتے ہیں، جبکہ آپ کی جو شہرت اور علمی مقام ہے اسکا اعتراف آپ کے مخالفین بھی کرتے ہیں اور انہیں میں سے ایک نے کہا ہے کہ آپ اپنے وقت میں سب سے بڑے عالم تھے۔

بہت سے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ شیخ ناصر کے تعلق سے ایسی بات نہ کہی جائے، جبکہ ان کیلئے واجب تھا کہ وہ یہ تعصب حق کیلئے دکھاتے نہ کہ شخصیات کیلئے۔

سوال یہ ہیکہ کیا جس امور پر میں نے مناقشہ کیا ہے الفاظ اور تعبیر کو چھوڑ کر، کیا آپ لوگ ان باتوں سے مطمئن ہیں کہ شیخ نے ان امور میں غلطی کی ہے یا مطمئن نہیں ہیں، اگر مطمئن نہیں ہیں تو پھر ایسی باتیں نہیں کہنی چاہئے کہ شیخ کے بارے میں ایسی بات نہ کہی جائے، بلکہ یہ کہو کہ آپ نے غلط کہا ہے، اور حق شیخ البانی کے ساتھ ہے، اگر قانع نہیں ہیں تو پھر ان امور پر مناقشہ کریں، شخصیات کو ایک طرف رکھیں، علمی مسائل میں مناقشہ ضروری ہے۔

میں یہ کہہ چکا ہوں کہ حق کو شخصیات سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ شخصیات کو حق سے پہچانا جاتا ہے، مسئلے کا علمی مناقشہ کرو، جذباتی نہ بنو، میں یہ بھی کہہ چکا ہوں کہ شیخ سے میں زیادہ نہیں جانکار نہیں ہوں، بلکہ وہی مجھ سے زیادہ بڑے عالم ہیں، مدینہ کے اندر ہم دونوں ایک ساتھ کام کر چکے ہیں، اور میں آپ سے جس قدر محبت کرتا ہوں شاید آپ بھی اتنا نہیں کرتے ہوں گے، اور میں آپ کے کلام پر جو بھی مناقشہ کیا ہے اس سے آپ کی محبت میرے دل سے کم نہیں ہوگی، بلکہ اب بھی وہ میرے دل میں ہیں، یہ علمی مناقشہ ہے جو علماء کے درمیان ہوتا رہتا ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ ہمیں خیر کے ساتھ ملائے، اور اللہ ہی کی خاطر ہمارے درمیان محبت باقی رہے، اور اسی کی راہ میں ہم کام کریں، اور ہم سب کو فتنوں اور ان کے آثار بد سے محفوظ رکھے، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ۔

سوال نمبر ۳:

اسلامی دعوت کیا سب لوگوں پر واجب ہے؟ اس پر وضاحت مطلوب ہے۔

جواب:

اسلامی دعوت یا دعوت دین مسلمانوں کی ایک جماعت پر واجب ہے وہ جماعت جو اہل علم اور اہل بصیرت ہوں، جس کے پاس علم وبصیرت نہ ہو وہ دعوت کا اہل نہیں ہے، کیونکہ اس سے اصلاح کی بجائے فساد زیادہ ہوگا۔

دعاء ہے کہ اللہ ہمیں خیر کے ساتھ ملائے، اور اللہ ہی کی خاطر ہمارے درمیان محبت باقی رہے، اور اسی کی راہ میں ہم کام کریں، اور ہم سب کو فتنوں اور ان کے آثار بد سے محفوظ رکھے، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ۔

سوال نمبر ۴:

حاجت اور ضرورت میں کیا فرق ہے؟

جواب:

حاجت کہتے ہیں جب کسی چیز کی حاجت ہو جیسے کھانا پانی، بایں طور کہ اگر آدمی نہ کھائے پیئے تو اس سے ہلاک ہونے کا خوف نہ ہو، یعنی کھانے پینے کی رغبت ہو، تو اسے حاجت کہتے ہیں۔

اور کھانے کی اگر اس طرح حاجت ہو کہ اگر نہ کھاؤ تو ہلاک ہو جاؤ گے، تو اسے ضرورت کہیں گے، اور یہاں ہم دوسری قسم یعنی ضرورت والے قسم میں داخل ہیں کہ اگر اجنبی فوج سے مدد نہ لیتے تو آج آپ لوگ ممکن ہے یہاں نہ ہوتے۔

ضروری ہے کہ ہر عقلمند اس مفہوم کو جانے: اسلئے کہ دشمن نے یہ پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ وہ اس ملک کے ساتھ بھی وہی کرے گا جو اس نے کویت کے ساتھ کیا ہے، اور وہ یہ جانتا تھا کہ اسکے پاس جو اسلحہ ہے وہ اس خطے میں کسی کے پاس نہیں ہے، جس کے تجربہ ہے وہ اس چیز کو اچھی طرح جانتا ہے۔

اسلئے کفار سے جو مدد لی گئی ہے وہ من باب الضرورہ ہے نہ کہ من باب الحاجہ۔

ولاء محبت اور معاملہ داری اور مدد لینے میں بہت فرق ہے، کفار سے تعاون لینا اور ان کے ساتھ معاملہ داری کرنا بالاتفاق جائز ہے، اور ایسا نبی اکرم ﷺ کے دور میں ہو چکا ہے، مدینہ کے اندر یہودی اور منافقین پائے جاتے تھے، اور مسلمان ان کے ساتھ معاملات رکھتے تھے، ولاء، محبت اور مودت الگ چیز ہے، ضروری ہے کہ دونوں میں فرق رکھا جائے، تاکہ ایک مسلمان کے اندر بدگمانی پیدا نہ ہو سکے اور وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ جو کچھ ہوا ہے وہ ولاء اور محبت کی وجہ سے ہوا ہے۔

اور آپ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جتنے بھی عربی اور مسلم ممالک ہیں ان کے یہاں جنگی کارخانوں میں کام کرنے والے کفار پائے جاتے ہیں، بلکہ ماہرین کی پوری ٹیم ہوتی ہے، کیا انہوں نے انہیں محبت

کی وجہ سے بلایا ہے یا ضرورت کی وجہ سے؟ جب ہزاروں کی تعداد میں یہ کافر ماہرین کی ٹیم ان ملکوں کے جنگی کارخانوں میں موجود ہیں اور ان پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تو یہاں اس مسئلے میں جذباتی ہونے کی کیا ضرورت ہے، اور یہاں پر تعصب سے کام کیوں لیا جاتا ہے؟!

دعاء ہے کہ اللہ ہمیں خیر کے ساتھ ملائے، اور اللہ ہی کی خاطر ہمارے درمیان محبت باقی رہے، اور اسی کی راہ میں ہم کام کریں، اور ہم سب کو فتنوں اور ان کے آثار بد سے محفوظ رکھے، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ۔

۞۞۞

سوال نمبر ۵:

سائل کہتا ہے کہ ایک کویتی نے سوال کیا ہے کہ ہم کویت کے اندر اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں، یہ سوال ایک کویتی نوجوان کی طرف سے شیخ ناصر کیلئے تھا جنہوں نے اس پر جواب بھی دیا تھا؟

جواب:

یہ مکمل سوال نہیں ہے، بلکہ اسے اختصار کیا گیا ہے، پورا سوال اس طرح تھا جسے شیخ کے سامنے پیش کیا گیا کہ کویت کے بعض نوجوان کویت کے اندر ایک اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں، یعنی وہ اس فتنے کو غنیمت سمجھ رہے ہیں، ممکن حکمرانوں کے دلوں پر کچھ اثر ہو، اور وہ اللہ سے توبہ کریں، اور اسلامی شریعت کا نفاذ کریں۔

یہ اچھی کوشش ہے، سننے میں بھی بہت اچھا لگتا ہے، مگر شیخ نے سائل کے سوال کا کوئی جواب نہ دیکر ایک طرح سے اسکا مذاق اڑایا تھا، کہ یہ لوگ پہلے کہاں تھے؟ اس طرح کی کوشش پہلے کیوں نہیں کی؟ اس طرح کی بات کہی تھی، شیخ ناصر جیسے عالم سے یہ جواب مجھے اچھا نہ لگا، جو کہ ایک اسلامی غیور شخصیت مانے جاتے ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ایسے سوال کا پرجوش انداز میں استقبال کرتے، اور اچھے انداز میں اسکا جواب دیتے، بلکہ کویتی اور غیر کویتی حکام جو غیر شرعی حکمرانی کر رہے ہیں انہیں عام خطاب کرتے اور سب کو اللہ کی یاد دلاتے، اور کہتے کہ شاید جو بھی ہم پر مصیبت آئی ہے یہ ہمارے گناہوں کے آثار ہیں، آئیں اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اب آئندہ ہم اللہ کی سرزمین پر اسکے بندوں کے درمیان اللہ ہی کی شریعت نافذ کریں گے۔

اگر شیخ ناصر البانی ایسا جواب دیتے تو تمام لوگوں کے نزدیک کس قدر مقبول ہوتے، اس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا، کیونکہ آپ کی شخصیت ایک عالمی شخصیت ہے، شہرت یافتہ ہیں، آپ اس طرح کا خطاب

کر بھی سکتے ہیں، مگر آپ نے ایسا کوئی جواب نہیں دیا، جو بھی جواب دیا وہ بالکل آپ کی شخصیت کے شایان شان نہیں تھا۔

دعاء ہے کہ اللہ ہمیں خیر کے ساتھ ملائے، اور اللہ ہی کی خاطر ہمارے درمیان محبت باقی رہے، اور اسی کی راہ میں ہم کام کریں، اور ہم سب کو فتنوں اور ان کے آثار بد سے محفوظ رکھے، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ۔

۞۞۞

سوال نمبر ٦:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (كُونُوا أَحْلَاسَ بُيُوتِكُمْ) ترجمہ: "تم اپنے گھر کا ٹاٹ بن جانا" یعنی گھر میں پڑے رہنا۔

اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

جواب:

اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کو بعض امور غیب سے مطلع فرمادیا ہے جیسا کہ ہمارا اس پر ایمان ہے، اور آپ ﷺ فتنوں کے بارے میں بھی جیسا پیشین گوئی فرماتے تھے ویسا ہی واقع ہوتا تھا، اور جب اس طرح کی بات آپ ﷺ کرتے تو بعض صحابہ یہ سوال کرتے کہ پھر اس وقت ہم کیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے ایک بار فرمایا: اپنے گھروں کو لازم پکڑیں۔ یعنی ایسے فتنوں میں شرکت نہ کرنا۔

اور یہ حقیقت ہے، علمائے حدیث نے یہی سمجھا ہے کہ جب دو مسلمان جماعت میں فتنہ واقع ہو جائے اور دونوں اجتہاد پر ہوں جس طرح کہ صحابہ کے درمیان ہوا تھا تو ایسی صورت میں اس فتنے سے ایک مسلمان دور رہے۔

لیکن اگر وہ فتنہ ایک ظالم اور مظلوم کے درمیان واقع ہو، اور آپ جانتے ہوں کہ کون ظالم ہے اور کون مظلوم؟ تو یہ حدیث اس معنی میں نہیں ہے، بلکہ ایسے مسئلے کیلئے یہ حدیث ہے:

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: اقْتَتَلَ غُلَامَانِ غُلَامٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ، وَغُلَامٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَنَادَى الْمُهَاجِرُ أَوِ الْمُهَاجِرُونَ: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ، وَنَادَى الْأَنْصَارِيُّ: يَا لَلْأَنْصَارِ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَا هَذَا دَعْوَى أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ؟ قَالُوا: لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِلَّا أَنَّ غُلَامَيْنِ اقْتَتَلَا فَكَسَعَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ، قَالَ: " فَلَا بَأْسَ وَلْيَنْصُرِ الرَّجُلُ أَخَاهُ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا، إِنْ كَانَ ظَالِمًا فَلْيَنْهَهُ فَإِنَّهُ لَهُ نَصْرٌ،

وَإِنْ كَانَ مَظْلُومًا فَلْيَنْصُرْهُ".

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو لڑکے لڑے ایک مہاجرین میں سے تھا اور ایک انصار میں سے۔ مہاجر نے اپنے مہاجروں کو پکارا اور انصاری نے اپنے انصار کو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور فرمایا: "یہ تو جاہلیت کا سا پکارنا ہے۔" (کہ ہر ایک اپنی قوم میں سے مدد لیتا ہے اور دوسری قوم سے لڑتا ہے اسلام میں سب مسلمان ایک ہیں) لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (کچھ بڑا مقدمہ نہیں) دو لڑکے لڑے ایک نے دوسرے کی سرین پر مارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو کچھ ڈر نہیں (میں تو سمجھا تھا کوئی بڑا فساد ہے) چاہیے کہ آدمی اپنے بھائی کی مدد کرے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اگر ظالم ہے تو اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے اور اگر مظلوم ہے تو اس کی مدد کرے۔" (اور ظالم کے پنجہ سے چھڑائے)۔

اسلئے ہم پر ضروری ہے نصوص کو ان کے مفہوم ہی کی جگہوں پر رکھیں، انہیں ایک دوسرے سے خلط ملط نہ کریں۔

دعاء ہے کہ اللہ ہمیں خیر کے ساتھ ملائے، اور اللہ ہی کی خاطر ہمارے درمیان محبت باقی رہے، اور اسی کی راہ میں ہم کام کریں، اور ہم سب کو فتنوں اور ان کے آثار بد سے محفوظ رکھے، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ۔

سوال نمبر ۷:

سائل کا کہنا ہے کہ وہ یہاں شہر جدہ کے اندر حالیہ فتنے پر خطاب کرنے کیلئے مدینہ طیبہ کے علماء کو بلانا چاہتا ہے، اور یہ کہ ان کا اس سے متعلق صحیح موقف کیا ہے؟ اسلئے کہ وہ اسے لیکر بہت پریشان ہے جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے؟

جواب:

آخر مدینہ ہی کے علماء کو اس فتنے پر خطاب کرنے کیلئے بلایا جا رہا ہے؟ یہاں پر جدہ کے اندر بھی علماء ہیں، مکہ اور ریاض کے اندر بھی علماء ہیں، بلکہ ہر شہر میں علماء ہیں، بالخصوص مدینہ ہی کے علماء کو بلانے کی کیا وجہ ہے؟

اس سوال کا جواب خود سائل کو دینا ہے، یا پھر بعد میں دینا، ویسے مدینہ کے علماء اور طلبہ جو جامعہ اسلامیہ کے مدرسین اور طلبہ ہیں، ان کے تعلق سے بات آچکی ہے، اور ان میں سے چار لوگوں کو چنا بھی گیا ہے، اور انہیں یہاں اسلئے دعوت نہیں دی گئی ہے کہ وہ اس فتنے سے متعلق خطاب کریں گے جس کے بارے میں سائل نے سوال کیا ہے، بلکہ وہ یہاں آکر درس دیں گے اور لوگوں کو انکا دین، عقیدہ اور احکام ومسائل سکھائیں گے۔

اور جہاں تک سوال یہ ہیکہ علمائے مدینہ آکر یہاں پر حالیہ فتنے سے متعلق خطاب کریں، خواہ وہ عورتوں کا فتنہ ہو یا یہ بڑا فتنہ جس سے ہم گزر رہے ہیں، جس پر کئی لیکچر ہو چکے ہیں اور ہر شہر میں ہو رہے ہیں، امید کرتا ہوں کہ یہ فتنہ جلد ہی ختم ہو جائے، اور لوگ قتال وجدال سے محفوظ ہو جائیں۔

یہاں بروقت میں آپ لوگوں سے یہی مطالبہ کرتا ہوں کہ آپ لوگ کردار کے غازی بنیں صرف زبانی دعوی نہیں، یعنی اللہ سے زیادہ سے زیادہ دعائیں کریں، یہ مسئلہ صرف لیکچروں سے حل نہیں ہوگا، مسئلہ بہت ہی پیچیدہ ہے، مادی اسباب اختیار کر لئے گئے ہیں، اب ہمیں صرف دعاء کرنا ہے، تاکہ مسلمان جنگ

وجدال سے محفوظ ہوجائیں، اور یہ افواج جلد از جلد یہاں سے واپس اپنے ملک روانہ ہوجائیں، اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے معاملات کو آسان فرمائے۔

آپ لوگ ایسے اوقات میں زیادہ سے زیادہ دعائیں کرو جن اوقات میں دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں، مقصد عملی پیمانے پر کچھ کرنا ہو نہ کہ صرف سوالات کرنا۔

اور جہاں تک عورتوں سے متعلق فتنے کا تعلق ہے تو جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس بارے میں کبار علماء اور اہل حل وعقد غور وفکر کر رہے ہیں۔

علماء دو قسم کے ہیں: یہ وہ علماء جو عوامی ہیں، یعنی جو عوام کے بیچ میں رہ کر انہیں خطاب کرتے ہیں، طلبہ کو علوم دین سکھاتے ہیں، اور میں امید کرتا ہوں کہ میرا شمار انہیں لوگوں میں ہو۔

دوسرے وہ علماء جو اہل حل وعقد میں سے ہوتے ہیں، یہی علماء حکمرانوں اور ذمہ داروں سے مل کر ملکی اور عالمی مسائل کو حل کرتے ہیں بالخصوص جن کا تعلق دین سے ہوتا ہے۔

اور ہم چھوٹے طلبہ پر واجب ہے کہ ہم ان پر پورا بھروسہ رکھیں اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھیں، اور ہم آپس میں اختلاف نہ رکھیں اور ہر وقت اسی فتنے ہی کو موضوع بحث نہ بنا کر رکھیں، بلکہ ہم سب کی پوری کوشش ہو کہ یہ فتنہ جلد از جلد ختم ہو جائے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مشکلات اور فتنوں کا خاتمہ کرے تاکہ ہم سب کو قلبی اطمینان میسر ہو اور ایسے سوالات وجوابات سے جلد از جلد ہمیں چھٹکارا ملے۔

سوال نمبر ۸:

موجودہ فرقوں کی طرف نسبت کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:

جن حالیہ فرقوں کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے ان کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے، یہی گروہ بندی اور فرقہ پرستی مسلمانوں کی کمزوری اور اختلاف وانتشار کا سبب ہے، مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے بغض وحسد اور دشمنی کرتے ہیں، یہی حقیقت ہے، صحیح یہی ہے کہ ایک مسلمان اسی سیدھی لکیر پر باقی رہے جسے اللہ کے رسول ﷺ نے کھینچا تھا اور وہ لکیر آج بھی باقی ہے اور وہ معروف اور بالکل واضح ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ ، يَقُولُ: وَعَظَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَوْعِظَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ هَذِهِ لَمَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا؟ قَالَ: " قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ، مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَعَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ، حَيْثُمَا قِيدَ انْقَادَ".

ترجمہ: سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی نصیحت فرمائی جس سے ہماری آنکھیں ڈبڈبا گئیں، اور دل لرز گئے، ہم نے کہا: اللہ کے رسول! یہ تو رخصت ہونے والے کی نصیحت معلوم ہوتی ہے، تو آپ ہمیں کیا نصیحت کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے تم کو ایک ایسے صاف اور روشن راستہ پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، اس راستہ

سے میرے بعد صرف ہلاک ہونے والا ہی انحراف کرے گا،تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سارے اختلافات دیکھے گا، لہذا میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت سے جو کچھ تمہیں معلوم ہے اس کی پابندی کرنا، اس کو اپنے دانتوں سے مضبوطی سے تھامے رکھنا، اور امیر کی اطاعت کرنا، چاہے وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ مومن نکیل لگے ہوئے اونٹ کی طرح ہے، جدھر اسے لے جایا جائے ادھر ہی چل پڑتا ہے"۔

اور جان لو کہ جو قدیم فرقے ہیں جیسے خوارج ،شیعہ اور قدریہ جو صحابہ ہی کے آخری دور میں ظاہر ہو چکے تھے، پھر جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ جو عباسی دور میں ظاہر ہوئے،اور ان فرقوں کے ظہور نے مسلمانوں کو کافی کمزور کیا ہے، جیسا کہ آپ سب لوگ جانتے ہوں گے۔

فرقوں کے ظہور سے ایک طرف مسلمان کمزور ہوئے اور دوسری طرف وہ دین سے جاہل ہوئے ،آپس میں اختلاف ہوا، اور پھر ہر چہار جانب سے کافر دشمنوں کا تسلط بڑھتا گیا، اور پھر آخر میں مسلم مما لک پر وہ قبضہ بھی کرتے گئے، جو مشرق اور مغرب دونوں اطراف سے آئے، اور مسلمانوں کو خود انہیں کی سرزمین پر انہیں غلام بنالیا؛ اسلئے کہ انہوں نے وحدت کو کھو دیا اور دین اسلام کی حقیقت سے غافل ہو گئے۔

مغرب اس پر پورا جائزہ لیتے ہیں، چنانچہ انہوں نے اکثر مما لک پر جب قبضہ کیا تو اس کا پہلے جائزہ لیا ہے مسلمانوں کی حالت اور دین اسلام سے انکی جہالت اور اس سے دوری کا اندازہ لگایا ہے یہاں تک کہ بعض علماء نے یہ فتوی دیا ہے کہ اسلام کا مطلب یہ ہیکہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، پھر تم نے یہی گواہی دیدی تو پھر تم کچھ بھی کرو کوئی فرق نہیں پڑے گا،تم شریعت کے مطابق حکومت کرو یا وضعی قوانین کے مطابق یا تم کچھ بھی کرو، حتی کہ تم سارے محرمات کا ارتکاب کرو اور تمام واجبات کو ترک کر دو ،اگر تم لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ کی گواہی دیتے ہو تو تم مسلمان ہو۔

یہ مغربی سامراج آئے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو اسلام سے دور رکھنے کیلئے ہر حربے استعمال کئے ہیں، اور سوائے کلمہ کے ہر چیز سے دور بھی کر دیئے ہیں، وہ کلمہ جس کا معنی بھی یہ نہیں جانتے تھے، اور ان سامراجوں کیلئے وہ علماء سند کی حیثیت رکھتے تھے جو عوام میں ان کی طرف سے سفیر کا کام کرتے تھے اور یہ عوام سے کہتے تھے کہ اگر تم کلمہ پڑھتے ہو تو سمجھ لو کہ تم مسلمان ہو۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ موجودہ نسبتیں جو اس وقت پائی جاتی ہیں وہ انہیں نسبتوں کی طرح ہیں جو پہلے پائی جاتی تھیں، چنانچہ اس وقت کچھ نوجوان اخوان المسلمین جماعت کی طرف، کچھ تبلیغی جماعت کی طرف اور کچھ شباب محمد تنظیم کی طرف نسبت کرتے ہیں، اور ایسے نوجوانوں کی تعداد بہت ہے، اس طرح یہ آپس میں منتشر ہو گئے، جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیوں آپس میں اختلاف کر رہے ہو؟ تو کہتے ہیں کہ ہم نے صرف منہج میں اختلاف کیا ہے، اور یہ بھیڑ والی جماعت (اخوان المسلمین) سے جب پوچھا جاتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ اس وقت ضروری ہے کہ اسلام اسی منہج کا ہو یعنی سارے مسلمان اسی بھیڑ کا حصہ ہو جائیں، جو اس کے دائرے سے باہر ہے وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔

اس پر یہ کتابیں لکھتے ہیں اور اسلامی صحوہ کے نام پر اس طرح بہت ہی کتابیں مل جائیں گی، حالانکہ جو کتابیں اسلام اور اسلامی دعوت کے نام پر اخوان المسلمین کے مفہوم میں لکھی گئی ہیں وہ اسلام نہیں ہے، بلکہ اسلام کو اور اسکے مفہوم کو بدلنا ہے، اور یہ بہت بڑا جرم ہے انہیں اسے سمجھنا چاہئے، اور یہ جاننا چاہیئے کہ اسلامی اخوت کا مفہوم اس قدر تنگ نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم بہت عام ہے۔

لیکن اگر اسلام کا یہ مفہوم ہے کہ جب تک اخوانی جماعت کے تنگ دائرے میں نہ جائے اور اس کے رہنماؤں کی طرف سے بنائے گئے قوانین واصول پر عمل نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے، اور اسلامی اخوت کا یہی معنی ہے تو سمجھ لیں کہ یہ اسلام کا خاتمہ ہے اور ہم تمام مسلمانوں کی تکفیر کر رہے ہیں۔

بلکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے، اس جماعت کی طرف نسبت کرنا ایک سیاسی حریص لالچی تحریک کی

طرف نسبت کرنا ہے، یہ کوئی اسلامی دعوت نہیں ہے، بلکہ یہ دین اسلام کو حکومت و اقتدار کے حصول کیلئے وسیلہ بناتی ہے، اور یہ لوگ اقتدار اور کرسی کیلئے موت تک کوشش کرتے ہیں، یہ جماعت اسی لئے برپا کی گئی ہے، اس جماعت کی جانب جو مثبت رجحان رکھتا ہے تو یہ بہت ہی سنگین اور خطرناک موقف ہے۔

اور جہاں تک تبلیغی جماعت کا تعلق ہے تو یہ ایک صوفی جماعت ہے، البتہ اخوانی جماعت کی طرح اسکے پاس کوئی موحد منہج نہیں ہے، (شیخ نے یہ بات اس وقت کہی ہے جب آپ کو تبلیغیوں کے بارے میں یہ نہیں معلوم تھا کہ انکا بھی ایک مرکز ہے اور وہ دنیا میں کہیں بھی رہیں سب وہیں سے جڑے ہوتے ہیں۔حاشیہ)۔

جبکہ اخوان المسلمین کے ممبران ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں، خواہ وہ کہیں بھی رہتے ہوں، یہ جماعت حکومت و اقتدار کے حصول کیلئے کام کرتی ہے، ایک سیاسی لالچی تحریک ہے، کبھی بھی یہ موقع اور طاقت ہونے پر حکومت وقت کا تختہ پلٹ سکتی ہے، جبکہ تبلیغی جماعت بکھری ہوئی ایک صوفی جماعت ہے جسکی ابتداء ہندوستان سے ہوئی ہے، اور وہیں سے پوری دنیا میں پھیلی ہے۔

یہ اخوانیوں کی طرح چندہ خور نہیں ہوتے، اپنے ہی پیسوں سے مساجد اور مدارس بناتے ہیں، اور اسلام کی دعوت کا کام بہت ہی تنگ مفہوم میں کرتے ہیں۔

ایک بار میں نے بنگلادیش کی راجدھانی ڈھاکہ کے اندر انکی ایک کانفرنس میں شرکت کی جہاں بہت سے لوگ اکٹھا ہوئے، وہاں عرب ممالک کے نوجوان بھی شریک ہوئے تھے زیادہ تر سعودی، کویت اور مراکش وغیرہ کے تھے، یہ کانفرنس کوئی دس سال پہلے ہوئی تھی۔

انہیں میں سے بعض نوجوانوں نے مجھ سے بتلایا کہ وہ بعض یورپی ممالک میں پڑھائی کرنے گئے جہاں کا ماحول ان پر غالب آگیا اور پھر وہ بھی یورپین کلچر میں گھل مل گئے، انہیں کے اخلاق کو اپنالیا، چنانچہ شراب وکباب میں گم ہوگئے، جبکہ وہ ہمارے ہی عرب ممالک کے بچے تھے، وہ کہنے لگے کہ

مگر اس جماعت (تبلیغی جماعت) نے ہمیں اس برائی سے باہر نکال لیا، یہ وہی نوجوان تھے جو ڈھاکہ کی اجتماع میں شریک ہوئے تھے۔

میں بھی جامعہ اسلامیہ مدینہ کی طرف سے بشمول ایک وفد کے شریک ہوا تھا، اور اسی طرح دوسرے جامعات کے بھی وفود تھے، جب ہم نے ان نوجوانوں کی زبانی یہ بات سنی تو ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ اللہ نے اس جماعت کے ذریعے انہیں نجات دیدی۔

ایک سعودی نوجوان نے بتایا کہ میں نے ثانویہ مکمل کرکے اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کیلئے فرانس چلا گیا، میں نے کبھی عمرہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی جانتا تھا کہ عمرہ کیسے کیا جاتا ہے، میرے لئے عمرہ کرنے کی کیفیت لکھ کر دیدیں، میں عمرہ کرنے آؤں گا تو مدینہ میں آپ سے ملاقات کروں گا، پھر وہاں سے فرانس چلا جاؤں گا، اس بار میں طالب علم کے ساتھ اب داعی بھی بن چکا ہوں، فرانسیسی اور انگریزی زبان بھی جانتا ہوں، چنانچہ میں نے اس کے لئے عمرہ کے احکام لکھ دیئے۔

وہ مکہ آکر عمرہ کیا، پھر میری زیارت کیلئے وہ مدینہ آیا، میں نے اسے کچھ مترجم کتابیں دیں، پھر وہ فرانس واپس چلا گیا، جہاں اس نے تعلیم مکمل کی۔اس وقت وہ سعودی عرب ہی کے اندر ایک شہر میں کسی محکمے کے اندر ذمیدار ہے، وہ مجھ سے برابر رابطے میں رہتا ہے، اللہ نے اسے اسی جماعت کے ہاتھ پر ہدایت دی ہے۔

یہ ایک مثال ہے، ورنہ مراکش کے کئی نوجوانوں نے اس جماعت میں جانے کا اپنا اپنا واقعہ بتلایا اور یہ کہ انہیں اس جماعت نے کیسے شراب وکباب سے نکالا، اور یہ ان کے ساتھ کس طرح نرمی سے پیش آتے تھے اور کہتے تھے: تمہارے باپ دادا شیر تھے، اور شیر کے بچے بکریوں کے ساتھ نہیں رہتے، یہ یورپین حیوان ہیں، کیا تم ان جانوروں کی طرح زندگی گزاروگے؟ شیر کے بچے شیر کے ساتھ رہتے ہیں، آؤ ہم تمہیں آئینہ میں تمہارا چہرہ دکھاتے ہیں، انہوں نے پوچھا: آئینہ کہاں ہے؟

چنانچہ وہ لوگ انہیں لے کر پیرس سے باہر ایک مسجد میں لے گئے اور ان سے کہا: غسل کرو، ان لوگوں نے غسل کیا اور مسجد گئے، وہاں ان لوگوں نے نماز پڑھی، تو ان لوگوں نے کہا: یہی آئینہ ہے۔ تم ایسے ملک سے آئے ہو جہاں مساجد ہیں وہاں لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اس طرح وہ نوجوان ان کے ہاتھ پر تائب ہوئے اور ان کا توبہ ٹھیک ٹھاک رہا۔

کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جنہیں انسان بھلا نہیں سکتا، مدینہ واپسی کے دوران میں نے انہیں دوران سفر اس قدر عبادت اور اچھے اعمال کرتے دیکھا کہ ویسا نوجوانوں کو کبھی نہیں دیکھا تھا، واقعی اس جماعت کا ان نوجوانوں پر بڑا اثر ہوا، اور یہ کہ اللہ تعالی نے ان کے ہاتھوں انہیں بچا لیا۔

پھر ان کے ساتھ میں نے جیبوتی اور کینیا میں بھی کام کیا ہے، اور وہاں بھی میں نے انہیں اچھا پایا، افریقہ میں بھکمری کا زمانہ تھا، لوگ مشرقی افریقہ سے جیبوتی اور کینیا تک مالی امداد بھیجتے تھے، مگر راستے ہی میں علاقائی امدادی تنظیمیں انہیں کھا جاتی تھیں، وہ لوگوں سے کہتے کہ اس علاقے میں نہ جاؤ، وہ علاقہ غیر محفوظ ہے وہاں کے لوگ تمہیں قتل کر دیں گے، مجھے دیدو ہم تمہاری امداد ان تک پہونچا دیں گے، پھر وہ ان سے امداد لیکر کھا جاتے تھے۔

مگر یہ تبلیغی جماعت والے مالی امداد اپنی گاڑیوں میں لیکر ان علاقوں تک خود جاتے تھے، دیہاتی علاقوں میں جاتے تھے، جہاں لوگ اپنے چوپایوں کے ساتھ مر رہے تھے، پانچ پانچ دنوں تک گاڑیوں میں سفر کرتے تھے، ادارہ برائے بحوث علمیہ کی آفس کی طرف سے گاڑیاں ہوتی تھیں، ہم کھانے کی چیزیں خرید کر ضرورت مندوں تک خود پہونچاتے تھے، یہ ہمارا انکے ساتھ ذاتی مشاہدہ ہے۔

اسلئے جب مجھ سے یہ سنو کہ میں نے تبلیغی جماعت کی تعریف کی ہے تو یہ میں نے دوسروں سے نہیں بلکہ میں نے خود جو دیکھا اور سنا ہے ڈھاکہ کے اندر اور جو کچھ دیکھا ہے کینیا اور جیبوتی کے اندر اسی کو بیان کرتا ہوں، مگر اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ وہ ہر چیز میں اچھے ہیں، میری مثال شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی

ہے جوعلمائے تصوف سے اچھی باتیں نقل کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ایسی بات نہیں ہے کہ ان میں سے ہم جن کا کلام نقل کرتے ہیں ہم بھی وہی عقیدہ رکھیں جو وہ رکھتے ہیں ۔

چنانچہ میں بھی یہ کہتا ہوں کہ کوئی ضروری نہیں کہ تبلیغی جماعت والے جو کرتے ہیں وہ سب حق ہو، ان کے یہاں بھی غلطیاں ہیں، بعض غلطیاں تو شرک تک پہونچ جاتی ہیں، جیسا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ وہ ایسی مساجد میں نماز پڑھتے ہیں جن کے اندر قبلہ رو قبریں ہوتی ہیں، اور وہ انہیں برا بھی نہیں مانتے، بلکہ بعض اوقات انہیں ایسا کرنے کیلئے مکلف بنایا جاتا ہے ۔

اور اخیر میں یہاں ہمارے ملک میں یہ لوگ ہمارے نوجوانوں کو بہت زیادہ چرانے لگے، یعنی انہیں اپنی صفوں میں کھینچنے لگے، تو ہم نے ان سے کہا کہ ہمارے نوجوانوں کو واپس کردو، ورنہ ہم تم سے دشمنی کریں گے، مگر ان لوگوں نے انکار کردیا، وہ نوجوانوں کے اندر علم کی اہمیت گھٹانے لگے، کہا: علم سیکھنے سے قساوت قلبی پیدا ہوتی ہے، ہمارے پاس آؤ ہم تمہارے دلوں کو اور تمہای ضمیروں کو پاک کردیں گے، اسلئے کہ طلب علم ضمیر کی پاکی کے خلاف ہے، حالانکہ اس طرح کی بات بہت ہی سنگین ہے بلکہ بعض دفعہ یہ کفر اور ارتداد تک پہونچ سکتا ہے، اسلئے اس میں کتاب وسنت اور واجبی طلب علم سے لوگوں کو بے رغبت کرنا ہے، اور انہیں مجرد دعوت کیلئے نکالنا ہے، اور یہ اعتقاد رکھنا کہ دعوت کیلئے نکلنا عبادت ہے، اور یہ اللہ کی راہ میں نکلنا ہے، یہ سب ان کی غلطیاں ہیں ۔

پھر میں کہوں گا کہ سیاسی اعتبار سے یہ ٹھیک ہے اسے سیاست سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، یہ صرف اللہ کی عبادت کرتی ہے، خیر کے کام کرتی ہے، مگر ان کے یہاں جہالت بہت ہے، علم وتعلم سے یہ خود دور ہیں اور دوسروں کو بھی دور کرتے ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ لوگ جہالت کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں، جبکہ اکثر جاہلوں کی عبادت مقبول نہیں ہوتی کیونکہ وہی اکثر بدعتی ہوتے ہیں اور وہ بہت سارے عبادت کے اعمال ٹھیک ڈھنگ سے انجام نہیں دے پاتے ۔

اور دین کے اندر جہالت اگر حقیقی معنوں میں دیکھنا ہو تو تبلیغی جماعت اور اخوانی جماعت میں دیکھو اور ان ساری جماعتوں میں جن کے یہاں بدعات اور گمراہیاں پائی جاتی ہیں، جن سے مسلمانوں کے اندر اختلاف وانتشار پیدا ہوتا ہے، مگر میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس طرح کی دعوتی جماعتیں بنانا ضروری بھی سمجھتے ہیں تو پھر یورپ اور دوسرے کافر ممالک میں جا کر بنائیں جہاں ان سے لوگوں کو فائدہ ہو، اخوان المسلمین جماعت کا مسلمانوں کے اندر کیا فائدہ، ہم تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں، صحیح کہا تھا ملک عبدالعزیز نے حسن بنا سے جب وہ حج کرنے آئے تھے اور انہوں نے ملک عبدالعزیز سے درخواست کیا کہ اللہ آپ کی عمر میں برکت دے، میں یہاں آپ کے ملک میں ایک جماعت بنانا چاہتا ہوں۔ ملک عبد العزیز نے کہا: یہاں ہم سب لوگ مسلمان ہیں، تم اپنی یہ جماعت کہاں بناؤ گے؟ یہاں جگہ نہیں ہے، جاؤ مصر ہی میں بناؤ۔ اس طرح انکار کر دیا۔

جواب بہت ہی معقول اور مختصر تھا، اور میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ اخوان المسلمین، اسلامی جماعت، جماعۃ المسلمین یا تبلیغی جماعت جیسی جماعتوں کا اسلامی ملکوں میں کوئی کام نہیں ہے، بلکہ انصاف کی بات یہ ہیکہ ایسی جماعتوں کو غیر اسلامی ملکوں میں کام کرنا چاہئے۔

سائل سے کہوں گا کہ اگر آپ سلفیوں اور اخوانی جماعت اور تبلیغی جماعت سب کو ایک ہی طرح سمجھتے ہو تو یہ غلط سوچ ہے، گویا آپ نے سلف کا مطلب سمجھا ہی نہیں، سلفیت اسلام کی صحیح ترجمانی کا نام ہے، یعنی وہ منہج جس پر سلف قائم تھے، یہ منہج کوئی وضعی یا اجتہادی نہیں ہے، یہ کتاب وسنت کا نام ہے وہ منہج جس کا ذکر خود اللہ کے رسول ﷺ صحابہ سے کیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ میں نے تم کو ایک ایسے صاف اور روشن راستہ پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، اس راستہ سے میرے بعد صرف ہلاک ہونے والا ہی انحراف کرے گا جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ ، يَقُولُ: وَعَظَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،

مَوْعِظَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ هَذِهِ لَمَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا؟ قَالَ: " قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ، مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَعَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ، حَيْثُمَا قِيدَ انْقَادَ".

ترجمہ: سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی نصیحت فرمائی جس سے ہماری آنکھیں ڈبڈبا گئیں، اور دل لرز گئے، ہم نے کہا: اللہ کے رسول! یہ تو رخصت ہونے والے کی نصیحت معلوم ہوتی ہے، تو آپ ہمیں کیا نصیحت کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے تم کو ایک ایسے صاف اور روشن راستہ پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، اس راستہ سے میرے بعد صرف ہلاک ہونے والا ہی انحراف کرے گا، تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سارے اختلافات دیکھے گا، لہٰذا میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت سے جو کچھ تمہیں معلوم ہے اس کی پابندی کرنا، اس کو اپنے دانتوں سے مضبوطی سے تھامے رکھنا، اور امیر کی اطاعت کرنا، چاہے وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ مومن نکیل لگے ہوئے اونٹ کی طرح ہے، جدھر اسے لے جایا جائے ادھر ہی چل پڑتا ہے“۔

چنانچہ اخوانی جماعت اور تبلیغی جماعت کے ساتھ سلفیت کا ذکر کرنا بہت بڑی غلطی ہے، آخر دونوں میں کیا نسبت ہے؟ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور پھر دائیں بائیں دوسری کئی لکیریں کھینچیں، جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ خَطَّ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا

ثُمَّ قَالَ هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوطًا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ ثُمَّ قَالَ هَذِهِ سُبُلٌ قَالَ يَزِيدُ مُتَفَرِّقَةٌ عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ ثُمَّ قَرَأَ إِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ۔

ترجمہ: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں بائیں کچھ اور لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں جن میں سے ہر راستے پر شیطان بیٹھا ہے اور ان راستوں پر چلنے کی دعوت دے رہا ہے، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ" یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو اس کی پیروی کرو، دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ تم اللہ کے راستے سے بھٹک جاؤ گے"۔

کیا آپ نہیں سمجھتے کہ یہی سیدھی لکیر ہی کا نام سلفیت ہے، اور وہ دوسری لکیریں دیگر متفرق جماعتیں ہیں؟ یہی حقیقت ہے، ضروری ہے کہ ان حقائق کو سمجھا جائے، اسلئے ان جماعتوں کے ساتھ سلفیت کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔

سلفی سلف کی طرف نسبت ہے اور الحمدللہ ہم اپنے سلفی ہونے پر فخر کرتے ہیں، ہم سلف نہیں ہیں بلکہ سلفی ہیں، سلف ان تمام لوگوں کو کہتے ہیں جو آپ سے پہلے آپ کے باپ دادا اور دوسرے صحیح منہج کے لوگ گزر گئے، اور جب آپ انکے بعد میں آئے اور ان کے نقش قدم پر چلے تو سلفی کہلائے لیکن اگر ان کی مخالفت کی تو خلفی ہو جائیں گے۔

اس لئے ان حقائق کو سمجھو، چنانچہ وہ خلفی ہے جو اپنے پہلوں کی مخالفت کرے، جیسا کہ ایک جگہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا[59] إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا} ترجمہ: پھر ان کے بعد ایسے نالائق جانشین ان کی جگہ آئے

جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے تو وہ عنقریب گمراہی کو ملیں گے۔ [59] مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیا تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا۔

قرآن نے انہیں خلف کہا ہے؛ اسلئے کہ انہوں نے عقیدے اور سلوک میں اپنے پہلوں کی مخالفت کی ہے اسی لئے انہیں خلف کہا گیا، مگر جو ان کے عقیدے اور سلوک میں انکے نقش قدم پر چلتے ہیں تو انہیں سلفی کہا جاتا ہے، یعنی انہیں کی طرف منسوب ہیں اور انہیں کے نقش قدم پر چلتے بھی ہیں، اسلئے سلفیت کو ان جماعتوں کے ساتھ ملانا انصاف نہیں ہے۔

اور جہاں تک کسی نئی جماعت کی طرف منسوب کرنے کا تعلق ہے تو ہمیں جاننا پڑے گا کہ وہ جماعت کب پیدا ہوئی، کیسے پیدا ہوئی اور وہ کتاب وسنت کی موافقت کہاں تک کرتی ہے اور کہاں تک مخالفت کرتی ہے، اور اسی طرح اسکے منہج میں کیا خامی ہے، جیسے اخوانی جماعت، اسلامی جماعت وغیرہ، تو ان جماعتوں کے پیروکاروں میں اپنے لئے حد درجہ تعصب پایا جاتا ہے، انکی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے لقب کو بطور دین کے پیش کریں، یہ نصوص پر ڈاکہ ہے، اور ان نصوص ایسی چیزوں پر محمول کرنا ہے جن کا وہ متحمل نہیں ہیں، یہ بہت بڑی غلطی ہے، یہ جھوٹ ہے بالکل جائز نہیں ہے۔

جب (الجماعہ) کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد یہ آج کی جماعت نہیں ہوتی ہے جو حسن بنا کے پیدا ہونے کے بعد بنائی گئی ہے، بلکہ اس سے مراد صحابہ کی جماعت ہے، یعنی مسلمانوں کی پہلی جماعت، اور اگر ہم اس کے اندر کچھ گنجائش رکھ لیں تو اس میں تابعین بھی آسکتے ہیں، اور وہ لوگ جو حق پر ہیں، ان کے منہج کے اندر حقانیت ہی ہو گرچہ وہ معصوم نہیں ہیں؛ اس لئے کہ ان لوگوں کے تعلق سے ان کی خیریت اور ان کی حقانیت کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گواہی دی ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " خَيْرُ

النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَجِيءُ أَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ". قَالَ إِبْرَاهِيمُ: وَكَانُوا يَضْرِبُونَنَا عَلَى الشَّهَادَةِ وَالْعَهْدِ.

ترجمہ: سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے اور اس کے بعد ایسے لوگوں کا زمانہ آئے گا جو قسم سے پہلے گواہی دیں گے اور گواہی سے پہلے قسم کھائیں گے۔" ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ہمارے بڑے بزرگ شہادت اور عہد کا لفظ زبان سے نکالنے پر ہمیں مارتے تھے۔

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرقہ ناجیہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ اس سے مراد یہی جماعت ہے، جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي عَامِرٍ الْهَوْزَنِيِّ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، أَنَّهُ قَامَ فِينَا، فَقَالَ: أَلَا إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِينَا، فَقَالَ: " أَلَا إِنَّ مَنْ قَبْلَكُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ افْتَرَقُوا عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَإِنَّ هَذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ: ثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ، وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ. زَادَ ابْنُ يَحْيَى، وَعَمْرٌو فِي حَدِيثَيْهِمَا: وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَجَارَى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ لِصَاحِبِهِ، وَقَالَ عَمْرٌو: الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ لَا يَبْقَى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ إِلَّا دَخَلَهُ".

ترجمہ: ابوعامر عبداللہ بن لحی حمصی ہوزنی کہتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر کہا: سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا: "سنو! تم سے پہلے جو اہل

کتاب تھے، بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے، اور یہ امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، بہتر فرقے جہنم میں ہوں گے اور ایک جنت میں اور یہی (الجماعة) ہے"۔ ابن یحییٰ اور عمرو نے اپنی روایت میں اتنا مزید بیان کیا: "اور عنقریب میری امت میں ایسے لوگ نکلیں گے جن میں گمراہیاں اسی طرح سمائی ہوں گی، جس طرح کتے کا اثر اس شخص پر چھا جاتا ہے جسے اس نے کاٹ لیا ہو"۔ اور عمرو کی روایت میں یہ بھی ہے: کوئی رگ اور کوئی جوڑ ایسا باقی نہیں رہتا جس میں اس کا اثر داخل نہ ہوا ہو۔

کتے کے کاٹنے کی مثال اسلئے دی ہے کیونکہ جس طرح کتے کا زہر رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے، اسی طرح بدعتیں ان کے رگ و ریشہ میں سما جاتی ہیں۔

یہ جماعت کا لفظ نبوی لفظ ہے، نبی اکرم ﷺ نے اس لفظ کو استعمال کیا ہے، تو کیا اس جماعت سے اخوانی جماعت یا اسلامی جماعت مراد ہے یا یہاں جماعت سے مراد وہی پہلی جماعت مراد ہے جو نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں تھی جس کی طرف اشارہ کر کے آپ ﷺ نے کہا کہ اس سے یہی جماعت مراد ہے یعنی میرے صحابہ کی جماعت۔

اس میں صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کی جماعت بھی شامل ہو جائے گی جن کی خیریت کی گواہی دی گئی ہے اور وہ سارے لوگ آجائیں گے جو ان کے نقش قدم پر چلیں گے۔

اور یہ ضروری ہے کہ امت کے لوگ جو بعد میں آئے ہیں وہ آیتوں، حدیثوں اور صحابہ و تابعین سے منقول اقوال کو سمجھنے میں مستقل نہ بنیں، بلکہ دیکھیں کہ آپ سے پہلے صحابہ، تابعین اور ائمہ دین اور علمائے اسلام نے ان نصوص کو کیسے سمجھا ہے، اور اسکی روشنی میں کیا منہج اختیار کیا ہے، ایسا نہ ہو کہ آج کل آپ اور ہماری طرح چھوٹے طالب علم آ کر ان نصوص میں اپنی رائے اور عقل سے سمجھنے کا دعوی کریں اور اسی طرح کہنے لگیں جیسے بوطی نے کہا تھا کہ امام مالک نے اپنے زمانے میں یہ کہا تھا کہ استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے، مگر

اس وقت ہم اس طرح نہیں کہہ سکتے ہیں، آج کا زمانہ الگ ہے۔

گویا آج ہمارا مفہوم بدل گیا اور ہمارا منہج بھی بدل گیا ہے، تصور اور سوچ و فکر بھی بدل چکے ہیں، یہی چیز جائز نہیں ہے، اسکا مطلب سلف سے الگ ہونا ہے، اور جو اپنے عقیدہ اور دین کو سمجھنے میں سلف سے الگ ہوگیا وہ گمراہ ہو جائے؛ اسلئے اس جماعت کیلئے رسول معصوم ﷺ نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ وہ خیریت، حق اور افضلیت پر ہیں، اور دین کے تعلق سے سارا خیر اسی میں ہے جو انہوں نے کہی ہے، اور جو کیا ہے، اور جو اعتقاد رکھا ہے، چنانچہ جو سلف کی مخالفت کرے اس کے یہاں سارا شر ہے۔

اسی لئے ہم اپنے نوجوانوں کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ ہم نصوص کے سمجھنے کیلئے نئے معیار اور نئے مفاہیم کا استعمال نہ کریں خواہ وہ اپنی طرف سے ہوں یا جدید مولفین کی طرف سے بلکہ ان جدید مفاہیم کو قدیم مفاہیم پر پیش کریں اور دونوں مفاہیم کے درمیان مقارنہ کریں۔

دعاء ہے کہ اللہ ہمیں خیر کے ساتھ ملائے، اور اللہ ہی کی خاطر ہمارے درمیان محبت باقی رہے، اور اسی کی راہ میں ہم کام کریں، اور ہم سب کو فتنوں اور ان کے آثار بد سے محفوظ رکھے، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ۔

سوال نمبر ۹:

سیر اعلام النبلاء کے اندر ساتویں جلد میں حسن بن صالح بن حیی کے ترجمے کے تحت ایک اثر وارد ہوا ہے کہ سفیان ثوری انہیں متروک سمجھتے تھے؛ کیونکہ وہ بدعت پر تھے گرچہ وہ اسکا پرچار نہیں کرتے تھے، یعنی حکام کے خلاف خروج کے قائل تھے، یہاں تک کہ سفیان ثوری نے انہیں ایک بار ایک مسجد میں دیکھا تو وہ وہاں سے نکل گئے اور کہا: میں نفاق کے خشوع سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

کیا اس سے یہ استدلال کر سکتے ہیں کہ اگر بدعتی اپنی بدعت کا پرچار نہ بھی کرے تو بھی اسکا بائیکاٹ کر دی اور کیا اسے ہم اسلام کے نام پر بنی جدید اسلامی جماعتوں پر تطبیق دے سکتے ہیں؛ کیونکہ الگ جماعت کی طرف انکی نسبت کرنا بدعت ہے؟

جواب:

بدعتی یا تو صرف اپنی بدعت پر عمل کرتا ہے یا عمل کے ساتھ اس کی دعوت بھی دیتا ہے، اور ان دونوں میں فرق ہے، اس میں فرد اور جماعت دونوں شامل ہیں، چناچہ ایک جماعت جو بدعتوں پر عمل کرتی ہے، اسکے اعمال میں بدعت، عبادات میں بدعت اور عقیدے میں بدعت، ہر جگہ بدعت ہے، مگر وہ اپنی بدعت کی طرف دعوت نہیں دیتی ہے، یا اسے بدعت کے پرچار کا موقع نہیں ملتا، چنانچہ اسکی بدعت اسی کے ساتھ منحصر ہے، یہ چیز کسی جماعت کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے اور افراد کے ساتھ بھی۔

اسی طرح کچھ دوسری جماعتیں ہیں جو بدعات پر عمل بھی کرتی ہیں اور ان بدعات کی طرف دعوت بھی دیتی ہیں، اور اسکے لئے مختلف اسالیب اختیار بھی کرتی ہیں، اس طرح دونوں طرح کے افراد اور جماعتوں میں فرق ہے۔

اور جہاں تک بائیکاٹ کرنے یا نہ کرنے کا تعلق ہے تو یہ اسلامی مصلحت اور اصلاحی مصلحت پر مبنی ہے، دیکھیں گے کہ کیا بائیکاٹ سے اس پر کچھ اثر پڑے گا یا نہیں، ایک بدعتی کیا اپنی بدعت چھوڑے گا؟

ایک مجرم یا گنہگار کیا اپنا جرم اور گناہ چھوڑ ے گا؟ یا مصلحت اس میں ہے کہ اس سے قریب رہ کر اور اسکے ساتھ حسن سلوک سے پیش آ کر اس پر اثر ڈالا جا سکتا ہے؟

آپ خود یہ فیصلہ کر سکتے ہیں اور جان سکتے ہیں کہ آپ کا ساتھی، یا آپ کا پڑوسی کیسا ہے اور کس مزاج کا ہے؟ یا وہ شخص جس کے اندر بدعت پائی جاتی ہے اور آپ اس کے ساتھ رہتے ہیں، وہ کس مزاج کا ہے، خواہشات نفس میں وہ کس قدر منہمک ہے؟ آپ اسکا خود اندازہ لگائیں، پھر دیکھیں کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں سے کون سی صورت بہتر ہے، اگر چھوڑ دینے اور بائیکاٹ کرنے میں فائدہ ہے کہ اس سے اس پر اثر ہوگا اور وہ توبہ کر سکتا ہے تو پھر ایسا کر سکتے ہیں، یہ فتوی کوئی دوسرا نہیں دے گا، آپ کو خود فیصلہ کرنا ہوگا، اسلئے کہ عمومی پیمانے پر بائیکاٹ کا مسئلہ شخصی مسئلہ ہے۔

اور جہاں تک اس بدعتی کے درمیان فرق کرنے کا تعلق ہے جو اپنی بدعت کا پرچار کرتا ہو اور وہ بدعتی جو اپنی بدعت کا پرچار نہ کرتا ہو، تو ظاہر سی بات ہے کہ پرچار کرنے والا بدعتی زیادہ خطرناک ہے، اس بدعتی کا مقابلہ بھی کرنا ضروری ہے اگر آپ کے پاس اسکی طاقت ہے، تو آپ اسکا مقابلہ کریں؛ کیونکہ یہ جہاد میں شامل ہے، بایں طور کہ آپ اسکے باطل عقیدے، اسکے باطل مذہب ومنہج اور اسکی باطل دعوت کو لوگوں کے سامنے بیان کریں، اور اسے مختلف وسائل سے بیان کریں، اور اسکا مقابلہ کریں اسی طرح جس طرح آپ کسی بھی بدعت یا گمراہی کا مقابلہ کرتے ہیں؛ اسلئے کہ یہ گمراہی ہے اور جان بوجھ کر گمراہی پھیلانے والے کے ساتھ کوئی مجاملت اور کوئی مروت نہیں برتی جاتی۔

ایسے بدعتیوں کے ساتھ تساہل بھی نہیں برتنا چاہئے اسلئے کہ انکی دشمنی واضح ہے، یہ وحدت الوجود والے حلولی صوفی ہوتے ہیں، یہ اپنی بدعت کو پھیلانے کیلئے ہر طریقہ اپناتے ہیں، اسلئے ان کا مقابلہ کرنا واجب ہے، اور یہاں مقابلہ سے مراد یہ ہیکہ اگر آپ کے پاس استطاعت ہے تو آپ ایسے فرد اور جماعت کا نام لیکر انکے عقیدہ کے بطلان کو واضح کریں، یہ اپنے خطاب عام میں بھی بیان کریں اور

اپنے دروس میں بھی اور اپنی تحریروں میں بھی۔ ایسے لوگوں کو چھپانا اور انہیں درکنار کرنا مناسب نہیں ہے، اسلئے کہ ایسے بدعتیوں کا مقابلہ کرنا جو اپنی بدعات کا پرچار کرتے ہیں، جہاد میں شامل ہے۔

ہاں وہ بدعتی جو کمزور ہو یا کسی بھی وجہ سے اپنی بدعت کا پرچار نہ کرتا ہو یا وہ اس بدعت میں نادانی کی وجہ سے پڑ گیا ہو، تو ایسے بدعتی کو آپ چپکے سے سمجھا سکتے ہیں، اور اسکے قریب ہو کر آپ اس پر اثر انداز بھی ہو سکتے ہیں، اس سے اسکی فضیحت بھی نہیں ہوگی، کیونکہ اس نے اپنی بدعت کا پرچار کرکے خود کو رسوا نہیں کیا، اسلئے اسے بھی رسوا کرنا مناسب نہیں ہے، یہاں مصلحت اسی میں ہے۔

یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ دینی مصلحت کی وجہ سے کسی کی خاطر مدارات کرنا یا کہہ لیں اسکی چاپلوسی کرنا اور شخصی مصلحت کی خاطر کسی کی خاطر مدارات کرنے میں فرق ہے، دعوت دین میں اسے حکمت کہیں گے شخصی مصلحت میں اسے چاپلوسی کہیں گے۔

اس کے ساتھ یہ خیال ضرور رکھا جائے گا کہ اسے رسوا نہ کیا جائے کیونکہ اس نے اسکی دعوت نہ دے کر اور حق کا معارضہ نہ کرکے خود کو رسوائی سے بچا لیا ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۱۰:

کچھ کتب خانے ایسے ہیں جو معاصر قلمکاروں کی کتابیں نشر کرتے ہیں جن کی عبارتیں طلبہ نہیں سمجھ سکتے، بلکہ بعض تفاصیل ان میں اشاعرہ کی ہوتی ہیں، اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کا حوالہ ایسی جماعتوں کی طرف دیا گیا ہوتا ہے جن کے عقائد میں خلل پایا جاتا ہے، اس پر آپ کیا فرمائیں گے؟

جواب:

پہلے میں یہی کہوں گا کہ کسی چیز پر حکم لگانا اسکے بارے میں صحیح تصور کرنے یعنی اسکے جاننے پر منحصر ہے، یعنی جب تک آپ اس چیز کا صحیح تصور کر کے اسکی حقیقت کا پتہ نہیں لگا لیں گے اس وقت تک آپ اس پر صحیح حکم بھی نہیں لگا سکیں گے۔ اس لئے میں ایسے کسی کتب خانے کو نہیں جانتا جن کی طرف سوال میں اشارہ کیا گیا ہے، اسلئے میں ایسے کتب خانوں کو فرضی سمجھ کر یا ان کا تصور کر کے ہی حکم لگا سکتا ہوں، چنانچہ اگر ایسے کتب خانے پائے جاتے ہیں جو نقصان دہ اور مضر کتابیں نشر کرتے ہیں جن کے اندر بدعقیدگیاں ہوتی ہیں تو ایسا عمل بہت ہی غلط ہے۔

مگر میں ذاتی طور پر ایسا کوئی کتب خانہ نہیں جانتا لیکن ایسی کتابیں ملی ہیں جنہیں نشر کیا گیا ہے جیسے بعض تفاسیر کی کتابیں جن میں بدعقیدگی پائی جاتی ہے، ایسی کتابیں جن میں تحریف پائی گئی ہے، یا بعض ایسی کتابیں جو متعین جماعت کا پرچار کرتی ہیں، اس جماعت کی فکر کی طرف دعوت دیتی ہیں، اس طرح گویا یہ کتب خانہ اس جماعت کی خدمت کر رہی ہے، تو ایسا کوئی بھی عمل صحیح نہیں ہے۔

ایسے کتب خانوں کے مالکان کو ہم نصیحت کریں گے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور ایسی کوئی بھی کتاب نشر نہ کریں جو غیر مفید ہوں یا جن کے اندر بدعقیدگی پائی جائے، وہ مفید کتابیں شائع کریں اور غیر مفید کتابوں کے شائع کرنے سے پرہیز کریں۔

۞۞۞

سوال نمبر ۱۱:

میں نے آپ کا ایک مضمون (الحکم علی الشیءفرع عن تصورہ) کے عنوان پر پڑھا ہے، اس عبارت کا کیا مفہوم ہوتا ہے؟

جواب:

یہ اصولیوں کا کلام ہے جسے انہوں نے مناطقہ سے لیا ہے، اس طرح یہ ایک ضرب المثل اصول ہے، اس کا مفہوم یہ ہیکہ جب آپ کسی گلاس میں رکھے پانی پر حکم لگانا چاہیں کہ وہ حلال یا حرام ہے تو یہ ضروری ہے کہ پہلے اسکے بارے میں یہ تصور کریں کہ وہ پانی ہے یا شراب، یعنی جب تک آپ اس چیز کا صحیح تصور کرکے اسکی حقیقت کا پتہ نہیں لگالیں گے اس وقت تک آپ اس پر صحیح حکم بھی نہیں لگاسکیں گے۔اسلئے کسی چیز پر حکم لگانا اسکے بارے میں صحیح تصور کرنے یعنی اسکے جاننے پر منحصر ہے۔

چنانچہ جب آپ نے یہ پہچان لیا کہ وہ پانی ہی ہے تو اب آپ کیلئے یہ جائز ہے کہ اس پر حلال کا حکم لگائیں، اور اگر آپ نے یہ پہچان لیا کہ وہ شراب ہے تو اس پر حرمت کا حکم لگاسکتے ہیں، لیکن اگر کوئی ایک اٹھاکر پوچھے کہ آپ اس گلاس کے اندر جو ہے اس پر کیا حکم لگاتے ہیں؟ تو آپ اس وقت کہیں گے کہ (الحکم علی الشیءفرع عن تصورہ) یعنی کسی چیز پر حکم لگانا اسکے بارے میں صحیح تصور کرنے یعنی اسکے جاننے پر منحصر ہے۔اور گلاس میں کیا ہے دودھ ہے، پانی ہے یا شراب ہے اس کا مجھے صحیح پتہ نہیں ہے۔

دراصل یہ عبارت میں نے کویتی میگزین (المجتمع) کے مالک الشطی سے ایک علمی مناقشہ میں استعمال کیا تھا۔وہ جامعہ اسلامیہ، کویت سے فارغ ہے، ایک باروہ سلفیوں پر غصہ ہوگیا، اور ان کتابوں پر بھی اپنا غصہ اتارنے لگا جنہیں سلفی طلبہ جامعہ میں پڑھتے ہیں، اس نے کہا: یہ طحاویہ اور واسطیہ کے سوا کچھ نہیں جانتے، اس طرح وہ سلفیوں کا مذاق اڑا رہا تھا۔

میں نے اسکا جو اسکا مناسب جواب دیا اور اس پر ایک مضمون لکھ دیا جس کا یہی عنوان رکھ دیا:

(الحکم علی الشیء فرع عن تصورہ)

یعنی تمہیں دراصل معلوم ہی نہیں ہے کہ طحاویہ اور واسطیہ کی حقیقت کیا ہے، ان کتابوں کی قیمت اور اہمیت تم جیسے لوگ نہیں سمجھ پاؤ گے، اسلئے ایسی چیزوں کو بنیاد بنا کر تم کسی پر کیسے طعن و تشنیع کر سکتے ہو جن کی حقیقت تمہیں خود معلوم نہیں؟

یہی اس مضمون کا خلاصہ ہے، یہ جامعہ اسلامیہ مدینہ کے میگزین میں شائع ہوا تھا، مگر علمی پیمانے پر علاحدہ اسے اب تک شائع نہیں کیا گیا ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۱۲:

کیا عقلانی مکتب فکر والے اہل سنت والجماعہ میں شامل ہیں؟

جواب:

یہ مکتب فکر کب سے آگیا؟ یہ نیا اسلوب ہے جس سے لوگوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے، جب ایسا بات سنی جاتی ہے تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ بھی کوئی مکتب فکر ہے جسکی کوئی بنیاد ہوگی کوئی جگہ ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں، اس کی کوئی زمینی حقیقت نہیں ہے، یہ لقب بعض وہ قلمکار استعمال کرتے ہیں جنہیں زرق برق الفاظ زیادہ پسند ہیں انہیں معانی سے کچھ لینا دینا نہیں ہوتا، وہ نقل سے زیادہ عقل پر اعتماد کرتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کو عقلانی کہتے ہیں، ورنہ اسکی کوئی زمینی حقیقت نہیں ہے، ایسا کوئی مکتب فکر باقاعدہ سماج میں نہیں پایا جاتا، کچھ نمایاں افراد ہیں جو یورپین کلچر اور انکے جدید علوم سے متاثر ہوکر ایسے افکار کے حامل ہیں چنانچہ محمد عبدہ اور محمد غزالی جیسے لوگوں کو اس مکتب فکر کا سرپرست مانا جاتا ہے، اور ایسے لوگوں کو عقلانی کہا جاتا ہے، یہ نیا اسلوب ہے، یہ لوگ عقل وفکر اور آراء کی تقدیس کرتے ہیں اور نصوص شرعیہ کو ہلکا سمجھتے ہیں، سوائے انہیں نصوص کے جو انکی عقلوں اور خواہشات کے مطابق ہوں۔

اور جہاں تک یہ کہنا کہ ان کا تعلق اہل سنت والجماعہ سے ہے یا نہیں تو یہ لوگوں کی اصطلاح اور انکے مقصود پر منحصر ہے کہ وہ اہل سنت والجماعہ سے کیا مراد لیتے ہیں، کبھی اہل سنت ان سارے مسلمانوں کو کہا جاتا ہے جو شیعہ یا رافضی نہ ہوں، مثلا وہ علاقہ جہاں شیعہ اور سنی دونوں رہتے ہوں تو سنیوں کیلئے یہ اصطلاح استعمال کیا جاتا ہے، خواہ وہ غالی صوفی ہو بدعتی ہو کچھ بھی ہو بس رافضی یا شیعی نہ ہو تو اسے سنی کہا جائے گا۔

ایسی صورت میں اسکا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ وہ سنت پر چلتا ہے، بلکہ یہاں صرف مقصود یہ ہیکہ وہ شیعہ

نہیں ہے، ورنہ اہل سنت والجماعہ کا صحیح معنی یہ ہیکہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو کتاب وسنت پر عمل کرتے ہیں، اور جہاں تک ان عقلانیوں کا تعلق ہے تو یہ کتاب وسنت کو ہلکا سمجھتے ہیں بلکہ مذاق تک اڑاتے ہیں۔

شاید محمد غزالی کے بارے میں یہ پڑھا ہوگا کہ کسی کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کئے جانے کے مسئلے پر وہ اس شرعی حکم کا مذاق اڑاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کیسی بیہودگی ہے، یعنی شرعی حکم کو گالی دے رہا ہے، جب کہ یہ اتفاقی حکم ہے، چنانچہ یہ بندہ ان تمام نصوص شریعت کی مخالفت کرتا ہے اور انکا مذاق اڑاتا ہے جو اسکے خواہشات کے مطابق نہ ہوں۔

اب ایسے لوگوں کو اہل سنت والجماعہ صرف اس طور پر کہہ سکتے ہیں کہ وہ رافضی شیعہ نہیں ہیں، گرچہ وہ روافض کا ساتھی ہو، کیونکہ محمد غزالی نے اہل سنت والجماعہ اور روافض کے درمیان تقارب کی دعوت دی تھی، اور اہل سنت کی ملامت کرتے ہوئے کہا تھا کہ تم لوگ روافض پر تنقید کیوں کرتے ہو؟ تم لوگ شیعہ روافض کی کتابیں اپنے مدارس اور جامعات میں بچوں کو کیوں نہیں پڑھاتے ہو؟

اس طرح محمد غزالی اخوانی روافض کا دفاع کرتا ہے اور ان کی کتابیں پڑھنے اور پڑھانے کا مشورہ دیتا ہے جیسے کہ ان کی ایک اہم کتاب [الکافی] ہے، جو انکے نزدیک بخاری جیسی ہے، مگر بلا مبالغہ اس کتاب کے اندر ۸۰ / فیصد کفریہ مسائل سے بھرے ہوئے ہیں، جن میں صحابہ کرام پر طعن وتشنیع ہے، عائشہ صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہما پر الزامات واتہامات کی بھرمار ہے جبکہ آپ اللہ کی طرف بَری ہیں، سوائے اہل بیت کے تمام صحابہ کی تکفیر کی گئی ہے، اور اہل بیت میں بھی صرف آل علی کا خیال کیا گیا ہے، انکے نزدیک ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سب کافر ہیں، سوائے سیدنا علی کے تمام عشرہ مبشرہ کو اس کتاب کے اندر کافر بتایا گیا ہے، اسی کتاب کو محمد غزالی ہمارے مدارس اور جامعات میں پڑھانے کی وکالت کرتا ہے۔

ان روافض کی اہم کتابوں میں [الحکومۃ الاسلامیہ] بھی ہے، جسکا مصنف مردود خمینی ہے، اس کتاب

کے اندر اس بدبخت نے پوری دنیا میں صرف تین حکومت کو ثابت کیا ہے: ایک رسول اللہ ﷺ کی حکومت، دوسری سیدنا علی کی حکومت اور تیسری اپنی حکومت۔

اس طرح یہ بدبخت خلفائے ثلاثہ کی حکومت، بنوامیہ کی حکومت، عباسی حکومت اور اسکے بعد جگہ جگہ تمام مسلم حکومتوں کو نہیں مانتا، بلکہ اس کے نزدیک باقی سب کفار ہیں، ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

اس طرح کے مغالطات سے یہ گندی کتاب بھری ہوئی ہے، آ کر رسول اللہ ﷺ کی حکومت اور خلفائے اربعہ کی حکومت میں کیا فرق ہے، وہ بھی تو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے مطابق حکومت کرتے تھے؟ مگر یہ ملعون کھوسٹ بڈھا مغالطے سے کام لے رہا ہے۔

اس طرح کی گندی اور بیہودہ کتابوں کے پڑھانے کی وکالت کرتا ہے یہ محمد غزالی، پھر آخر اس کا اہل سنت سے کیا تعلق ہے؟!! ایسے لوگوں سے سب سے زیادہ آگاہ اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے جو اہل سنت کے بھیس میں ان کے عقائد اور افکار پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔

ضروری ہے کہ ہر بات کو کتاب وسنت اور فہم سلف پر پیش کیا جائے، عقلانیت اور عقل پرستوں سے دور رہیں یہ آپ کی عقل وفکر کو فاسد کر دیں گے۔

❁❁❁

سوال نمبر ۱۳:

سروریت کا کیا عقیدہ ہے؟ اسکا منہج کیا ہے؟ اور اس کی مشہور کتابیں کیا ہیں؟

جواب:

اللہ اعلم، کچھ دنوں پہلے بعض مشائخ سے ملاقات ہوئی تو سروریوں کا ذکر آیا، ان کے بارے میں سنتا تو ہوں مگر مجھے کچھ زیادہ معلوم نہیں ہے، لیکن ان کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ یہ بھی اخوان المسلمین ہی کی ایک شاخ ہے، ان کا بھی منہج اور عقیدہ وہی ہے، بعض پروگراموں میں ان کا ذکر آیا ہے، اور میں نے خود بعض مشائخ سے ان کے بارے میں پوچھا بھی ہے، لیکن کچھ خاص جانکاری نہیں ملی۔

البتہ سرور نے خود اپنے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے کہاں کہاں زندگی گزاری، کن کن ملکوں کا سفر کیا، اور اس ملک میں کہاں اور کیسے رہے، اور اپنی کئی کتابوں کا تعارف بھی پیش کیا ہے۔

ان کا کئی نام ہے، ایک نام عبداللہ بھی ہے، یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں زیادہ نہ جان سکیں، اسلئے جب وہ خود ایسا چاہتے ہیں تو ہم بھی ان کے بارے میں نہیں جاننا چاہتے، انہیں اسی طرح مجہول ہی رہنے دیں تو بہتر ہے، مگر وہ اس وقت کسی یورپین ملک میں رہتے ہیں، جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے۔

اور جہاں تک ان کے اور انکے پیروکاروں کے منہج کا تعلق ہے، اور انہوں نے ہر اس ملک میں اپنے پیروکار چھوڑے ہیں جہاں جہاں یہ گئے ہیں، تو انکے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ ان کی تنظیم بھی اخوانی جماعت ہی کی ایک شاخ ہے، بلکہ کہا تو یہ بھی جاتا ہے کہ ان کی تنظیم کچھ زیادہ ہی متشدد ہے، اور انکی سب سے بڑی پہچان یہ ہیکہ یہ حکام پر سب سے زیادہ تنقید کرتے ہیں بلکہ تکفیر تک کر دیتے ہیں، چنانچہ جہاں ماحول انکے حق میں سازگار ہوتا ہے وہاں حکام کی تکفیر کرنے میں نہیں جھجھکتے ہیں، بصورت دیگر یہ تقیہ سے کام لیتے ہیں، اور ان تنظیموں کے اندر یہ تقیہ روافض سے آیا ہے، کیونکہ ان لوگوں کا روافض سے بڑا

گہرا تعلق رہتا ہے میں اس پر تفصیلی بات کرسکتا ہوں کہ کس طرح ان تحریکوں کا روافض سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور یہ کس طرح روافض کے گہرے دوست ہوتے ہیں، مگر میں اس وقت اس پر بات کر کے موضوع کو طول نہیں دینا چاہتا۔

بہرصورت سروریت پر مجھے جو معلوم تھا بتلا دیا، اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہے، اگر کوئی ان کے بارے میں کچھ زیادہ جانکاری چاہتا ہے تو وہ مجھ سے رابطہ کرے گا میں اسے اسی شخص سے بات کرا دوں گا جس نے مجھے ان کے بارے میں بتلایا ہے، وہ وہاں سے اچھی اور تسلی بخش جواب پا جائیں گے، ورنہ جس طرح سرور خود چاہتے ہیں کہ ان کے بارے میں زیادہ مشہور نہ کیا جائے تو میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ وہ بندہ مجہول ہی رہے تو زیادہ بہتر ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں زیادہ سوال کر کے خود کو پریشان نہیں کرنا چاہئے۔

شیخ محمد خلیل ہراس نے بھی ان کے بارے میں کچھ لکھا ہے اور ان سے آپ لوگوں نے کچھ سنا بھی ہوگا، اسکے علاوہ بھی اگر زیادہ کچھ جانکاری چاہئے تو دوسرے مشائخ سے معلومات لیں۔

اب اسی پر اکتفا کرتا ہوں، وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ۔

۞۞۞

سوال:

سائل کہتا ہے کہ کسی عالم کے بارے میں (شیخ الاسلام) کہنا کیا یہ مبالغہ نہیں ہے؟

جواب:

یہ مبالغہ نہیں ہے، یہ لقب صرف ابن تیمیہ ہی پر نہیں بلکہ بہت سے علماء کیلئے استعمال کیا گیا ہے، اور شیخ الاسلام کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ دین اسلام کا ایک شیخ یا ایک عالم ہے، یا دین اسلام کا وہ ایک ماہر جانکار ہے، یہی اسکا مفہوم ہے، اور یقینی طور پر ابن تیمیہ، نووی، زکریا انصاری، ہروی اور دیگر بڑے بڑے ماہرین علماء دین اسلام کے عالم اور شیخ ہیں، انہیں دین اسلام میں مہارت اور تجربہ ہے، یہ کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

مزید یہ بتلادوں کہ شیخ الاسلام، محب الدین، تقی الدین، ناصر الدین اور جمال الدین جیسے القاب کوئی نئے نہیں ہیں بلکہ عہد عباسی ہی سے آج تک یہ استعمال ہوتے چلے آرہے ہیں۔

ہر دور میں کچھ نئے اصطلاحات آتے ہیں جیسے موجودہ دور میں فضیلۃ الشیخ اور سماحۃ الشیخ وغیرہ، کیا کوئی امام نووی اور امام ابوحنیفہ وغیرہ کو سماحۃ الامام ابوحنیفہ کہے گا؟ کیا کوئی امام مالک کو فضیلۃ الشیخ مالک بن انس کہے گا؟ امام شافعی کو سماحۃ الشیخ الشافعی کہے گا؟ یہ القاب نئے دور کے علماء کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

پہلے سلف کے نزدیک جب کسی کو احترام سے بلایا جاتا تھا تو اسے کنیت یا کسی علمی لقب سے بلایا جاتا تھا، مگر یہ نئے اصطاحات ابھی جلد ہی ایجاد ہوئے ہیں، اسی لئے ہم بھی اپنے مشائخ کو فضیلۃ الشیخ یا سماحۃ الشیخ ہی سے مخاطب کرتے ہیں اور یہ ایک عادت بن چکی ہے، اگر یہ لقب چھوڑ دیں تو ایسا لگتا ہے کہ انہیں ہلکا سمجھا جارہا ہے، یہ عرف ہے اور عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

چنانچہ یہ القابات عرف وعادت بن چکے ہیں جن کا خیال کرنا ہی مناسب ہے، مگر پہلے صحابہ وتابعین

اور ائمہ دین کے زمانے میں یہ سارے القاب نہیں پائے جاتے تھے، جب عرف وعادت بدلتے ہیں تو القابات بھی بدل جاتے ہیں، اگر ان میں مبالغہ نہ ہو تو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اصطلاحات میں کوئی معین اصول نہیں ہوتے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۱۴:

بعض نوجوان مشائخ کے فتاوے سنتے ہیں، اور انہیں لکھ لیتے ہیں، مگر وہ انہیں اپنے فہم کے مطابق لکھتے ہیں، مشائخ کے الفاظ نہیں لکھتے، تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:

اگر کسی کا درس یا لیکچر کیسٹ میں ریکارڈ کر لیا گیا ہے، تو ایسی صورت میں علمی امانت یہ ہے کہ اگر انہیں تحریر میں لانا ہے تو لکھ کر جس کا کلام ہے اس کے سامنے پیش کیا جائے، اور اگر وہ اجازت دیتا ہے تو پھر اسے نشر کیا جائے۔

مجھے اس کا تجربہ ہے، میں خود اپنا کلام کبھی کبھی سنتا ہوں مگر اس میں بہت سی چیزیں غیر معقول ہوتی ہیں، کیونکہ میں خود اس کے اندر بہت ساری نحوی اور تعبیر کی غلطیاں پاتا ہوں، اسلئے کہ وہ برجستہ گفتگو ہوتی ہے، اس میں کمی بیشی اور نقص اور کمزوری ہو سکتی ہے، وہ کسی کتاب سے نہیں پڑھا جاتا یا کوئی یاد کیا ہوا خطاب نہیں ہوتا ہے۔ اسلئے کسی بھی ایسے لیکچر کو تحریر میں لانے کے بعد نشر کرنے سے پہلے صاحب کلام سے اجازت لینا ضروری ہے، ممکن ہے وہ اس میں کچھ تصحیح کرے، کلام کو آگے پیچھے کرے، کچھ اضافہ کرے یا کچھ حذف کر دے، پھر وہ نشر کرنے کی اجازت دے۔ بصورت دیگر جائز نہیں ہے، طلبہ کو یہ تنبیہ ضروری ہے، جزاکم اللہ خیرا۔

❁ ❁ ❁

سوال نمبر ۱۵:

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (یہود اکہتر (۷۱) فرقوں میں بٹ گئے، نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی)، اس حدیث کی روشنی میں کیا دلیل ہے کہ اہل سنت والجماعہ ہی فرقہ ناجیہ ہے؟

جواب:

آپ نے اپنے سوال کا جواب دے دیا ہے، کیونکہ اسی حدیث کے اندر اللہ کے رسول ﷺ نے فرقہ ناجیہ کی صفت بھی بیان کی ہے، اور کہا ہے کہ اس سے مراد (الجماعہ) ہے، اور اس جماعت سے مراد وہ لوگ ہیں، جو حق پر اور خیر پر جمع ہوئے ہیں۔

اور اس سے مراد صحابہ کرام کی جماعت ہے اور وہ تمام لوگ ہیں جو انہیں کے مسلک اور منہج پر چلتے ہیں اور ان کی مخالفت نہیں کرتے ہیں، اور ان سلف کی مخالفت کرتے ہیں انہیں خلف کہتے ہی، ان کا تعلق اس جماعت سے نہیں ہے، کیونکہ اس جماعت سے مراد صحابہ کی وہ پہلی جماعت مراد ہے جسے اللہ کے رسول ﷺ نے مراد لیا ہے، ساتھ ہی وہ لوگ بھی آجائیں گے جو انکے منہج اور مسلک پر چلتے ہیں، وہ روایت ابن ماجہ میں اس طرح ہے:

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " افْتَرَقَتْ الْيَهُودُ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، فَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ، وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ، وَافْتَرَقَتْ النَّصَارَى عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، فَإِحْدَى وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ، وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَتَفْتَرِقَنَّ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ، وَثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ"، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَنْ هُمْ؟ قَالَ: " الْجَمَاعَةُ ".

ترجمہ: سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہود اکہتر (۷۱) فرقوں میں بٹ گئے جن میں سے ایک جنت میں جائے گا اور ستر (۷۰) جہنم میں، نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے جن میں سے اکہتر (۷۱) جہنم میں اور ایک جنت میں جائے گا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے ایک فرقہ جنت میں جائے گا، اور بہتر (۷۲) فرقے جہنم میں“، عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! وہ کون ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (الجماعة)۔

اور ایک دوسری روایت میں الفاظ اس طرح ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ، حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ، وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت کے ساتھ ہو بہو وہی صورت حال پیش آئے گی جو بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آ چکی ہے، (یعنی مماثلت میں دونوں برابر ہوں گے) یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اگر اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس فعل شنیع کا مرتکب ہوگا. بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے“۔

اس روایت کے تعلق سے سند کے اعتبار سے کلام کیا گیا ہے مگر اس کا معنی صحیح ہے، اسلئے کہ پہلی روایت اس کے معنی کو واضح کرتی ہے، یعنی جس منہج پر اس وقت میں اور میرے صحابہ ہیں اور جو لوگ قیامت تک اسی منہج پر رہیں گے وہی لوگ اس جماعت سے مراد ہوں گے اور انہیں کا شمار فرقہ ناجیہ میں ہوگا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جگہ یہ گواہی دی ہے کہ یہ لوگ قیامت تک باقی رہیں گے؛ جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ مُعَاوِيَةَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ۔

ترجمہ: سیدنا معاویہ بن ابی سفیان نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا موجود رہے گا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت پر قائم رہے گا، انہیں ذلیل کرنے کی کوشش کرنے والے اور اسی طرح ان کی مخالفت کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے گا یعنی قیامت آجائے گی اور وہ اسی حالت پر ہیں گے۔ اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ وہ لوگوں پر غالب رہیں گے۔

ایک دوسری حدیث کے اندر اللہ کے فیصلہ آنے کی تفسیر اس ہوا سے کی گئی ہے جو قیامت سے پہلے چلے گی اور مومنوں کی روح قبض کرلے گی، جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ رِيحًا مِنَ الْيَمَنِ، أَلْيَنَ مِنَ الْحَرِيرِ، فَلَا تَدَعُ أَحَدًا فِي قَلْبِهِ، قَالَ أَبُو عَلْقَمَةَ: مِثْقَالُ حَبَّةٍ، وقَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ: مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنَ إِيمَانٍ، إِلَّا قَبَضَتْهُ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "البتہ اللہ چلائے گا، ایک ہوا یمن کے ملک سے جو ریشم سے بھی زیادہ ملائم ہوگی، پھر یہ ہوا نہ چھوڑے گی۔ اس شخص کو جس کے دل میں دانے کے برابر یا رتی برابر بھی ایمان ہوگا، یعنی مار ڈالے گی اس کو۔"

اسلئے کہ قیامت صرف برے لوگوں ہی پر قائم ہوگی، جو اچھے اور نیک لوگ ہوں گے ان کی روح قبض کرلی جائے گی۔

اور یہ فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ اس وقت تک باقی رہے گا، گرچہ اس کے مخالفین زیادہ ہوں، اور انہیں ختم کرنے، ان کی آواز دبانے اور رسوا کرنے کی کوشش کریں، مگر وہ ختم نہیں کرسکتے: کیونکہ اس فرقے کے ساتھ اللہ کی مدد ہوگی۔

یہ فرقہ، گروہ یا جماعت کسی ایک جگہ نہیں ہوگی، البتہ آخری وقت میں جزیرہ عرب کے اندر ان کی تعداد زیادہ ہوگی، اور اس وقت جزیرہ عرب اور برصغیر پاک و ہند میں یہ لوگ زیادہ ہیں، یہ اہل حدیث سے جانے جاتے ہیں، ویسے تمام براعظموں میں یہ بکھرے ہوئے ہیں۔

عہد صحابہ سے لیکر بنی امیہ کے ابتدائی دور تک سوائے چند کے صرف یہی لوگ پائے جاتے تھے، مگر جب علم کلام اور تصوف نے مسلمانوں کے اندر راہ لی اور ان کی وجہ سے بہت سارے نفس پرست اور عقل پرست پیدا ہوگئے جن کی وجہ سے اس طائفہ کی تعداد کم ہوتی چلی گئی، بلکہ بعد میں ایک ایسا دور بھی آیا جب لوگ اس طائفہ کے بارے میں جانتے ہی نہیں تھے جیسا کہ علامہ مقریزی نے نقل کیا ہے: مامون کے فتنے کے بعد لوگ منہج سلف کو بھول گئے اور مسلمان مختلف فرقوں میں بٹ گئے، امام احمد کو قید میں ڈال دیا گیا، اور آپ کو ایک زمانے تک ستایا گیا، لوگ اس طرح بٹ گئے کہ منہج سلف کو بھول گئے اور ہر کوئی جیسا چاہتا قرآن وحدیث کی تفسیر کرنے لگا، یہ منہج اسی وقت کھل کر لوگوں کے سامنے منظر عام پر آیا جب چھٹی صدی ہجری میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس کی تجدید کی۔

اس زمانے میں فرقہ ناجیہ کی تعداد بہت کم ہوگئی تھی یہاں تک اسے بھلا دیا گیا، اس وقت اشاعرہ کا موقف مسلمانوں پر غالب تھا، اور وہی خود کو اہل سنت والجماعہ کہتے تھے، میدان ابوحمدان کیلئے خالی تھا، جس نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ اہل سنت والجماعہ سے ہے، مگر پے در پے منہج سلف کی تجدید کاری اور اسکی اشاعت وتبلیغ کی وجہ سے ابوحمدان جیسے لوگوں کی آواز دب گئی، اور منہج سلف دوبارہ دنیا میں پھیلنے لگا، اور آج بھی جو پرفتن اور پرآشوب دور ہے ایسے تاریک دور میں اس منہج کے پھیلنے پر آپ تعجب ہی کریں گے۔

ہم نے مغربی افریقہ کے اندر ۱۵/ممالک کا دورہ کیا تو وہاں ہم نے منہج سلف کو پایا جہاں ہمارے طلبہ وہاں کے بچوں کو ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم دے رہے ہیں، وہاں کے غیر سرکاری مدارس میں ہمارا ہی منہج پڑھایا جارہا ہے، افریقہ طلبہ جو عربی نہیں جانتے ہیں عجمی ہیں مگر وہ الاصول الثلاثہ، کشف الشبہات، کتاب التوحید، الاربعین النوویہ اور عمدۃ الاحکام اسی طرح یاد رکھتے ہیں جس طرح سورہ فاتحہ یاد رکھتے ہیں۔

ہم نے ان کی باتیں سنی اور انکے عبادت اور نماز نبی اکرم ﷺ کی نماز کی طرح پایا، جبکہ وہ علاقہ مالکیوں کا ہے، مگر مدارس میں سلفی منہج پڑھایا جارہا ہے، یہ ماحول ہمارے طلبہ نے بنایا ہے، اسی طرح ہم نے برصغیر ہندوپاک میں بھی دیکھا ہے، اور اس وقت آپ لوگ یہ منہج یورپ اور امریکہ بلکہ ہر جگہ بھی پھیلتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تصدیق ہے جس کے اندر آیا ہے کہ ان کی مخالفت کرنے والے نہ انہیں نقصان پہونچا سکتے اور نہ ہی انہیں رسوا کرسکتے۔

میں نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ اللہ تعالی نے اس گروہ کی مدد کس طرح کی ہے، میں کچھ حقائق بیان کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کو اطمینان ہو کہ یہ فرقہ ناجیہ کس طرح پھیل رہا ہے، بلکہ اللہ تعالی ایک کافر کے ذریعے بھی اسکے پھیلنے کا انتظام کردیتا ہے جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے دین کی امداد کسی

فاجر شخص سے بھی کرا لیتا ہے۔ پوری تفصیل اس حدیث کے اندر ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: لِرَجُلٍ مِمَّنْ يَدَّعِي الْإِسْلَامَ هَذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ قِتَالًا شَدِيدًا فَأَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، الَّذِي قُلْتَ لَهُ: إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَإِنَّهُ قَدْ قَاتَلَ الْيَوْمَ قِتَالًا شَدِيدًا وَقَدْ مَاتَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّارِ، قَالَ: " فَكَادَ بَعْضُ النَّاسِ أَنْ يَرْتَابَ فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى ذَلِكَ إِذْ قِيلَ إِنَّهُ لَمْ يَمُتْ وَلَكِنَّ بِهِ جِرَاحًا شَدِيدًا، فَلَمَّا كَانَ مِنَ اللَّيْلِ لَمْ يَصْبِرْ عَلَى الْجِرَاحِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَأُخْبِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ، فَقَالَ: " اللَّهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ أَنِّي عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ، ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَنَادَى بِالنَّاسِ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ، وَإِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے متعلق جو اپنے کو مسلمان کہتا تھا' فرمایا کہ یہ شخص دوزخ والوں میں سے ہے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو وہ شخص (مسلمانوں کی طرف) بڑی بہادری کے ساتھ لڑا اور وہ زخمی بھی ہو گیا۔ صحابہ نے عرض کیا' یا رسول اللہ! جس کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ وہ دوزخ میں جائے گا۔ آج تو وہ بڑی بے جگری کے ساتھ لڑا ہے اور (زخمی ہو کر) مر بھی گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب بھی وہی جواب دیا کہ جہنم میں گیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا' کہ ممکن تھا کہ بعض لوگوں کے دل میں کچھ شبہ پیدا ہو جاتا۔ لیکن ابھی لوگ اسی غور و فکر میں تھے کہ کسی نے بتایا کہ ابھی وہ مرا نہیں ہے۔ البتہ زخم کاری ہے۔ پھر جب رات آئی تو اس نے زخموں کی تاب نہ لا کر خودکشی کر لی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور

اس کا رسول ہوں ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا' اور انہوں نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ مسلمان کے سوا جنت میں کوئی اور داخل نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کبھی اپنے دین کی امداد کسی فاجر شخص سے بھی کرا لیتا ہے ۔

جب داعیان حق افریقہ میں پھیل گئے اور ان کے اندر اچھی معلومات رکھنے والے طلبہ اور اہل علم بھی تھے، تو بچے اور دیگر لوگ ان کی طرف متوجہ ہونے لگے بلکہ لوگوں نے انہیں گھیر لیا، ان کے پاس طلبہ کی کثرت ہوگئی، جس کی وجہ سے صوفی مشائخ ان سے حسد کرنے لگے، اس سے دشمنی کرنے لگے، اور اسے ہر جگہ تکلیف دینے لگے، اس سے کہا گیا: تم حکومت کے پاس شکایت درج کرا دو، کہا: نہیں، میں صبر کروں گا، ملک کا سربراہ عیسائی ہے، میں اس کے پاس اپنے مشائخ کی شکایت نہیں لے جاؤں گا، مگر جب صوفی مشائخ اسے نہیں روک سکے تو جا کر عیسائی حاکم سے اس کی شکایت کر دی، حاکم نے پوچھا: تم لوگوں کو اس سے کیا شکایت ہے؟ کہا: یہ کوئی نیا دین لیکر آیا ہے جسے ہم نہیں جانتے ۔ حاکم نے پوچھا: یہ نیا دین کہاں سے لایا ہے؟ کہا: سعودی عرب سے ۔ حاکم نے اس نوجوان سے پوچھا: تم نے کہاں سے پڑھائی کی ہے؟ کہا: سعودی سے ۔ پوچھا: کس شہر سے؟ کہا: مدینہ سے ۔ پوچھا: کیا تمہارے پاس ڈگری ہے؟ کہا: ہاں جامعہ اسلامیہ کی ڈگری ہے ۔

اسکے بعد حاکم نے کہا: اس نے پوری تعلیم سعودی سے حاصل کی ہے، اور تمہارا اصلی دین وہیں مدینہ سے آیا ہے، کیا تمہارا رسول مکہ میں پیدا نہیں ہوا تھا جو وہاں سے مدینہ ہجرت کر گیا تھا، اور وہ اس وقت سعودی عرب میں ہے؟ تمہارا جو دین اسلام ہے، وہ سعودی سے آیا ہے، میں یہاں بھی دین اسلام کو وہی مانوں گا جو سعودی والا ہوگا، مجھے لگتا ہے تم لوگ دین اسلام کو نہیں سمجھتے ہو ۔ میں نے یورپی ممالک میں تعلیم حاصل کی ہے، اور وہاں اصلی عیسائیت کو دیکھا ہے مگر یہ بہت سے پادری ایسے رسومات پر عمل کرتے ہیں جن کا عیسائیت سے کوئی تعلق نہیں، ممکن ہے تم بھی اسی طرح کے رسومات پر عمل کرتے

ہو گے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہ ہو، اور انہیں رسومات کو تم دین سمجھ رہے ہو جس طرح یہ پادری سمجھ رہے ہیں، تم لوگ اصل میں دین اسلام کو نہیں سمجھ رہے ہو، اور اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک تم سعودی عرب جا کر اسے نہ سیکھ لو، کیونکہ تمہارا دین وہیں سے آیا ہے۔

پھر سارے صوفی منہ لٹکا کر بیٹھ گئے، حاکم نے آخر میں نوجوان سے کہا: تم اپنا کام جاری رکھو تمہیں کوئی نہیں چھیڑے گا، اور صوفیوں سے کہا: تم لوگ اس نوجوان سے جا کر اسلام سیکھ لو، یا پھر اس سے دور رہو۔

جب مجھ سے یہ واقعہ بتلایا گیا اس وقت میں افریقہ ہی میں دعوتی پروگرام کیلئے گیا تھا، اس واقعہ کو سن کر مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول یاد آگیا: (وَأَنَّ اللَّهَ يُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ) ترجمہ: اور اللہ مدد کرے گا اس دین کی برے آدمی سے۔

بہر حال اسلامی دعوت کی جیت ہوئی اور اللہ نے ایک عیسائی فاجر شخص کے ذریعے حق کی مدد کی اور صوفی مشائخ کو ہار ہوئی۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ سائل نے جو سوال کیا ہے اسکے لئے یہ دلیل ہے کہ یہ فرقہ باقی ہے اور جاری وساری ہے اور قیامت تک باقی رہے گا، اس پر ان فتنوں، لڑائیوں اور ہنگاموں سے کچھ بھی خوف نہ کھاؤ، اسکی مخالفت کرنے والے اسکا کچھ بھی نہیں بگاڑ پائیں گے، کتنے لوگ ہیں جو اسے رسوا کرنا چاہتے ہیں! اسکی مخالفت کر کے اسے مٹانا چاہتے ہیں، مگر نہیں کر پا رہے ہیں۔

یہاں اہم بات یہ ہیکہ ہر کوئی اپنا محاسبہ کرے کہ وہ اس فرقے کا حصہ ہے یا نہیں، اپنے معمولات زندگی، اپنے عقیدے اور عبادت کا محاسبہ کرے، زیادہ قیل وقال سے پرہیز کرے، عمل پر دھیان زیادہ رکھے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۱۶:

سائل کے کہنے کے مطابق شیخ حسن بنا نے اپنے رسالے (العقائد) میں یہ ذکر کیا ہے کہ سلف صفات باری کے معانی کو بھی تفویض کرتے تھے، اور صفات باری کو حروف مقطعات کی طرح سمجھتے تھے، اوان کا یہ رسالہ انکے پیروکاروں میں پھیلا ہوا ہے، بلکہ وہ اسے مسلمہ اصولوں کی طرح سمجھتے ہیں اور اس کیلئے حد درجہ تعصب کرتے ہیں، تو کیا یہی سلف کا مذہب ہے جیسا کہ حسن بنا نے گمان کیا ہے؟

آپ سے مزید یہ بھی گزارش ہے کہ حسن بنا کے پیروکاروں کو جو خود کو اخوان المسلمین کہتے ہیں، انہیں نصیحت کریں کہ وہ حسن بنا کے اندر اس قدر غلو نہ کریں اور متابعت میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ انہیں شریک نہ کریں؟

جواب:

سائل کے اسلوب میں نقص پایا جاتا ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ حسن سوال علم میں سے ہے بلکہ نصف علم ہے، میں چاہتا ہوں کہ طلبہ ایسے خشک اسالیب سے دور رہیں۔

مگر جہاں تک علمی ناحیے سے آپ کا یہ سوال ہیکہ شیخ حسن بنا نے اپنے رسالے (العقائد) میں یہ ذکر کیا ہے کہ سلف صفات باری کے معانی کو بھی تفویض کرتے تھے، اور صفات باری کو حروف مقطعات کی طرح سمجھتے تھے، تو یہ بات صرف حسن بنا ہی نے نہیں کہی ہے، بلکہ تمام اشاعرہ یہی اعتقاد رکھتے ہیں، اور وہ یہی سمجھتے ہیں کہ یہی سلف کا طریقہ ہے، حالانکہ تفویض کی دو قسمیں ہیں:

ایک تفویض معنی، اور دوسرا تفویض کیفیت، اور جو یہ سمجھتا ہو کہ سلف معانی کی تفویض کرتے تھے یعنی وہ معانی کو نہیں سمجھتے تھے، وہ استوی کا معنی نہیں جانتے تھے،، نزول، مجیء اور سمیع وبصیر کا معنی نہیں جانتے تھے، اسی لئے وہ انہیں تفویض کر دیتے تھ، تو ایسی کوئی بات نہیں ہے، دراصل انہوں نے سلف کا طریقہ سمجھا ہی نہیں، یہ تو مفوضہ معطلہ کا طریقہ ہے؛ کیونکہ جو یہ سمجھے کہ یہ صفات کسی معنی پر دلالت نہیں کرتے،

اور وہ اسی کو بنیاد بنا کر ان صفات کا انکار کر دے تو وہی معطل ہے۔

ایک معطل صفات میں تحریف نہیں کرتا ہے بلکہ وہ سیدھا انکار کر دیتا ہے، اور یہی انکے اور اشاعرہ میں فرق ہے، کہ ایک اشعری تحریف کر کے معطل بنتا ہے اور وہ بغیر تحریف کے سیدھا معطل ہوتا ہے، اور یہ تحریف و تعطیل اہل سنت والجماعہ کا طریقہ نہیں ہے، بلکہ یہ مفوضہ کا طریقہ ہے، اور یہ معروف فرقہ ہے، گرچہ اس وقت یہ نہیں پایا جاتا۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ حسن بنا ہوں یا ابوالحسن اشعری کے دوسرے پیروکار وہ سب انہیں انکے دوسرے منہج کے اعتبار سے مانتے ہیں یعنی جب وہ کلابیہ کے منہج پر تھے، اسلئے یہ سب کلابی اشعری ہیں، اور حسن بنا نے یہ پہلے نہیں کہا ہے بلکہ انہوں نے کلابیہ اشعریہ کی پیروی میں ایسا کہا ہے۔

اور یہ کہ انکا یہ رسالہ انکے پیروکاروں میں پھیلا ہوا ہے تو یہ معروف ہے، اور ان کے تعلق سے انکے پیروکاروں کا موقف بھی معروف ہے۔

مگر انہیں نصیحت کرنے کے تعلق سے سائل نے جو اسلوب اپنایا ہے اگر کچھ بدل لیا ہوتا تو بہتر تھا، اور میں کئی مرتبہ ان لوگوں کو نصیحت کر چکا ہوں۔

اور جہاں تک انکے پیروکاروں کا ان کے تعلق سے غلو اور مبالغہ کرنے کی بات ہے تو وہ انہیں امام اور شہید تک مانتے ہیں، یہ سب غلط ہے، یہ کوئی نہیں جانتا کہ شہید کون ہے، یہ صرف اللہ ہی جانتا ہے، کیونکہ اسکی نیت کوئی نہیں جانتا، تو صحیح بات یہی ہے کہ ان کے اندر غلو پایا جاتا ہے اور یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، لوگوں نے بہت سارے بزرگوں کے تعلق سے غلو کیا ہے۔

مسافر بن عدی پانچویں صدی ہجری کے ایک نیک بزرگ شخص گزرے ہیں، جب ان کا انتقال ہوا تو لوگوں نے انکی قبر پختہ بنا دی، اور ان کے تعلق سے حد درجہ مبالغہ کیا گیا، بلکہ ان کی پرستش تک کی گئی جس طرح شیخ عبدالقادر جیلانی کے تعلق سے کیا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے انکے پیروکاروں کیلئے ایک خاص رسالہ بھی لکھا تھا جسکا نام [النصیحۃ الکبری] ہے، وہ اس وقت مطبوع بھی ہے، اور چونکہ شیخ عبدالقادر کرامات میں معروف تھے اسلئے لوگوں نے ان کے تعلق سے بہت زیادہ غلو سے کام لیا، حالانکہ وہ علمائے سلف میں سے تھے۔

اس طرح مجددین میں فرق ہوتا ہے ایک وہ لوگ تھے جنہوں نے منہج سلف کی تجدید کی اور ایک وہ لوگ ہیں جو منہج خلف کی تجدید کرتے ہیں جیسے حسن بنا جنہوں نے اشاعرہ کے منہج کی تجدید کی اور منہج سلف کا خیال نہیں کیا، ان کے اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تجدید میں مقارنہ کریں تو سمجھ میں آجائے گا، انہوں نے چونکہ منہج سلف کی تجدید کی اسلئے ان کے پیروکاروں کے یہاں کوئی مبالغہ نہیں ہے، بلکہ ان میں سے بہتوں کو تو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ شیخ کی قبر کہاں ہے، کیونکہ انہوں نے منہج سلف کی تجدید کی تھی اور انہوں نے منہج سلف کو چھوڑ کر اجتہادی تجدید کی۔

اور دونوں تجدید میں فرق ہوتا ہے ایک طرف اجتہادی تجدید ہے اور دوسری طرف وہ تجدید جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو اس منہج کی طرف دعوت دینا جس پر اس امت کے سلف قائم تھے یعنی کتاب وسنت کی طرف بلانا۔

میں حسن بنا کے پیروکاروں کو نصیحت کرتا رہتا ہوں کہ انہوں نے جو اجتہاد کیا وہ انکے ساتھ، تم لوگ اسلام کو اپنی جماعت میں محصور نہ کرو، چنانچہ یہ لوگ اپنی جماعت میں اسلام کو محدود رکھنا چاہتے ہیں اسی لئے یہ خود کو اخوان المسلمین کہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو ان کے ساتھ آگیا وہ مسلمان ہے اور جو نہیں آیا اسکا کچھ پتہ نہیں، حالانکہ یہ تصور غلط ہے۔

ایک فرقہ جسے کسی شخص نے ابھی کل وجود بخشا ہو اسی کے اندر اسلام کو محدود کر دینا اور یہ گمان کرنا کہ اسلام اسی منہج میں منحصر ہے، اور جو اسکی پیروی نہیں کرے گا وہ مسلمان نہیں ہے، تو اس سے اکثر مسلمانوں کی تکفیر ہو جائے گی، یہ اسلام کے مخالف سوچ ہے، کیونکہ یہ لوگ دوستی اور دشمنی کا معیار اپنی جماعت کو

بناتے ہیں، جبکہ دوستی اور دشمنی دین اسلام کو بنانا چاہیئے، یعنی اللہ کی خاطر دوستی ہونی چاہیئے اور اللہ ہی کی خاطر دشمنی ہونی چاہیئے، مگر یہ بالکل الٹا سوچ رکھتے ہیں جو کہ بالکل جائز نہیں ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۱۷:
سائل کہتا ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم، فضیلۃ الشیخ: محمد امان جامی/ حفظہ اللہ، امید کہ آپ بخرو عافیت سے ہوں گے، ہم لوگ جدہ میں رہتے ہیں، الحمدللہ حق ہمارے لئے واضح ہو چکا ہے، اور اللہ کے فضل سے پھر علمائے حق کے ذریعے جن میں آپ بھی شامل ہیں، ہم اس حق کو پہچان چکے ہیں، جبکہ اس سے پہلے گمراہی میں بھٹک رہے تھے۔

اب اس وقت ہمیں سنت کا طریقہ اور سلف کا منہج محبوب ہے، اور ہم اب ہر اس شخص سے دشمنی کرنے لگے ہیں جو حکام کے خلاف نوجوانوں کو بھڑکاتے ہیں، یہاں تک کہ ہمارے اندر اس وقت بہت سے ایسے نوجوان ہیں جو ایسی ہی تکفیری اور ثورجی کیسٹوں کو سن کر بھڑکے ہوئے ہیں، ان کے دل حکام کے خلاف بھڑک رہے ہیں، اللہ انہیں صحیح منہج کی توفیق دے۔

ہم لوگ ایسے نوجوانوں کے بیچ میں رہ کر اس وقت اجنبیت اور ان کی طرف سے قساوت قلبی محسوس کر رہے ہیں، وہ ہم پر الزام لگا رہے ہیں کہ ہم نوجوانوں کو اپنے ساتھ ملا رہے ہیں، اور انکے گمان کے اعتبار سے ہم انہیں اپنا خبیث افکار سکھا رہے ہیں، اور اس طرح کے بہت سارے الزامات لگا رہے ہیں جنہیں ہم اس مختصر رسالے میں نہیں لکھ سکتے۔

ہمیں اس وقت آپ کی قیمتی نصیحتوں کی سخت ضرورت ہے کہ ہم ایسے متعصب لوگوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کریں؟ اللہ آپ کی حفاظت فرمائے۔

سائل آگے کہتا ہے کہ ہم نے آپ کی ایک کیسٹ سنی ہے جس میں آپ نے ترک جماعات کی نصیحت کی ہے، اور تقسیم تجدید پر گفتگو کی ہے اور بتلایا ہے کہ ایک تجدید اجتہادی ہوتا ہے اور دوسرا تجدید شرعی ہوتا ہے، جو کتاب وسنت کے مطابق ہوتا ہے، سوال یہ ہیکہ تجدید اجتہادی کی کیا دلیل ہے؟ اور کیا اس میں بھی مجدد کیلئے کوئی فخر کی بات ہے؟ کیونکہ آپ نے مدح کے پیرائے میں اسکی مثال میں حسن بنا

کا ذکر کیا ہے؟

جواب:

الحمدللہ رب العالمین، وصلاۃ اللہ وسلامہ ورحمتہ وبرکاتہ علی النبی الکریم والرسول الامین نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، وبعد:

ساتھیو! یہ رسالہ جسے شہر جدہ سے ایک نوجوان نے بھیجا ہے آپ نے سن لیا ہوگا، رسالے کے اندر کچھ نوجوانوں کی حالت کا ذکر کیا ہے جسے آپ نے سنا اور رسالے کے اعتبار سے ان کی تربیت باغیانہ ہوئی ہے، جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں حکام کے خلاف حقد وحسد اور دشمنی بھری ہوئی ہے، اللہ انہیں ہدایت دے۔

نوجوان نے یہ شکایت بھی کی ہے کہ ان متعصب لوگوں سے انہیں تکلیف بھی پہونچتی ہے اسلئے کہ یہ حق کی طرف چلے آئے، چنانچہ وہ لوگ انہیں مختلف بیہودہ القاب سے پکارتے ہیں اور ان پر الزامات لگاتے ہیں، اور یہ کہ یہ انکے خلاف نوجوانوں کو منظم کررہے ہیں، چنانچہ یہ نوجوان مجھ سے ان لوگوں کے تعلق سے نصیحت کی درخواست کررہا ہے جو ان کے خلاف تعصب رکھتے ہیں اور حق کی طرف نہیں آتے، تو ایسی صورت میں یہ ان کے ساتھ کس طرح کا معاملہ رکھیں؟

جواب:

سب سے پہلے میں اس نوجوان کو اور اسکے ساتھیوں کو اس توفیق اور ہدایت پر مبارکباد پیش کروں گا جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسٍ، أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ ".

ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سارے انسان خطا کار

ہیں اور خطا کاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں"۔

اسلئے میں ان نوجوانوں کو اور ان جیسے تمام لوگوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں جن پر حق واضح ہوا، انہوں نے توبہ کیا، اور پھر اسکی طرف واپس آگئے، کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ کیا وہ لوگ کسی گناہ کا ارتکاب کر رہے تھے کہ انہوں نے اس سے توبہ کرلیا اور پھر آپ اس پر انہیں مبارکبادی دے رہے ہیں؟

جواب:

ہر وہ شخص جو تفریق امت کی طرف دعوت دے، جو نوجوانوں کو بانٹنے کا کام کرے، جو علمائے مسلمین کے خلاف بدظنی پھیلائے، اور جو مسلم حکمرانوں کے خلاف نوجوانوں کو بھڑکائے اور انہیں بغاوت پر ابھارے، ایسا ہر شخص اللہ اور اسکے رسول کا نافرمان ہے؛ گنہگار ہے، اسلئے کہ اللہ نے اتحاد کا حکم دیا ہے تفرقہ بازی سے منع کیا ہے، اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ} ترجمہ: اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب تم دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمھیں اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

اس عظیم آیت کے اندر حکم اور ممانعت دونوں ہے، اس کے اندر اتحاد اور اجتماعیت کا حکم ہے، اسی طرح اختلاف وانتشار کی ممانعت ہے، چنانچہ جو اس آیت کے خلاف لوگوں کو تفریق کی دعوت دے گا، سیاسی جماعت تشکیل دے گا، گرچہ وہ بظاہر یہ دعوی کرے کہ یہ دعوتی جماعت ہے، پھر وہ لوگوں کو حکام

کے خلاف بھڑکائے اور بغاوت کی دعوت دے، علمائے مسلمین پر کیچڑ اچھالے اور انکا مذاق اڑائے، ایسا جو بھی کرے گا وہ اس آیت کا مخالف ہوگا، اسی طرح دوسری آیت کا بھی مخالف ہوگا جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا} ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑ و تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔

اسی لئے ہم ان نوجوانوں کو گناہوں سے توبہ کرنے والا اور گمراہی کے راستے کو چھوڑ کر حق کی راہ پر آنے والا ہی سمجھتے ہیں، اور اللہ سے دعاء کرتے ہیں کہ اللہ انہیں اخلاص اور سچائی پر قائم رکھے، یہاں تک کہ اللہ انکے توبہ سے خوش ہوجائے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مومن بندے کی توبہ سے بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ أَعُودُهُ وَهُوَ مَرِيضٌ، فَحَدَّثَنَا بِحَدِيثَيْنِ حَدِيثًا عَنْ نَفْسِهِ، وَحَدِيثًا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " لَلَّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ فِي أَرْضٍ دَوِيَّةٍ مَهْلِكَةٍ مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ، فَنَامَ فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ، فَطَلَبَهَا حَتَّى أَدْرَكَهُ الْعَطَشُ، ثُمَّ قَالَ: أَرْجِعُ إِلَى مَكَانِيَ الَّذِي كُنْتُ فِيهِ، فَأَنَامُ حَتَّى أَمُوتَ، فَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى سَاعِدِهِ لِيَمُوتَ، فَاسْتَيْقَظَ وَعِنْدَهُ رَاحِلَتُهُ وَعَلَيْهَا زَادُهُ وَطَعَامُهُ وَشَرَابُهُ، فَاللَّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هَذَا بِرَاحِلَتِهِ " وَزَادِهِ،

ترجمہ: سیدنا حارث بن سوید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں عبداللہ کے پاس گیا ان کی تیمارداری کو وہ بیمار تھے، انہوں نے مجھ سے دو حدیثیں بیان کیں، ایک اپنی طرف سے اور ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ انہوں نے کہا: میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "البتہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جیسے کوئی شخص ایک پٹ پر میدان میں (جہاں نہ سایہ ہو نہ پانی) جو ہلاک کرنے والا ہو سو جائے اور اس کے ساتھ اس کا اونٹ ہو جس پر اس کا کھانا اور پانی ہو جب وہ جاگے تو اپنا اونٹ نہ پائے، پھر اس کو ڈھونڈے یہاں تک کہ پیاسا ہو جائے، پھر کہے میں لوٹ جاؤں جہاں تھا اور سوتے سوتے مر جاؤں، پھر اپنا سر اپنے بازو پر رکھے مرنے کے لیے پھر جو جاگے تو اپنا اونٹ اپنے پاس پائے اس پر اس کا توشہ ہو کھانا بھی اور پانی بھی، تو اللہ تعالیٰ کو مومن بندے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی اس شخص کو اپنے اونٹ اور توشہ ملنے سے ہوتی ہے۔

ان نوجوانوں نے جس موقف سے توبہ کیا ہے یہ کوئی آسان کام نہیں ہے، بہت ہی خطرناک ہے، اسلام وحدت اور توحید کا پیغام دیتا ہے، اور جو بھی اس وحدت کے خلاف ہے اور انتشار کی دعوت دیتا ہے اور مسلمان معاشرے میں مسلم حکومت کے متوازی سیاسی جماعت کی تشکیل دیتا ہے تو یہ بہت ہی سنگین ہے، ایسے عقائد اور نظریات سے توبہ کرنے والوں کو میں بار بار مبارکباد دوں گا، اور دوسرے نوجوانوں سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں کہ وہ بھی ان نوجوانوں کو نمونہ بنائیں گے۔

اور میری نظر میں فتنہ اس وقت ختم ہوتا نظر آرہا ہے، اور اسے بھڑکانے کیلئے جو سیاسی مشکوک تحریکیں اٹھی تھیں ان کی حالت مرغ مذبوح کی سی ہے جو کبھی کبھی اپنا اٹھاتا رہتا ہے تاکہ تڑپ تڑپ کر مر جائے، یہی حالت ان فتنہ پرور تنظیموں کا بھی ہے، یہ بھی جلد ہی ختم ہو جائیں گی، اور صرف حق ہی کی بقا ہو گی۔

باطل کبھی کبھی لمبی مدت تک باقی رہ جاتا ہے یہاں تک لوگ مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں، مگر اسے

زوال ہی ہے اورانجام کارنیکو کاروں ہی کیلئے ہے۔

اوراب ہم سائل کے اس سوال کا جواب دیں گے جس میں وہ کہتا ہے کہ ہم نے آپ کی ایک کیسٹ سنی ہے جس میں آپ نے ترک جماعات کی نصیحت کی ہے،اور تقسیم تجدید پر گفتگو کی ہے اور بتلایا ہے کہ ایک تجدید اجتہادی ہوتا ہے اور دوسرا تجدید شرعی ہوتا ہے، جو کتاب وسنت کے مطابق ہوتا ہے، سوال یہ ہیکہ تجدید اجتہادی کی کیا دلیل ہے؟ اور کیا اس میں بھی مجدد کیلئے کوئی فخر کی بات ہے؟ کیونکہ آپ نے مدح کے پیرائے میں اسکی مثال میں حسن بناذ کر کیا ہے؟

مجھے لگتا ہے نوجوان نے پوری کیسٹ کو نہیں سنی ہے جس کے اندر میں نے بیان کیا ہے کہ تجدید کی دو قسمیں ہیں: ایک تجدید شرعی جس کے اندر ان لوگوں کو کتاب وسنت کی دعوت دی جاتی ہے جو اس سے دور ہو چکے ہیں، اسی کی طرف مصلحین امت اور مجددین ملت نے لوگوں کو دعوت دی تھی جیسے امام احمد، امام ابن تیمیہ اور حالیہ تجدید جس کے سائے میں ہم جی رہے ہیں یعنی امام محمد بن عبدالوہاب کی تجدید۔

اس تجدید کا مطلب جدید چیز کالانا نہیں ہوتا ہے بلکہ ان لوگوں کے مفاہیم کی تجدید کاری ہوتی ہے جو حق سے دور ہو چکے ہیں اور کتاب وسنت سے ناواقف ہو گئے ہیں یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں، اور عقیدہ وشریعت ہر جگہ کتاب وسنت سے اعراض کر رہے ہیں ایسے مجددین امت کی اللہ مدد کرتا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے کسی خاص نظریئے، فرقے یا فکر کی طرف دعوت نہیں دیتے بلکہ وہ اس منہج وفکر کی طرف دعوت دیتے ہیں جس پر سلف امت قائم تھے، یہی وہ تجدید ہے جس پر میں نے کیسٹ کے اندر گفتگو کی ہے۔

اور ساتھ ہی دوسری تجدید کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جسے تجدید اجتہادی کہتے ہیں، بایں طور کہ کوئی یہ گمان کرے کہ وہ اصلاحی اور تجدیدی کام کر رہا ہے مگر وہ اپنے اس تجدیدی کام میں کتاب وسنت کا پابند نہ ہو، بلکہ وہ اپنی جماعت کا پابند ہو جس کے لئے اس نے کچھ ضوابط اور اصول بنا رکھے ہوں، انہیں کی روشنی

میں اصلاحی کام انجام دے رہا ہو، ایسی تجدید کو اجتہادی تجدید کہتے ہیں، میں سمجھتا ہوں ایسے تجدیدی کام اس مجدد اور مجتہد کے بعد ختم ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی، اور اسکے لئے میں نے حسن بنا کی مثال دی تھی، کیونکہ اس وقت میں حسن بنا کو یہی سمجھتا تھا کہ وہ اصلاحی کام کر رہے ہیں، اور انکی جماعت ایک اصلاحی اسلامی اجتہادی تحریک ہے گرچہ انہیں اسکی توفیق نہ مل سکی۔ مگر مجھے بعد میں یقین ہوا کہ وہ حسن بنا نہیں ہیں جنہیں میں پہلے حسن بنا سمجھتا تھا، بلکہ ان کا مقصد سیاسی تھا انہوں نے ایک قومی سیاسی جماعت بنائی تھی مگر دعوت دین کے نام پر، وہ ایسی سیاسی جماعت تھی جو مسلمان اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں کرتی، کیونکہ اس جماعت کی تشکیل کے وقت اس میں غیر مسلم بھی تھے۔

اس لئے یہ ایک سیاسی قومی جماعت ہے جس طرح دوسری سیاسی جماعتیں ہوتی ہیں، اور اسکے بھی وہی اہداف ومقاصد ہیں جو دوسری سیاسی جماعتوں کے ہوتے ہیں، اس وقت میں اسی موقف پر پہونچا ہوں اسی لئے اس نوجوان نے سمجھ لیا ہوگا کہ میں نے جو بات کہی ہے اس سے حسن بنا کی تعریف ہو رہی ہے ، اور یہ ممکن بھی ہے کیونکہ اس وقت میں حسن بنا کے تعلق سے خوش گمانی میں مبتلا تھا۔

❁❁❁

سوال نمبر ۱۸:

اخوانی جماعت کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے، کاش ان کے بارے میں آپ کچھ لکھ دیتے تاکہ ہم ان کے عقائد سے واقف ہوجاتے، اور حسن بنا کی کتابیں لائبریریوں میں پائی جاتی ہیں، کاش آپ اس موضوع پر کچھ رہنمائی فرماتے، بارک اللہ فیکم۔

جواب:

بارک اللہ فیک، جہاں تک حسن بنا کا تعلق ہے تو آپ ان کے بارے میں ان کے رسائل سے مطلع ہوسکتے ہیں، جنہیں [مجموعۃ رسائل حسن البنا] کے نام سے ایک جگہ جمع کردیا گیا ہے، اسکے اندر عقیدہ اور تعلیم سے متعلق رسالے بھی ہیں، ان سارے رسالوں کو پڑھنے سے آپ ان کے عقائد سے واقف ہوسکتے ہیں، یا یہ کہیں کہ حسن بنا کے عقیدے سے واقف ہوسکتے ہیں کیونکہ کوئی ضروری نہیں کہ جو عقیدہ حسن بنا کا تھا وہی عقیدہ ان کے ان تمام پیروکاروں کا بھی ہو جو ان کے بعد آئے اور ان کی جماعت سے جڑ گئے۔

حسن بنا گرچہ کوئی بڑے عالم نہیں تھے مگر وہ اصلاح چاہتے تھے، مگر بعد کے لوگ سیاست میں مشغول ہوگئے، ان کے اندر اقتدار کی لالچ پیدا ہوگئی، انہوں نے کرسی کے حصول کیلئے اسلام کو استعمال کیا، انہوں نے دین اسلام کو مقصد نہیں وسیلہ بنالیا، اور اپنا اصل مقصد اقتدار کی کرسی بنالی، اسکے لئے انہوں اکثر مسلم ملکوں میں نوجوانوں کو حکومتوں سے ٹکرادیا جس کی وجہ سے انہیں یا تو ماردیا گیا یا جیلوں می ڈال دیا گیا، اور یہ اخوانی سرغنے یورپی ممالک میں بھاگ گئے۔

انہیں نوجوانوں کے حساب پر جو یا تو مار دیئے گئے یا جیلوں میں سڑ رہے ہیں، آج بھی یہ اخوانی سرغنے عیش کی زندگی گزار رہے ہیں؛ ان میں سے کچھ مسلم ممالک میں ہیں اور کچھ کافر ممالک میں، انہوں آخر نوجوانوں کو قربان کس کے حساب پر کیا؟ دین اسلام کے حساب پر یا اقتدار کی کرسی کے حساب پر؟ انہوں نے دین اسلام کو کرسی اقتدار کیلئے ایک وسیلہ بنالیا، یہی اس قوم کی حقیقت ہے، اسی کرسی کی وجہ

سے یہ ہر جگہ فساد پھیلا رہے ہیں، ساتھ ہی یہ کبھی اشتراکیوں، ملحدوں اور بعثیوں کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں، تاکہ انہیں کرسی مل جائے یا کرسی کے قریب پہونچ جائیں۔

یہ اسی کرسی کیلئے زنانہ ریلی تک نکالتے ہیں، اور یہ ایسی حرکتیں کر کے بہت سارے ممالک میں کرسی تک پہونچ بھی گئے ہیں، جہاں انہوں نے پارلیمنٹ میں ملحدوں کے ساتھ مل کر جگہ بھی بنالی، یہ وہی ملحدین ہیں جن کی یہ پہلے تکفیر کیا کرتے تھے۔

یہ میں اسلئے بتارہا ہوں تاکہ آپ سمجھ لیں کہ یہ لوگ صرف کرسی دلدادے ہیں، یہ داعی دین نہیں ہیں اس طرح انہوں نے حسن بنا کے منہج کو انہوں نے بدل دیا، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ حسن بنا کے جو رسائل ہیں وہ انہیں کے عقیدے اور عمل کی ترجمانی کرتے ہیں، بعد والے اخوانیوں کی ترجمانی نہیں کرتے، کیونکہ یہ داعی سے زیادہ سیاست دان بن بیٹھے ہیں۔

اور جہاں تک ان کے تعلق سے خصوصی لیکچر دینے کی بات ہے تو ان کے سلسلے میں میری کوئی خاص کیسٹ نہیں ہے، البتہ اس طرح کے سوالات وجوابات کے طور پر کئی مرتبہ ان پر گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے تاکہ حق واضح ہو جائے، اسکے پیچھے ہمارا کوئی مقصد نہیں ہوتا، بس نوجوانوں پر خوف کی وجہ سے ہم اس قدر بول جاتے ہیں تاکہ وہ ایسی تنظیموں سے محفوظ رہیں۔

ہمارے نوجوان فطرت کے طور پر خیر ہی کو جانتے ہیں، انہوں نے شر کو جانا ہی نہیں، انہوں نے اسلام کو پہچانا ہے، جاہلیت سے ناواقف ہیں، انکے پاس صوفیت کی جاہلیت آئی وہ اس سے ناواقف رہے، ان کے پاس حزبیت اور تحریکیت کی جاہلیت آئی یہ اس ان سے ناواقف رہے، ان کے پاس علم کلام اور اشعریت کی جاہلیت آئی یہ اس سے بھی ناواقف رہے، میں ان جاہلیتوں کو اور انکے اثرات بد کو سمجھتا ہوں اسلئے مجھے اپنے نوجوانوں پر خوف رہتا ہے، بطور خاص جب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ نوجوان بھی ان جاہلیتوں سے بالخصوص حزبیت اور تحریکیت کی جاہلیت سے متاثر ہو رہے ہیں وہ جاہلیت جن پر سیاست کا

خوبصورت خول بھی چڑھا دیا جاتا ہے اور پھر انہیں علماء ومشائخ سے متنفر کر دیا جاتا ہے پھر انہیں کا استعمال کر کے فساد اور فتنے کھڑے کئے جاتے ہیں۔

اسی خوف کی وجہ سے میں ان سیاسی تحریکات اور صوفیت اور اشعریت پر بول دیتا ہوں، جس سے میرا مقصد صرف اصلاح ہوتا ہے۔

أسأل اللہ تعالی أن یرزقنی وإیاکم الإخلاص۔

۞۞۞

سوال نمبر ۱۹:
صوفیت اور تبلیغی جماعت کے عقیدے میں کیا فرق ہے؟

جواب:

تبلیغی جماعت پر بات ہو چکی ہے، ویسے جہاں تک مجھے آخر میں پتہ چلا کہ یہ جماعت بھی صوفیت ہی کی ایک شاخ ہے، مگر ہمارے یہاں کے نوجوانوں نے خیر کو پہچانا ہے شر کو نہیں، انہوں نے اسلام، مسلمانوں اور مومنوں کا طریقہ پہچانا ہے، مجرمین کا نہیں، اسی لئے ان پر باتیں مشکوک ہو جاتی ہیں، اور اسی لئے میں نوجوانوں کو سیدنا عمر بن خطاب کے قول کی طرف رہنمائی کرتا ہوں اور اسکے لئے ابن القیم کی کتاب [الفوائد] کا حوالہ دیتا ہوں، جس کے اندر اس قول کی بہترین تحلیل کی گئی ہے، آپ نے فرمایا: (إنما تُنقَضُ عُرى الإسلام عروة عروة إذا نشأ في الإسلام من لم يعرف الجاهلية) ترجمہ: اسلام ایک ایک کڑی کر کے ٹوٹتا چلا جائے گا جب ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو جاہلیت کی خبر نہیں رکھیں گے۔

آج کی مناسبت سے بالخصوص ہمارے نوجوانوں کیلئے یہ قول کس قدر سچا ہے۔

اس پر غور کریں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کہ اسلام ایک ایک کڑی کر کے ٹوٹتا چلا جائے گا جب ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو جاہلیت کی خبر نہیں رکھیں گے۔

جب سے اسلامی عقیدے اور اسلامی مفہوم کی تجدید امام محمد بن عبد الوہاب کے ہاتھوں ہوئی ہے اسی وقت سے اس ملک کے نوجوانوں کی تربیت خیر ہی پر ہو رہی ہے، وہ جاہلیت کی قسموں میں سے کسی سے واقف نہیں ہوتے، اس لئے کہ یہ اس سرزمین پر اس وقت پیدا ہوئے جب وثنیت، علم کلام، صوفیت اور الحاد جیسی ساری جاہلیتوں سے یہ زمین پاک ہو چکی تھی۔

یہ خیر پر تھے کہ اچانک ان پر شر کا حملہ ہوا وہ اس وقت غافل تھے، یہ کھلا پن معاشرہ ہے جس میں

باہر سے ساری چیزیں آنا شروع ہوئی ہیں، جماعتیں اور تحریکیں آئیں، مزدور اور مدرسین آئے، اطباء اور مہندسین آئے، ان سارے لوگوں نے ہمارے نوجوانوں کو متاثر کیا ہے ف۔

انہیں ابھارا گیا کہ تم کس طرح دنیا سے کٹ کر گھٹ گھٹ کر جی رہے ہو، تمہیں دنیا کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے، حقائق کو جانو، سفر پر نکلو، تاکہ دنیا دیکھو، باہر جا کر پڑھائی کرو، تاکہ آزادی سیکھو، یہ کیسی غلامی کی زندگی گزار رہے ہو، اس طرح کے پروپیگنڈے پھیلائے گئے، نوجوانوں پر اثر ڈالنے کیلئے مختلف اسالیب اور حیلے اپنائے گئے تب جا کر ایک بڑی مدت کے بعد وہ کامیاب ہو پائے۔

یہ پروپیگنڈہ اسی وقت سے چل رہا ہے جب ہم ثانوی مرحلے میں تھے، اس وقت بڑی خاموشی سے کام ہو رہا تھا، مگر حالیہ کھلے پن کے بعد اور اس مشکل گھڑی میں یہ اچھی طرح کامیاب ہو چکے ہیں، یہ اس وقت اساتذہ اور طلبہ تک پر اپنا اثر ڈال چکے ہیں، مدرسین اور معلمین ان کی ترجمانی کر رہے ہیں، وہی اس وقت بہت ساری جگہوں پر دعوت دین اور تعلیم کے ٹھیکیدار بن بیٹھے ہیں۔

علامہ ابن القیم اس اثر کی تحلیل کرتے ہوئے کہتے ہیں: صحابہ نے جاہلیت کو سمجھا، اس میں زندگی گزاری، اسکے بعد اسلام آیا، پھر اس نور کے ساتھ رہے، انہوں نے دونوں میں مقارنہ کیا، اسلئے اسلام سے محبت ہوگئی، اور اسکی تعظیم کرنے لگے، کفر اور شرک سے نفرت کرنے لگے، اور اس جاہلیت سے نفرت کرنے لگے جس میں انہوں نے زندگی گزاری تھی، اسلئے فرق ہے اس شخص کے درمیان جس نے صرف اسلام اور مسلمانوں کا طریقہ جانا اور اس شخص کے درمیان جس نے مسلمانوں اور مجرموں دونوں کا طریقہ جانا، اسی کو فقہ مقارن کہتے ہیں۔

ایک انسان جس نے صرف خیر کو جانا ہو شر کو نہیں جانا ہو ممکن ہے اس کے یہاں خیر کیلئے زیادہ لگن نہ ہو؛ کیونکہ اس نے اس خیر کو کسی قربانی کے عوض حاصل نہیں کیا ہے، اور نہ ہی اسکے لئے کسی مصیبت کا سامنا کیا ہے، لیکن خیر کو اچھی طرح وہی جانتا ہے اور اسکے لئے لگن رکھتا ہے جو شر کو بھی جانتا ہو اور اس نے اسکا

سامنا بھی کیا ہو، اور اس خیر کو پانے کیلئے اس نے قربانیاں بھی دی ہوں، کیونکہ کیونکہ خوبیاں متضاد چیزوں ہی کی ظاہر ہوتی ہیں۔

مگر آپ لوگوں نے صرف خیر ہی کو جانا ہے، شر کو نہیں جانتے، اور یہ جو آپ کے پاس اصحاب شر آئے انہیں خیر سے کوئی واسطہ نہیں رہا، یہ آ کر آپ لوگوں پر متاثر ہو گئے، بلکہ نوجوانوں سے پہلے بڑے بڑے بزرگوں اور علماء پر متاثر ہو گئے، اور انہیں آپ پر معلمین اور داعی بنا کر مسلط کر دیا گیا، وہی آپ کو تعلیم دے رہے ہیں اور وہی آپ کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ اور یہی لوگ پیچھے سے آپ کو ابھارتے ہیں۔

ایک مدت تک خاموشی سے یہ لوگ کام کرتے رہے، اور باہر کے لوگوں سے یہ اپنا رابطہ بنا کر رکھے، جو بڑی بے صبری سے انتظار کر رہے تھے کہ اس ملک کے اندر کب انارکی اور بدامنی پھیلایا جائے، اسکے مظاہرے کئے جائیں، دھرنے دیئے جائیں، نعرے لگائے جائیں، وغیرہ وغیرہ، اس وقت وہ بہت خوش ہو رہے ہوں گے جب یہ دیکھ رہے اور سن رہے ہوں گے کہ وہ جس چیز کی توقع کرتے تھے وہ کچھ کچھ پورا ہوتا دکھائی دے رہا ہے، ان کے سینوں کو ٹھنڈک مل رہی ہوگی۔

جب کہ دوسری طرف اہل خیر اور مصلحین دیکھ کر غم سے نڈھال ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ نوجوانوں کو بچالیا جائے وہ بڑے خطرے سے دوچار ہیں، اسی لئے میں ایسی باتوں کو چھیڑتا ہوں تاکہ آپ لوگ اس خطرے سے آگاہ رہیں، مشائخ کرام سے اپنا تعلق بنا کر رکھیں، کوئی بھی بات ہو انکے سامنے پیش کریں، کوئی کیسٹ سنیں تو اس کے بارے میں سوال کریں، کیا یہ صحیح ہے؟ یا یہ واقعی ہو رہا ہے؟ یا اس میں مبالغہ ہے؟ علماء سے ضرور پوچھیں، تاکہ یقینی امر پر رہیں، ان تحریکات سے آگاہ رہیں۔

پھر میں دوبارہ کہوں گا کہ اپنے دین اور عقیدے کو مشائخ کرام سے سیکھو، جو مشکوک ہو اسکے بارے میں علمائے کرام سے ضرور پوچھو۔ اور آگاہ اور متنبہ رہو۔

اگر کوئی آ کر اپنا عقیدہ اور منہج ہمیں سکھانے کی کوشش کرے تو اس سے کہو کہ ہمارا عقیدہ اور منہج

پڑھانا ہے تو خوش آمدید ورنہ آخری سلام۔ ہمارے عقیدے اور منہج سے باہر نہیں جاسکتے، ہم اس پر سمجھوتہ نہیں کرسکتے۔

پہلے کے لوگ اسی عزم وارادے سے رہتے تھے، اسی لئے کسی باہری شخص کی دال نہیں گل سکی، خواہ وہ جماعت کی صورت میں ہو یا افراد کی شکل میں، مگر اس وقت ویسا ماحول نہیں رہ گیا اسلئے تحریکات اور افراد سب سے آگاہ رہنے کی ضرورت ہے۔ وباللہ التوفیق۔

سوال نمبر ۲۰:

ایک نوجوان کہہ رہاہے کہ اس کے باپ نے قسم کھائی ہے کہ اگر وہ فجر کیلئے مسجد میں گیا تو وہ اسکی والدہ کو طلاق دے دے گا، اورایک دوسرے کا بھی یہی سوال ہے، دوسرا نوجوان جس وقت یہ سوال کررہا تھا وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں کوئی اس کے شہر کا نہ ہو اور وہ جا کر خبر کر دے کہ مدینہ کے اندر فلاں اس طرح کا سوال کررہا تھا اور وہ بھی مسجد نبوی کے اندر؟

جواب:

اس طرح کا سوال کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا، کیاایسا بھی کہیں ہوسکتا ہے کہ اگر بیٹا فجر کی نماز کیلئے مسجد چلا جائے تو اسے اور اسکے پورے خاندان کی جیل ہو جائے، اس لئے اس خوف سے والد کو یہ قسم کھانی پڑی کہ اگر وہ مسجد گیا تو اسکی ماں کو طلاق ہو جائے گا!

اس وقت ہم اس بحث میں نہیں پڑیں گے کہ وہ طلاق واقع ہوگی یا نہیں ہوگی، بلکہ اس حالت پر گفتگو کریں گے کہ یہ امر کس چیز پر دلالت کرتی ہے؟ کیا وہاں پر اسلام زندہ ہے یا نہیں؟ وہاں پر کتاب ابیض، کتاب اصفر اور اب کتاب اخضر تک موجود ہے، ساری کتابیں موجود ہیں، اور اسلام سے اس قدر دشمنی کہ معاملہ یہاں تک پہونچ چکا ہے!!!

بعض نوجوان اس ملک سے بھاگ کر آجاتے ہیں اور یہاں حرمین میں مشائخ سے دین سیکھتے ہیں، اور بعض نوجوان یہیں سے بعض جامعات میں داخلہ بھی لے لیتے ہیں، اس طرح ان کی حالت بہتر ہوجاتی ہے، پھر وہ آکر اس طرح کا سوال کرتا ہے!!

آپ لوگ اپنے اس ملک کے اندر جو امن وامان اور دین کی آزادی کی نعمت ملی ہوئی ہے کیا کبھی اس کا احساس کیا یہاں آزادی دین کے اندر اسکے صحیح مفہوم پر عمل کرنے کی ہے، انارکی اور بداخلاقی کی آزادی نہیں ہے، آپ آزاد ہیں اپنے مال میں، اپنے گھر میں، کمانے کھانے میں، دین پر عمل

کرنے میں، تعلیم حاصل کرنے میں، عبادات میں، بلکہ ہر چیز میں، بلکہ یہاں پر لوگ نیک اور بھلائی کے کاموں پر ابھارتے بھی ہیں، اور نہ کرنے والوں کی ملامت بھی کی جاتی ہے، اگر آپ فجر کی نماز میں پیچھے رہ گئے تو آپ کی ملامت ہوتی ہے، یہاں پر طلب علم کیلئے ابھارا جاتا ہے، مساجد میں آنے پر زور دیا جاتا ہے۔

جس نعمت میں آپ لوگ ہیں اور جس عذاب سے دوسرے ممالک کے نوجوان دو چار ہیں دونوں میں مقابلہ کریں۔

مگر افسوس کی بات یہ ہیکہ بہت سے نوجوان اس نعمت پر شکریہ ادا کرنے کی بجائے تخریب کاروں اور تشویش ڈالنے والوں کی باتیں سنتے ہیں اور شکریہ ادا نہیں کرتے بلکہ الٹا فکری اور سیاسی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں، اور یہ کہ جیسا وہ چاہتے ہیں نہیں بول سکتے، یہ جہالت اور طیش و جذبات ہے جسے ابلیس نے مزین کر رکھا ہے۔

اسی لئے میں نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اسلام کی حقانیت اور اسکے صحیح مفہوم کو سمجھیں، اور یہ کہ اسلام کی نعمت کا صحیح مفہوم کیا ہے، میں صرف سعودی نوجوانوں ہی کو مراد نہیں لے رہا بلکہ ان تمام مسلم نوجوانوں کو مخاطب ہو کر کہہ رہا ہوں جو اس ملک میں رہ رہے ہیں، کیونکہ سارے لوگ اس نعمت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں، اور سب پر ضروری ہے کہ وہ اس نعمت پر اللہ کا شکریہ ادا کریں، اور جذباتی اور نعروں میں بہنے والی تحریکات سے متاثر نہ ہوں، مجھے جس قدر اس وقت ایسی تحریکوں سے خوف ہے اتنا کبھی نہیں ہوا حالانکہ یہ بہت پہلے سے موجود ہیں۔

اسلئے آپ لوگ مشائخ کرام اور علمائے اسلام سے جڑ کر رہو، اور ان متعلقہ امور سے خود کو دور رکھو۔

اس طرح کی تحریکیوں اور جماعتوں کے تعلق سے اس وقت سوالات بہت ہو رہے ہیں، اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ یہ ایک نئی چیز ہے، اور اہم یہ ہیکہ اس ملک

میں ایسی جماعتیں اور تحریکیں نہ ہوں بلکہ وہی ایک اصلی جماعت ہو شروع ہی سے خط مستقیم پر چلی آرہی ہے، تمام لوگوں کو اسی راہ پر چلنا چاہیئے۔

جو بھی یہاں نئے آئیں انہیں اسی راہ پر چلنا چاہیئے، اسلئے کہ دین اسلام ایک ہے، اسکے مختلف مفاہیم نہیں ہیں، اسکا صحیح مفہوم ایک ہی ہے، ایسا کہہ کر میں اس کلام کی ذمیداری اللہ کے سامنے اور اسکی مخلوق کے سامنے خود لیتا ہوں۔

اسلام کا جو صحیح مفہوم ہے وہی ہے جو آپ کو یہاں پر مدارس اور جامعات میں پڑھایا جاتا ہے، یہی وہ اسلام ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے تھے، اگر کسی کو اس میں شک ہے اور اس پر وہ یقین نہیں رکھتا تو اسکا کوئی ایمان نہیں ہے۔

آپ اپنے ایمان کے اندر یقین رکھیں یہی واجب ہے، کیونکہ بلا یقین کے ایمان مقبول ہی نہیں ہوگا، چانچہ جو شک کرے گا اسکا ایمان ہی نہیں ہوگا، ایمان میں ضروری ہے کہ وہ یقین کے درجے تک پہونچا ہو، اسلئے آپ اس یقین پر رہو کہ حق پر ہو، جب یقین پر رہو گے تو تمہارے دین، عقیدہ اور منہج پر کوئی اثر نہیں ڈال سکے گا، بلکہ تم لوگ دوسروں پر اثر ڈالو گے، کیونکہ تم ہی لوگ اصل میں دعوت کے اہل ہو، تم ہی اہل عقیدہ اور اہل توحید اور اہل منہج ہو، مگر حال یہ ہیکہ دوسرے تم پر اثر انداز ہو رہے ہیں جبکہ دوسروں پر تم لوگوں کو اپنا اثر ڈالنا چاہیئے!!

یہ بہت ہی تعجب کی بات ہے، یہ عاجزی ہے، تم لوگ کیسے عاجز ہو جاتے ہو جبکہ یہاں پر تم ہر طرح قادر ہو، سنت کی پابندی پر، دعوت واصلاح پر، بلکہ جس ماحول میں رہتے ہو وہ ماحول بھی دعوت واصلاح میں تمہارے ساتھ ہے، دوسری طرف ہمارے ملک کی جمعیتیں اور جامعات باہر وجود بھیجتی ہیں جو وہاں جاکر عقیدہ اور منہج کی تبلیغ کرتے ہیں، اور بہت ساری جگہوں پر ہم نے اپنا اثر ڈالا ہے۔ بہت سارے مسلم نوجوان سلفی منہج سے جڑے ہیں، اور جامعہ اسلامیہ آکر تعلیم حاصل کی ہے، اور بہت سے اب بھی

حاصل کر رہے ہیں، اور بہت سے اپنے ملک جا کر سلفی منہج کی تبلیغ کر رہے ہیں۔

مگر یہاں پر جہاں دعوت واصلاح کیلئے ماحول سازگار ہے، حکومت مدد بھی کرتی ہے، ساتھ ہی یہاں مشائخ اور مصلحین کی کمی بھی نہیں ہے، وہ ہر وقت اس پر ابھارتے ہیں، پھر تم لوگ کیوں اس سے اعراض کرتے ہو، اور باہر سے آنے والوں کی فکر سے متاثر ہو جاتے ہو، اور تم اپنے ہی ملک میں اپنے عقیدہ اور منہج کے ساتھ ان پر اثر نہیں ڈالتے؟!!

معاملہ بالکل الٹا ہے، بلکہ یہ گمراہی ہے، اسی لئے میں آج کے نوجوانوں پر خائف ہوں اور اسی لئے زیادہ ان باطل تحریکات اور حزبیات پر کلام کر رہا ہوں۔

پہلے میں تبلیغی جماعت سے خائف نہیں تھا، میں اسے بہت ہلکا سمجھتا تھا، بلکہ بسا اوقات میں نے اس جماعت کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں، اور اس جماعت کی بعض مثالیں بھی میں نے نقل کی ہیں، مگر تجربات نے اور موثوق خبروں نے یہ ثابت کر دیا بالخصوص جدہ شہر کے اندر کہ یہ لوگ ہمارے خلاف ہیں ان کا عقیدہ اور منہج وہ نہیں ہے جو ہمارا ہے، میں سمجھتا تھا کہ یہ ایک کمزور جماعت ہے، انکا کوئی موحد منہج اور ضابطہ نہیں ہے، اور ان ہندوستانی تبلیغیوں سے انکا کوئی تعلق نہیں ہے جو غالی اور متشدد صوفی ہوتے ہیں، میں یہی سمجھتا تھا کہ ان کا منہج ہندوستانی تبلیغیوں کا منہج نہیں ہے، مگر اب پتہ چل گیا کہ یہ بھی انہی کی طرح ہیں، یہ خانہ کعبہ کے پاس ہو کر بھی انہیں سے مشورہ کرتے ہیں، وہ انہیں کے اوامر پر عمل کرتے ہیں، وہ حرمین کے دروس سے کچھ بھی استفادہ نہیں کرتے، بلکہ یہ پوری تعلیمات اور اوامر ہندوستان سے لیتے ہیں، یہ موثوق خبر ہے، اسلئے میں مجبور ہوا کہ ان کے تعلق سے اپنا موقف بدل لوں۔

اسی طرح اگر میری پچھلی باتوں پر بھروسہ کر کے بعض نوجوان اسی طرح یہاں کے تبلیغیوں کو سمجھتے ہوں جس طرح میں پہلے سمجھتا تھا تو اب وہ بھی اپنا موقف بدل لیں، ان لوگوں سے دھوکے میں نہ رہیں، ہمیں چاہئے کہ ہم اصلاح کریں۔

ان میں جولوگ اس مقام تک پہونچ چکے ہیں جو امیر کا درجہ رکھتا ہے اور وہ اپنے علاقے کا داعی متصور ہوتا ہے تو اسے اہل بدعت داعی شمار کیا جائے گا۔

اہل بدعت کی دو قسمیں ہیں:

ایک عام بدعتی جو صرف بدعت پر عمل کرتا ہے۔

دوسرا وہ بدعتی جو اپنے بدعت کا داعی بھی ہے۔

چنانچہ وہ بدعتی جو اپنے بدعت کا داعی بھی ہو اسکا بائیکاٹ کرنا ضروری ہے، بلکہ اسکی تشہیر بھی کرنا چاہئے تاکہ لوگ اس سے دور ہو جائیں، پہلے ہم ان کے تعلق سے حسن ظن کا شکار تھے اسلئے ایسا نہیں کرتے تے، ہم سمجھتے تھے کہ یہ جاہل قوم ہے، کچھ صوفیت کا اثر ہوگیا ہے یہ دھوکے باز نہیں ہیں، مگر اب واضح ہوا کہ یہ ویسے نہیں ہیں جیسا ہم سوچتے تھے، اسلئے ان پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ ہمارے نوجوانوں کو بگاڑ نہ سکیں، ساتھ ہی ان کی تشہیر کرنا بھی ضروری ہے۔

دراصل یہ بہت ہی رقت دکھاتے ہیں اسی لئے نوجوان ان سے دھوکہ کھا جاتے ہیں، ان کا اسلوب بہت ہی نرم ہوتا ہے، یہ تلون مزاج ہوتے ہیں، یہ موقع دیکھ دیکھ کر اپنا اسلوب بدلتے رہتے ہیں، یہ مجھے بعد میں پتہ چلا، اسی لئے اب میں اس جماعت کی خطرناکی اور اسکی سنگینی سے بھی آگاہ کرتا رہتا ہوں۔

اس وقت یہ جماعت اخوانی جماعت سے کم خطرناک نہیں ہے، اس وقت ان کی جگہ ہمیں تبلیغی جماعت بن کر رہنا چاہئے، کیونکہ ہم ہی جماعت المسلمین ہیں؛ اسلئے کہ ہم دین اسلام اور اسکے منہج کے سوا کسی اور کو ساتھ میں نہیں مانتے، ہم اسلام کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں، ہمیں اسکی تبلیغ کا پورا حق ہے۔

سلف کی طرح ہمارے یہاں کوئی تعصب نہیں ہے، نہ القاب کا تعصب نہ جماعت کا تعصب اور نہ ہی کسی تنظیم وتحریک کا تعصب، اور نہ ہی ہمارے یہاں ان لوگوں کی طرح شخصیات کی تقدیس پائی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے دین اسلام، عقیدہ اور منہج نیز تجدید مفہوم اور سلفی منہج کے میدان میں جو کارنامے انجام دیئے ہیں اسکا عشر عشیر بھی اس اخوانی جماعت والے جن کے یہاں شخصیات کی تقدیس پائی جاتی ہے نہیں کیا ہوگا، اور یہ اسکے اہل بھی نہیں ہیں۔

لیکن کیا کبھی کسی نے سنا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے چاہنے والوں نے کبھی خود کو تیمی کہا ہو، یا جماعت ابن تیمیہ کے نام سے کوئی جماعت بنائی ہو!! نہیں، ایسی نسبت تعصب رکھنے والے کرتے ہیں۔

یہ لوگ صرف مسلمان ہیں اسلام کیلئے کا کرتے ہیں، ہاں جب فرقوں کی کثرت ہوئی تو اپنے پہلے گزرجانے والے سلف کی طرف نسبت کرتے ہوئے انہوں نے خود کو سلفی کہا تاکہ بدعتی فرقوں سے ممتاز رہیں، اور یہاں سلف سے انہوں نے صحابہ، تابعین اور انکے نقش قدم پر چلنے والوں کو مراد لیا ہے، ہمارے یہاں شخصیات کیلئے کوئی تعصب نہیں ہے، اور نہ ہی شخصی نسبت ہے، اور نہ ہی متعین شخص کو ہم اپنا امام سمجھتے ہیں کہ اس کے لئے تعصب دکھائیں، بلکہ ہمارے یہاں سارے ائمہ دین محترم ہیں۔

مگر آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اخوانی جماعت والے حد درجہ تعصب کرتے ہیں، اپنی جماعت کی شخصیات کیلئے شہید کا لفظ استعمال کرتے ہیں، چنانچہ وہ حسن بنا کو شہید کہتے ہیں، جبکہ انہیں نہیں پتہ کہ وہ شہید ہیں کہ نہیں؟ کیونکہ یہ صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ شہید کون ہے، اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسے ہم غلو کہتے ہیں۔

اور بزرگوں کے اندر غلو کرنا شرک ہے، اسے ہمیں اچھی طرح معلوم ہونا چاہئے۔

میں دوبارہ کہوں گا کہ تبلیغی جماعت اس وقت نوجوانوں کیلئے بہت بڑا خطرہ ہے، اسلئے اس سے بچ کر رہنا ہے، بلکہ ہم سے جتنا ہوسکے ان کی اصلاح کی کوشش کریں، پھر نوجوانوں کو ان سے آگاہ رکھیں، وباللہ التوفیق۔

سوال نمبر ۲۱:

سائل کہتا ہے کہ اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو کہتا ہے کہ یہ داعی امت کو قرون قدیمہ کیطرف فتنوں میں واپس ڈھکیلنا چاہتے ہیں جسطرح پہلے محمد بن عبدالوہاب کے زمانے میں ہوتا تھا؟

جواب:

اللہ ہم سب کو عافیت میں رکھے، وہ زمانہ جس میں امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت ظاہر ہوئی تھی اس وقت آپ نے فتنوں کو ختم کیا تھا، قبائل کے اندر جو قتال و جدال چلتا تھا اسکا خاتمہ کیا تھا، بت پرستی اور شرک کا خاتمہ کیا تھا، غیر شرعی فیصلوں کا خاتمہ کیا تھا، اختلاف و انتشار کو مٹایا، چنانچہ اس مبارک دعوت کی وجہ سے جزیرہ عرب میں امت کے اندر اتحاد و اتفاق پیدا ہوگیا، توحید کا جھنڈا بلند ہوا، اور اس ملک کے اندر اس وقت جو عقیدہ توحید، شریعت کا نفاذ اور امن و امان کی سلامتی دکھ رہی اسی کا نتیجہ ہے۔

کیا آپ نے ان داعیوں کو جو کتاب وسنت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اصلاح چاہتے ہیں، حکمرانوں اور رعایا سب کی خیر خواہی چاہتے ہیں انہیں فتنوں کی طرف دعوت دینے والا سمجھتے ہیں، اگر ایسا ہے تو پھر میں دعا کروں گا کہ اللہ آپ کو ہدایت دے اور دعوت کا صحیح مفہوم آپ کے دل میں ڈال دے۔

❁❁❁

سوال نمبر ۲۲:

سائل کہتا ہے: میں اخوانی جماعت کو انہیں دعوتوں کا ایک حصہ سمجھتا ہوں جو اپنے قیام ہی وقت ناکام ہوجاتی ہیں، اور میں نے دیکھا ہے کہ اس دعوت کے قیام کو نصف صدی سے زیادہ ہوگیا ہے اور یہ اب تک ناکام ہے، مگر میں نے (میگزین ''المجتمع'' کے ساتھ ایک ملاقات) کے عنوان سے ایک کیسٹ سنی جس میں چیف ایڈیٹر اور ایک طالب علم کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی، اس میں ایک سوال اخوانی جماعت کے تعلق سے بھی تھا، طالب علم نے کہا کہ مسلم نوجوانوں پر اگر شیخ حسن بنا کا صرف یہی ایک کارنامہ مان لیں کہ آپ نے انہیں سینما گھروں اور قہوہ خانوں سے نکال کر اسلامی دعوت پر لگا دیا تو انکے فضل اور احسان کیلئے کافی ہوگا؟

جواب:

اس شخص کے ساتھ میں ایک زمانے تک رہا ہوں، ہم دونوں ایک ساتھ کام کر چکے ہیں، لیکن یہاں جو کچھ کہا میں اسکے برعکس جانتا ہوں۔

یہ ساری چھوڑ دیں، ہم سب حسن بنا کی دعوت کا حال جانتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ کچھ نوجوانوں کو انہوں نے سینما گھروں اور قہوہ خانوں سے نکال دیا، مگر پھر اسکے بعد انہوں نے ان کے ساتھ کیا کیا؟ کیا انہوں نے نوجوانوں کو انبیاء کی دعوت پیش کی، کیا دعوتی اسلوب کو اپنایا، یا انہیں اپنی جماعت میں ڈال دیا، اور وہ سب صوفیت کے طریقے پر لگ گئے، گویا انہیں ایک جاہلیت سے دوسری جاہلیت تک طرف منتقل کر دیا، انہوں صحیح اسلام کی طرف انہیں بالکل منتقل نہیں کیا، اور کون نہیں جانتا کہ شیخ حسن بنا کا خود ایک معروف صوفی سلسلہ تھا۔

چنانچہ یہ نوجوان جنہیں حسن بنا نے سینما گھروں سے نکالا تھا وہ یا تو حسن بنا کا صوفی طریقہ اپنا لیا یا کسی دوسرے صوفی سلسلے کو پکڑ لیا۔

اور کیا حسن بنا کی دعوت سے ان کے ملک کے اندر کی جارہی علانیہ غیر اللہ عبادت ختم ہوگئی؟
کیا انہوں نے کبھی حسین، زینب اور بدوی کے مزاروں پر طواف کرنے والوں کو شرک سے نکالا؟
کیا انہوں نے لوگوں نے جمہوری حکومت سے نکال کر اللہ کی حکومت کی طرف منتقل کیا؟
شریعت یہی کہتی ہے، اگر انکی دعوت صحیح معنوں میں سچی ہوتی تو اسلامی دعوت کے منہج پر کام کرتی، مگر اندر سے مقصد نوجوانوں کی بھیڑ اکٹھا کرنا ہو، اور انہیں لیکر دوسری سیاسی پارٹیوں کی طرح ایک پارٹی کی تشکیل دینا ہو اور بظاہر کتابوں کے غلاف پر اسلام کا نام لکھا جائے، جبکہ کتاب کے اندر کچھ اور ہی ہو تو یہ الگ بات ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ یہ ایک ملمع ساز سیاسی جماعت ہے، یہ اسلام کی طرف دعوت کبھی نہیں رہی ہے، جس نے بھی حسن بنا کے مذاکرت کو پڑھا ہے وہ جانتا ہوگا کہ اس کے اندر انہوں نے اپنے بارے میں کیا لکھا ہے اور کیا مقاصد پیش کئے ہیں، اور یہ کہ وہ کیسے ایک خانقاہ سے دوسرے خانقاہ کی طرف اور ایک مزار سے دوسرے مزار کی طرف بھٹکتے رہے ہیں۔

شاعر نے کہا:

إذا كان رب البيت بالدف ضاربا　　　فشيمة أهل البيت كلهم الرقص

ترجمہ: اگر گھر کا مالک ہی دف بجانے لگے تو گھر والے سب تو ناچیں گے ہی۔

جب انہوں نے خود کبھی لوگوں کے سامنے اسلام کا صحیح دعوتی مفہوم نہیں پیش کیا، انہوں نے کبھی بھی مزاروں کا بائیکاٹ کیا اور نہ ہی وہاں طواف کرنے والوں کو کبھی ٹوکا، اور نہ ہی انہیں صحیح اسلام کی طرف کبھی بلایا، بلکہ وہ بھی وہی کرتے رہے جو عوام نے کیا۔

میں پوچھتا ہوں کہ صوفیوں نے ان نوجوانوں کو قہوہ خانوں سے نکالنے کے بعد ان کے ساتھ کیا کیا؟
یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہم نے انہیں اسلام کی طرف منتقل کر دیا ہے اور یہ بات افریقہ کے صوفی بھی کہتے

ہیں، میں نے ایک لیکچر میں اس کا جواب بھی دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ افریقہ کے اندر بعض ان نوجوانوں کو جو شجر و حجر کی پرستش کرتے تھے ان کو ان جمادات کی پرستش سے نکال کر انھوں نے صوفی مشائخ کی پرستش کرنے پر لگا دیا، اب معبود خواہ شجر و حجر ہو یا کوئی انسان، جنات یا فرشتہ ہو، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے؛ کیونکہ پرستش دونوں جگہ غیر اللہ ہی کی ہو رہی ہے، اس لئے ایسی دعوت کی مدح سرائی کرنا وہ بھی ایک طالب کی زبانی اچھا نہیں لگتا۔

اور میں ہمیشہ نوجوانوں سے کہتا ہوں: تم اپنے عقیدے میں پختگی کے ساتھ جمے رہو تا کہ معاملے کو کوئی مشکوک نہ بنا سکے، یہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلامی دعوت میں اگر عقیدہ پر سمجھوتہ کیا گیا تو اسے اسلامی دعوت کبھی نہیں کہیں گے، جس شخص نے اخوانی جماعت کے بارے میں ایسا مدحیہ کلام کہا ہے اس پر مجھے تعجب ہو رہا ہے، کیونکہ یہ جناب جس وقت ہمارے ساتھ جامعہ اسلامیہ میں پڑھتے تھے تو ان پر سخت نکیر کرتے تھے بلکہ ان کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ سنت کے دشمن ہیں۔

اللہ سے دعاء ہے کہ ہم سب کو حق پر قائم و دائم رکھے۔

سوال نمبر ۲۳:

سائل کہتا ہے: اس وقت میدان میں تین جماعتیں ہیں: اخوانی جماعت، انصار السنہ جماعت اور تبلیغی جماعت، ان میں سے کون بہتر ہے؟

جواب:

جس طرح آپ نے سلفیت اور دوسری جماعتوں کا ایک ساتھ موازنہ کیا ہے اس پر شاعر کا یہ قول صادق آتا ہے:

ألم تر أن السيف ينقص قدره　　　　إذا قيل إن السيف أمضى من العصا

ترجمہ: کیا آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ تلوار کی عزت کم ہو جاتی ہے اگر یہ کہا جاتا ہے کہ لاٹھی کے مقابلے تلوار زیادہ کارگر ہے؟

چنانچہ جس طرح لاٹھی اور تلوار کے درمیان مقارنہ وموازنہ کرنے سے تلوار کی قیمت اور قدر گھٹ جاتی ہے اسی طرح انصار السنہ اور ان جدید دعوتی تحریکات کے درمیان موازنہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ سلفی دعوت ہی اصل اسلام ہے، انصار السنہ کو برصغیر میں اہل حدیث اور بعض ملکوں میں سلفی سے جانا جاتا ہے۔

اسلئے یہ یاد رکھیں کہ اسلام کا صحیح مفہوم سلفی مفہوم ہے۔

سلفیت سلف صالح کی طرف منسوب ہے اور سلف صالح سے مراد صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ دین ہیں، جیسے ائمہ اربعہ، اور یہی لوگ اس آیت کریمہ میں مراد ہیں: {وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ}

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے

باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

یہ سلفی عقیدہ اور منہج آج کا نہیں ہے، بہت قدیم ہے جو فہم سلف کے مطابق کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، یہ کوئی نیا مفہوم نہیں ہے۔

آپ سیدھے راستے پر یعنی صراط مستقیم پر چلنے والوں کا موازنہ ان لوگوں سے کر رہے ہیں جو دائیں بائیں بھٹک رہے ہیں؟!!! ایسا موازنہ ہونا ہی نہیں چاہئے، یہ ظلم ہے۔

یہ آپ کو سمجھنا ہوگا کہ جن لوگوں کا ذکر آپ نے کیا ہے دعوت دین میں وہی ہمارے مطمح نظر ہیں، ہم انہیں دعوت دیتے ہیں کہ وہ دائیں بائیں راستوں کو چھوڑ کر صراط مستقیم کی طرف لوٹ آئیں، تاکہ وہ ہلاکت سے بچ جائیں، ہمیں ان پر شفقت کرنے اور صحیح راہ کی طرف بلانے کی ضرورت ہے، اور اس طرح کا سوال کہ ان میں کون افضل اور بہتر ہے ایک فضول بات ہے۔

سوال نمبر ۲۴:

آپ نے اپنے لیکچر میں وہابیت کا لفظ ذکر کیا ہے، جبکہ میں نے (ایک سلفی اور ایک تبلیغی کے درمیان مناقشہ) کے عنوان سے ایک کیسٹ سنی ہے جس میں کہا گیا ہے ایک سلفی ایک تبلیغی سے مناقشہ کر رہا ہے، اور وہابیت کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے؟

جواب:

یہ دراصل وہی شخص ہے جس کے بارے میں پہلے آپ نے نقل کیا ہے، جو ہمارے درمیان ایک مدت تک رہ چکا ہے۔

دراصل وہابیت کا لفظ سلفی دعوت کے دشمنان نے ہمارے لئے استعمال کیا ہے، میں نے ابھی کل رات میں یہ ذکر کیا تھا کہ جس وقت دشمنان سلفیت کی طرف سے وہابیت اور وہابی کے القاب پوری دنیا میں پھیلائے جا رہے تھے اسی وقت ملک عبدالعزیز نے کہا تھا: ہمارا عقیدہ کوئی نیا عقیدہ نہیں ہے، ہمارا عقیدہ سلف صالح کا عقیدہ ہے، ہم سارے ائمہ کا احترام کرتے ہیں، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام ابوحنیفہ سب ہمارے نزدیک محترم ہیں۔

اسی طرح کا کلام آپ شرح الطحاویہ کے مقدمہ میں بھی پا جاؤ گے جسکی طباعت دکتور عبداللہ ترکی نے انجام دیا ہے۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ سلفی دعوت کے خلاف وہابیت کا لقب دشمنان سلفیت نے عام کیا ہے، مگر اس شخص کا اس طرح کہنا کہ (وہابیت سے میرا کچھ لینا دینا نہیں ہے، میں خود اس کے خلاف ہوں، ہوسکتا ہے میں دوسروں کے مقابلے زیادہ خلاف ہوں) مجھے تو یہ سن کر حیرت ہو رہی ہے!!

سوال یہ ہیکہ اگر یہ بندہ وہابیت کے خلاف ہے اور یہ اپنے گمان کے حساب سے وہابیوں کے بیچ میں دو یا تین سالوں تک رہا، پھر آخر وہاں رہ کر وہابیت سے اختلاف کیوں نہیں کیا اور کیوں نہیں اپنا

اختلاف ظاہر کیا، اور بعد میں اسکے ساتھ کیا ہوا؟!!

یہ آج کہہ رہا ہے کہ وہابیت سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، یہ وہابی دعوت تاریخ سے ساتھ ختم ہوگئی ہے، اور ان سعودیوں کو دنیا اور سیاست نے اپنے چنگل میں پھنسا لیا ہے، ہم تو ایسی دعوت کے ساتھ ہیں جو اس وقت عالم اسلام میں پھل پھول رہی ہے خواہ اس سے کوئی خوش رہے یا ناخوش!!!

اس بندے کا آخری کلام پہلے کلام کے مخالف ہے، اگر یہ دعوت سعودی سیاست اور دنیا میں گم ہو کر ختم ہوگئی ہے، تو پھر آخر وہ کون سی دعوت ہے جو دنیا میں پھیل رہی ہے اور اس دعوت کو کون پھیلا رہا ہے؟

آخر جو لوگ اس اسلامی دعوت کو پوری دنیا میں پھیلا رہے ہیں وہ کون ہیں؟ وہ ہمارے ہی طلبہ ہیں جو جامعہ اسلامیہ، مدینہ اور جامعہ الامام اور بعض جامعہ ام القری سے فارغ ہو کر اپنے اپنے ملکوں میں دین کی دعوت پھیلا رہے ہیں۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ جنہیں تم وہابی کہہ رہے ہو یہ وہی ہیں جنہوں نے سلفی منہج کو سیکھا ہے اور جن کے بارے میں تمہارا یہ گمان ہے کہ وہ دعوت ختم ہوگئی ہے وہ ختم نہیں ہوئی ہے یہ درحقیقت سلفی دعوت ہے جسے تم وہابی دعوت کہہ رہے ہو، اور یہی حق ہے اور یہ باقی رہے گا، اور یہی سلفی ہی فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ ہیں جو حق کا دفاع کرتے ہیں اور اسی کی خاطر قربانی دیتے ہیں۔

اس وقت گرچہ ہم پر آشوب اور پرفتن دور سے گزر رہے ہیں مگر الحمدللہ سلفی دعوت بہت پھل پھول رہی ہے اور یہ چیز ہر وہ شخص محسوس کرسکتا ہے جو بیرون ممالک سے تھوڑا بھی تعلق رکھتا ہوگا۔

چنانچہ جیسا کہ میں نے اسی درس میں کچھ دیر چند کتابوں کا ذکر کیا انہیں میں نے الحمدللہ افریقی ملک مالی کے اندر غیر سرکاری سلفی مدارس میں بچوں کو یاد کرتے دیکھا ہے، اور وہاں کے غیر مسلم بھی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ سچا اسلام وہی ہے جو سعودی عرب میں پایا جاتا ہے، اور اس سے پہلے میں نے ایک طالب علم کا واقعہ نقل بھی کیا ہے جو جامعہ اسلامیہ سے فارغ ہو کر افریقہ میں دعوت و تبلیغ کا کام کر رہا تھا جس

کی وجہ سے صوفی مشائخ اس پر بھڑک اٹھے تھے یہاں تک کہ معاملہ اس ملک کے عیسائی حاکم کے پاس پہونچ گیا، جوکہ کسی عیسائی ملک کا تعلیم یافتہ بھی تھا، اس نے اس طالب علم داعی سے سوال کرلیا کہ تم نے کہاں سے پڑھائی کی ہے؟ کہا: سعودی سے۔ پوچھا: کس شہر سے؟ کہا: مدینہ سے۔ پوچھا: کیا تمہارے پاس ڈگری ہے؟ کہا: ہاں جامعہ اسلامیہ کی ڈگری ہے۔

اسکے بعد حاکم نے کہا: اس نے پوری تعلیم سعودی سے حاصل کی ہے، اور تمہارا اصلی دین وہیں مدینہ سے آیا ہے، کیا تمہارا رسول مکہ میں پیدا نہیں ہوا تھا جو وہاں سے مدینہ ہجرت کرگیا تھا، اور وہ اس وقت سعودی عرب میں ہے؟ تمہارا جو دین اسلام ہے، وہ سعودی سے آیا ہے، میں یہاں بھی دین اسلام کو وہی مانوں گا جو سعودی والا ہوگا، مجھے لگتا ہے تم لوگ دین اسلام کو نہیں سمجھتے ہو۔ میں نے یورپی ممالک میں تعلیم حاصل کی ہے، اور وہاں اصلی عیسائیت کو دیکھا ہے مگر یہ بہت سے پادری ایسے رسومات پر عمل کرتے ہیں جن کا عیسائیت سے کوئی تعلق نہیں، ممکن ہے تم بھی اسی طرح کے رسومات پر عمل کرتے ہوگے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہ ہو، اور انہیں رسومات کو تم دین سمجھ رہے ہو جس طرح یہ پادری سمجھ رہے ہیں، تم لوگ اصل میں دین اسلام کو نہیں سمجھ رہے ہو، اور اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک تم سعودی عرب جاکر اسے نہ سیکھ لو، کیونکہ تمہارا دین وہیں سے آیا ہے۔

پھر سارے صوفی منہ لٹکا کر بیٹھ گئے، حاکم نے آخر میں نوجوان سے کہا: تم اپنا کام جاری رکھو تمہیں کوئی نہیں چھیڑے گا، اور صوفیوں سے کہا: تم لوگ اس نوجوان سے جاکر اسلام سیکھ لو، یا پھر اس سے دور رہو۔

جب مجھ سے یہ واقعہ بتلایا گیا اس وقت میں افریقہ ہی میں دعوتی پروگرام کیلئے گیا تھا، اس واقعہ کو سن کر مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول یاد آگیا: (وَأَنَّ اللَّهَ يُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ)
ترجمہ: اور اللہ مدد کرے گا اس دین کی برے آدمی سے۔

بہرحال اسلامی دعوت کی جیت ہوئی اور اللہ نے ایک عیسائی فاجر شخص کے ذریعے حق کی مدد کی

اور صوفی مشائخ کو ہار ہوئی۔

یہی سلفی دعوت ہے جسکا نام اس شخص نے وہابی دعوت دیا ہے، اور کہا ہے کہ وہ ختم ہو چکی ہے، یہ ختم نہیں ہوئی ہے، بلکہ پوری دنیا میں پھیل رہی ہے، ہاں اسکا دوسری دعوتوں کی طرح پروپیگنڈا اور پرچار نہیں کیا جاتا بلکہ اطمینان اور خاموشی سے پھیلایا جاتا ہے۔

میں اس وقت نہیں سمجھ پا رہا ہوں کہ اس شخص کے نام کی صراحت کر دی جائے تو نہ کی جائے، بہرحال مجھے اس وقت اس میں تردد ہے، اس لئے دوسرے موقع کیلئے موخر کر رہا ہوں۔

۞۞۞

سوال نمبر ۲۵:

آپ سے گزارش ہے کہ ان نوجونوں کو نصیحت کریں جو دعوت دین کے میدان میں علم و بصیرت کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں؛ اسلئے کہ ہم دیکھ رہے ہیں جو نوجوان دعوت دین کے میدان میں کام کر رہے ہیں وہ غلط منہج پر ہیں؟

جواب:

سائل نے خود یہ بیان کر دیا ہے کہ علم اور بصیرت کے ساتھ دعوت کرنے کی نصیحت کریں، اسلئے ہم اسی پر ابھارتے ہیں اور اسی کی دعوت دیتے ہیں، چنانچہ دعوت دین میں بہتر طریقہ یہی ہے کہ پہلے علم حاصل کیا جائے پھر بصیرت اور حکمت کے ساتھ دعوت کا کام کیا جائے۔

ایک بات یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جو ابھی چھوٹا طالب علم ہو وہ علم کے اسلحہ سے پہلے مسلح ہو جائے اور اسی وقت سے وہ دعوت دین کے میدان میں نہ اترے۔ جب وہ علم کے اسلحہ سے اچھی طرح مسلح ہو جائے تو پھر مذکورہ طریقے پر دعوت دین کے میدان میں آئے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۲۶:

سائل کو شکایت ہے کہ بعض نوجوان دوسری جماعتوں سے متاثر ہو چکے ہیں، اب وہ سلفی جماعت اور سلفیوں کو برا بھلا کہتے ہیں، اس کیلئے کیا کیا جائے؟

جواب:

سب سے پہلے ان کے لئے دعاء خیر کریں، اسکے بعد اسباب کی فراہمی پر عمل کریں، یعنی خود اپنے شہر میں اپنے مدرسین اور دعاۃ پیدا کریں جو دعوت کے میدان میں سرگرم ہوں، صحیح عقیدہ اور صحیح مفہوم نوجوانوں میں عام کریں، اور ہم جیسے لوگوں کو بھی اس شہر میں یعنی جدہ میں دعوت دین کیلئے چھٹی کے ایام میں بلایا جائے تاکہ وہاں کی مساجد میں دروس کا انتظام کیا جائے جن میں نوجوانوں کی رہنمائی کی جائے، ان اسباب سے نوجوانوں کے مسائل حل ہو جائیں گے ان شاء اللہ نسأل اللّٰہ لنا ولھم التوفیق۔

۞۞۞

سوال نمبر ۲۷:

جو حکمران شریعت کے مطابق حکومت نہیں کرتے ہیں کیا انکی اطاعت اور انکی بیعت واجب ہے؟ دوسرے ملکوں میں رہنے والے نوجوانوں کے تعلق سے آپ کیا نصیحت کریں گے؟

اس کے بعد سائل نے بعض اسلامی اور عربی ملکوں کا نام لیا ہے جہاں پر شریعت نہیں بلکہ وضعی دستور کے مطابق حکومت کی جاتی ہے۔

جواب:

میرے پاس کچھ افغانی طلبہ آئے جو جامعہ اسلامیہ کے فارغین تھے، اور مجھ سے کہا کہ آپ ہمارا ساتھ دیں تاکہ ہم اپنے ملک میں ایک اسلامی فرنٹ (سیاسی جماعت) قائم کریں، تو میں نے ان سے کہا: نہیں، اگر تم ایسا کروگے تو جو تمہارے مخالفین ہیں وہ تمہیں چند ہی دنوں میں ختم کر دیں گے، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہیکہ تم لوگ اپنے ملک میں جا کر علم پھیلاؤ، چنانچہ ان لوگوں نے جا کر تحفیظ القرآن اور ابتدائی، متوسطہ اور ثانوی مدارس کھول دیا، اسی منہج پر جو ہمارے یہاں کے مدارس میں پڑھایا جاتا ہے، بالکل اسی طرز پر جس طرح ہمارے۔ بہت سے طلبہ بعض افریقی ممالک میں اور برصغیر ہندو پاک میں کر رہے ہیں۔

ہمارے یہ طلبہ شخصیت سازی کر رہے ہیں اور نوجوانوں کی تربیت اسی منہج پر کر رہے ہیں، اور ان کا حکام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، ملتے بھی ہیں تو محض ضرورت کیلئے، اسی لئے انہیں یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ انکا مقابلہ کرنے آئے ہیں، یا انہیں انکی کرسی سے ہٹانے آئے ہیں۔

یہ معقول ہی نہیں ہے کہ دعوت کے آغاز میں تمہارے دشمن پیدا ہو جائیں، آپ شخصیت سازی کریں، نوجوانوں کی تربیت کریں، اور آگے بڑھتے جائیں، پھر ذی شعور اور عمائدین شہر سے ملیں اور ان پر اپنی دعوت پیش کریں، پھر انہیں کے واسطے حکام تک جائیں اور بڑی خاموشی سے ان پر اپنی

دعوت پیش کریں اور انہیں نصیحت کریں، سب وشتم اور بھڑکانے کا کوئی کام نہ کریں، گرچہ وہ حاکم طاغوت ہی کیوں نہ ہو جو وضعی ستور پر راضی ہو کر حکومت کرتا ہو، کیونکہ یہ حکمت نہیں ہے کہ آپ کچھ کر بھی نہ سکتے ہوں اور مخالف کے خلاف محاذ بھی تیار کر رہے ہوں۔

اسلئے پر امن طریقے سے تعلیم و دعوت کا کام جاری رکھیں یہاں تک دھیرے دھیرے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو، اگر اس بیچ آپ کی موت بھی آجائے تو اپنی اس نیک نیتی اور عظیم مقصد پر اجر کے مستحق ہوں گے، کیونکہ آپ کا مقصد نیک تھا، آپ رعایا اور حکام کی اصلاح چاہتے تھے، آپ کی خواہش اور عزم تھا کہ رعایا اور حکام کتاب وسنت کے منہج کو اپنائیں۔

اس عظیم کام کیلئے وقت درکار ہے، مگر وہ نوجوان جو اسکے لئے عجلت پسندی دکھاتے ہیں اور چاہتے ہیں ایک ہی دن میں وہ اسلامی حکومت قائم کرلیں تو یہ طیش و جہالت ہے، یہ اسلوب مناسب نہیں۔

۞۞۞

سوال نمبر ۲۸:

سائل کہتا ہے کہ بعض نوجوان ایسے ہیں جو ہر اس شخص کی تکفیر کرتے ہیں جو اسکے طریقے کو نہ اپنائے، اس پر آپ کیا کہیں گے؟

جواب:

اسی کو شیخ ابن عثیمین نوجوانوں کا فتنہ کہتے ہیں، اسلئے کہ بعض نوجوان اس فتنے میں مبتلا ہو چکے ہیں، یعنی تکفیر وتبدیع کے فتنے میں، گویا وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے خلاف غیبت، چغلخوری، طعن وتشنیع اور مذاق سب حرام ہے، ایسا جو کرے گا اور ان کے منہج کو چھوڑ دے اسکی تکفیر کی جائے گی، یہ فتنہ ہے، علماء کو چاہیئے کہ وہ اس فتنے کا علاج کریں، اور اس فتنے کا علاج تعلیم ہے، اس لئے کہ فتنہ جہالت ہے اور جہالت کا علاج تعلیم ہے۔

اسی طرح یہ نوجوان بعض دیگر ان افکار سے بھی متاثر ہوئے ہیں جو بیرون ملک سے اس ملک میں وارد ہوئے ہی، چنانچہ ہمارے نوجوانوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان سے حسد کیا جاتا ہے اور ہر وہ شخص جس سے حسد کیا جاتا ہو وہ کسی نا کسی نعمت میں ہوتا ہے، اور تم لوگ تو بہت ساری نعمتوں میں ہو: عقیدے کی سلامتی کی نعمت، امن وامان کی نعمت، استقرار کی نعمت، رعایا اور حکام کے درمیان اچھے تعلقات کی نعمت، فری تعلیم وعلاج کی نعمت، انہیں امور کی بنیاد پر تم سے حسد کیا جاتا ہے، اس لئے اس فتنے سے آگاہ رہو، تکفیر کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔

معتزلہ جنہوں نے تمام صفات باری کا انکار کر دیا اہل علم نے انکی تکفیر نہیں کی ہے، جس طرح کہ جہمیہ کی تکفیر کی ہے، وجہ یہ ہے کہ وہ اسمائے باری تعالی کو ثابت مانتے ہیں، کہتے ہیں: اثبات اسماء سے اثبات صفات لازم آتا ہے، اسی لئے ان کی تکفیر نہیں کی۔

لیکن آپ ہر اس شخص کی اگر تکفیر کر رہے ہیں جو آپ کی جماعت سے تعلق نہیں رکھتا ہے، جو آپ کی

فکر سے موافقت نہیں رکھی یا جو آپ کے منہج اور طریقے پر نہیں چلتا ہے تو معقول بات نہیں ہے، بلکہ یہ شرعاً جائز بھی نہیں ہے۔

اللہ ہم سب کو صحیح راستے پر گامزن رکھے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۲۹:

ایک پیچیدہ سوال ہے، وہ یہ کہ علماء کا اختلاف بسا اوقات نوجوانوں کو حیرت میں ڈال دیتا ہے، اس ملک کے اندر ان منکرات پر انکار کیسے کیا جائے جو بالکل ظاہر ہیں؟

جواب:

وہ منکرات جو واقع ہوں ان پر نکیر کرنا واجب ہے، جو انہیں دیکھے گا وہ ان پر نکیر کرے گا، اور علماء ایسے منکرات کے خلاف اپنے دروس اور خطابات میں بولیں گے، ان منکرات کی سنگینی واضح کریں گے، یہی ہم علماء کا کام ہے، البتہ انہیں ہاتھ سے مٹانا یہ ذمیداروں کا کام ہے۔

ہم اللہ سے دعاء کرتے ہیں کہ یہاں کے حکام کو اس بات کی توفیق دے کہ وہ سماج میں پھیلی برائیوں کو کنٹرول کریں جیسے سود وغیرہ۔

البتہ جو لوگ ان منکرات اور معاصی کی وجہ سے لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں تو یہ بہت ہی سنگین مسئلہ ہے، انسانی معاشرے میں معاصی کا واقع ہونا ضروری ہے، اگر ایسا نہ ہو تو حدود وقصاص اور تعزیرات وعقوبات کا نازل ہونا چہ معنی دارد؟

اللہ کو معلوم ہے کہ انسان بشری تقاضے کے مطابق برائیوں میں ملوث ہوں گے، اور اللہ تعالی ارحم الراحمین ہے، اس نے توبہ کرنے والوں کے توبہ کو قبول کرنے کا دعدہ کیا ہے۔

لیکن اگر کوئی یہ سوچتا ہو کہ اسلامی معاشرے کا مطلب وہ معاشرہ ہے جس میں منکرات اور معاصی کا وجود نہ ہو تو یہ غلط تصور ہے، ایسا کبھی نہ کوئی انسانی معاشرہ تھا اور نہ ہی رہے گا۔

سب سے بہتر معاشرہ جو دنیا میں گزرا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے دور کا معاشرہ ہے، سوال یہ ہیکہ کیا وہ دور منکرات اور معاصی سے پاک تھا؟ نہیں، اس دور میں بھی شراب پیئے گئے، چوریاں کی گئیں، زنا کئے گئے۔

اسی ہم کہتے ہیں کہ اسلامی حکومت اسے نہیں کہتے کہ جس میں معاصی اور منکرات کا وجود نہ ہو، بلکہ اسلامی حکومت اسے کہتے ہیں کہ اگر ان برائیوں کا وجود ہو تو سزائیں دی جائیں، مجرم کو سزا دی جائے، حدود وقصاص کا نفاذ ہو، اور الحمدللہ یہ سب ہمارے ملک میں ہو رہا ہے، اب اس سے زیادہ اس وقت آپ کیا چاہتے ہیں؟

یہ ٹھیک ہے، ہمارے یہاں بہت سی کمیاں ہیں، ہم اب سلف صالح جیسا نہیں ہیں، نہ ہی ہم رعایا اور نہ ہی ہمارے حکام اور اور نہ ہی ہمارا سماج، کمی اور کوتاہی یقیناً پائی جاتی ہے، لیکن جیسا کہ ہم بارہاں کہہ چکے ہیں کہ پھر بھی ہم ایک کمزور مومن کے درجے سے ابھی نیچے نہیں گرے ہیں، جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجَزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ: لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَ كَذَا، وَلَكِنْ قُلْ: قَدَرُ اللَّهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”زبردست مسلمان (زبردست سے مراد وہ ہے جس کا ایمان قوی ہو، اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھتا ہو، آخرت کے کاموں میں ہمت والا ہو) اللہ کے نزدیک بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے ناتواں مسلمان سے اور ہر ایک طرح کا مسلمان بہتر ہے، حرص کر ان کاموں کی جو تجھ کو مفید ہیں (یعنی آخرت میں کام دیں گے) اور مدد مانگ اللہ سے اور ہمت مت ہار اور تجھ پر کوئی مصیبت آئے تو یوں مت کہہ اگر میں ایسا کرتا تو یہ مصیبت کیوں آتی لیکن یوں کہہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ایسا ہی تھا جو اس نے چاہا کیا۔ اگر مگر کرنا شیطان کے لیے راہ کھولنا ہے۔“ (یعنی جو اس اعتقاد سے کہے کہ اسباب کی تاثیر مستقل ہے اور اگر یہ سبب نہ ہوتا تو مصیبت

نہ آتی تو وہ اسلام سے نکل گیا اس لیے کہ ہر ایک کام اللہ کی مشیت کے بغیر نہیں ہوتا اور جو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر اعتقاد رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ اسباب کی تاثیر بھی اس کے حکم سے ہے اس کو اگر مگر کہنا جائز نہیں اور اس کی مثال یہ ہے کہ مومن کہتا ہے بارش اچھی ہوئی اب کے غلہ بہت ہوگا اور کافر بھی کہتا ہے پر مومن کا کہنا اور اعتقاد سے ہے اور کافر کا کہنا اور اعتقاد سے اور جو اعتقاد کافر کا ہے اس اعتقاد سے یہ کلمہ کہنا درست نہیں اور مومن کے اعتقاد سے درست ہے۔)

کم ازکم ہم اس مقام سے نیچے نہیں ہیں، یعنی ہم کفار نہیں ہیں، اور اگر کوئی ایسا معاشرہ چاہتا ہے جہاں منکرات اور معاصی کا وجود نہ ہو تو گویا وہ فرشتوں کا ایسا معاشرہ چاہتا ہے جس کے سربراہ اعلی سیدنا جبریل علیہ السلام ہوں، ہم انسانی معاشرے میں تو ایسا ممکن نہیں ہے، بلکہ محال ہے۔

البتہ اگر آپ انصاف پسند ہیں تو اس ملک کے معاشرے اور دوسرے معاشروں کے درمیان موازنہ کریں تو سمجھ میں آئے گا کہ ہمارا یہ معاشرہ کس قدر بہتر ہے، کیونکہ چیزوں کو انکے ضد ہی سے جانا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۳۰:

سائل کہتا ہے: آپ سیاست کے بارے میں بات کرتے ہیں، میرا سوال ہے کہ آپ کیسی سیاست چاہتے ہیں: ربانی سیاست یا کون سی؟

جواب:

ربانی سیاست کے بارے میں کون جانتا ہے؟ کیا کوئی سیاست ایسی بھی ہے جسکا نام ربانی سیاست ہے؟

اگر ربانی سیاست سے مراد شرعی سیاست ہے جسے ہم پڑھتے اور پڑھاتے ہیں پھر اسکے بعد اسی پر عمل بھی کرتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے، اور ہم جس سیاست کا انکار کرتے ہیں وہ عصری سیاست ہے تو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

اور الحمدللہ ہمارے یہاں حکام شرعی سیاست پر حکومت کرتے ہیں۔

ممکن ہے کچھ لوگ آپ پر ہنسیں بھی، اور کہیں: تمہارے یہاں شرعی سیاست نہیں ہے، بلکہ فردی سیاست ہے، ممکن ہے اس کا وہ نام وہ ڈکٹیٹر شپ بھی رکھتے ہوں، مگر اس پر تعجب نہ کرنا۔

بلکہ اسکا تسلی بخش جواب دینے کی کوشش کرو:

دراصل ہم ایسے ملک میں نہیں رہتے ہیں جہاں جمہوری پارلیمانی حکومت ہو یعنی عوام کی حکومت ہو، جہاں پر متعدد سیاسی پارٹیاں ہوں، اور نہ ہی ہم ایسے کسی ڈکٹیٹر کی حکومت میں رہتے ہیں جو اسلحہ کی بنیاد پر حکومت کرتا ہو، بلکہ ہم پر نہ کوئی فرد واحد حکومت کرتا ہے اور نہ ہی کوئی سیاسی جماعت، بلکہ اس ملک کے حکمران کی حیثیت صرف قانون نافذ کرنے والی ایک اتھارٹی کی ہے، نہ کہ قانون ساز اتھارٹی، کیونکہ ہمارے یہاں کوئی قانون ساز اتھارٹی یا پارلیمنٹ نہیں پایا جاتا، اور نہ ہی اسکی ضرورت ہے، بلکہ کسی بھی مسلم ملک میں یہ جائز بھی نہیں ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر خود قانون سازی کریں۔

ہمارے ملک میں شریعت اسلامیہ کی حکومت ہے یہ بات یہاں کا ایک بازاری شخص بھی جانتا ہے۔

اگر یہاں پر کوئی جرم کرتا ہے تو اس پر فیصلے اور قانون کیسے نافذ ہوتے ہیں؟ پولیس محکمے کے بعد اس کا معاملہ عدالتوں میں جاتا ہے، جہاں پر قاضی اس کے معاملے کی چھان بین کرتا ہے، اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس پر غور کرتا ہے، اور پھر شرعی روشنی میں جس نتیجے پر پہونچتا ہے وہی فیصلہ لیتا ہے، اگر اس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہے تو اس پر قصاص کا فیصلہ سنایا جائے گا اور پھر شرعی احکام کی روشنی میں اس پر قصاص نافذ کیا جائے گا، اور یہ کام امور داخلہ کے نائبین انجام دیتے ہیں، وہ قرآن کی آیت پڑھے گا جو اس فیصلے کے مناسب ہوگی، مثلا اگر قصاص نافذ ہو رہا ہے تو قصاص والی آیت پڑھے گا اور اگر ہاتھ کاٹنے کا حد نافذ ہو رہا ہے تو ہاتھ کاٹنے والی آیت پڑھے گا۔

اب آپ دیکھیں آخر فیصلہ کس کا نافذ ہوا؟ اللہ کا فیصلہ جو کتاب اللہ میں موجود ہے۔

پھر حکام نے کیا کیا؟ انہوں نے اس فیصلے کو نافذ کیا۔ اس طرح یہ قانون نافذ کرنے والی ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس لئے معلوم ہونا چاہئے کہ یہی سیاست شرعیہ ہے۔

کیا ایسے سماج اور قوم کے تعلق سے کہا جاسکتا ہے کہ اس پر کوئی فرد واحد یا کوئی ڈکیٹیٹر حکومت کر رہا ہے؟ نہیں، ہمارے اوپر اللہ کی شریعت حکومت کرتی ہے۔ اور یہ اللہ کے فیصلے کو نافذ کرتے ہیں، ہم پر یہ اللہ کا بہت بڑا فضل واحسان ہے۔

یہی حقیقت ہے جسے طالبعلموں کو سمجھنا چاہئے، اور جن لوگوں پر یہ آسان سی بات مشکل نظر آتی ہے یا ان کے لئے دوسرے جہات سے معاملے کو مشکوک بنا دیا گیا ہے تو انہیں سمجھانا چاہئے۔

سوال نمبر ۳۱:

کچھ لوگ ایسے ہیں جو منبر و اسٹیج پر کچھ کہتے ہیں اور نجی مجلسوں میں کچھ، ایسے لوگوں کے بارے میں آپ کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب:

اگر واقعی ایسا ہے جیسا کہا جارہا ہے تو اس پر ہم اللہ سے توبہ کرتے ہیں اور دعاء کرتے ہیں کہ اللہ ہم کو معاف فرمائے، ایک مومن کو چاہئے کہ وہ جو کہے اس پر عمل بھی کرے، اسکے قول و عمل میں تضاد نہیں ہوتا ہے۔

نجی مجلسوں میں کچھ کہے اور عوامی محفلوں میں کچھ اور، ہم ایسی امید ایک مومن سے نہیں رکھتے، اور اگر کہیں پایا جاتا ہے تو اللہ سے اصلاح حال کی دعاء کرتے ہیں۔

۞۞۞

سوال نمبر ۳۲:

سائل اسلامی گیتوں کے بارے میں سوال کررہا ہے؟

جواب:

مجھے اسلامی گیت کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے، اس تعلق سے میں جو کچھ جانتا ہوں اگر دین کے معاملے میں اللہ کی عبادت کے تعلق سے قصیدے یا گیت پڑھے جائیں خواہ وہ کیسی ہی عبادت ہو جیسا کہ ابن خفیف نے صراحت کی ہے، تو وہ بدعت ہوگی، اور ایسی کوئی گیت نہیں ہے جسے اسلامی کہا جائے۔

البتہ اگر کوئی مناسبت ہے اور اس وقت عربی گیت پڑھے جاتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مگر انہیں اسلامی کہنا غلط ہے، کیونکہ دین اسلام کے اندر کوئی گیت یا کوئی قصیدہ نہیں پایا جاتا جسے اسلام نے پڑھنے کا حکم دیا ہو یا اسے مشروع قرار دیا گیا ہو، ایسا کہنا غلط ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۳۳:

اگر منہجی دروس اور تعلیم کا اہتمام نہ ہو تو ایسی صورت میں ایک طالب علم اور داعی کیا علمی لیکچرز اور مختلف دروس سے استفادہ کرسکتا ہے؟

جواب:

یہ علمی لیکچرز فائدہ ضرور دیں گے مگر پڑھنا ضروری ہے، اور ہم ہمیشہ تعلیم کی دعوت دیتے ہیں، خلیجی جنگ ہی سے میں نوجوانوں کو کہہ رہا ہوں کہ تعلیم مدارس اور جامعات میں حاصل کرو، سیاسی امور سے دور ہو کر حصول علم میں لگ جاؤ۔

تعلیم اور منہج ہی سے شخصیت سازی ہوتی ہے، اور جہاں تک ان علمی لیکچرز کی بات ہے تو یہ معاون ہوتے ہیں، مگر اصل کی حیثیت نہیں رکھتے، البتہ وہ دروس جو منظم انداز میں ابواب فقہ پر دیئے جاتے ہیں وہی شخصیت سازی کر سکتے ہیں، اور ایسے ہی دروس کی ہمیں ضرورت ہے، اللہ ہماری مدد فرمائے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۳۴:

اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو امام احمد کی آزمائش کا تو بہت ذکر کرتا ہے مگر بادشاہ وقت کے تعلق سے ان کا کیا موقف تھا اسے نہیں بیان کرتا ہے؟

جواب:

مجھے نہیں معلوم کہ سائل نے دو احتمالات میں سے کسے مراد لیا ہے؟ آیا اس نے ان لوگوں کو مراد لیا ہے جو امام احمد کی آزمائش کو بیان کرتے تو ہیں مگر وہ ان خلفاء کا بیان نہیں کرتے؟

یا سائل نے امام احمد کو مراد لیا ہے کہ ان کا ان خلفاء اور سلاطین کے تعلق سے کیا موقف تھا جنہوں نے انہیں ستایا اور عذاب سے دو چار کیا جیسے مامون جو کہ فتنے کی جڑ ہے، اور معتصم باللہ اور واثق باللہ جنہوں نے تکلیفیں دیں؟

پہلے احتمال پر میں کہوں گا کہ آزمائش کو ذکر کرنے سے لازم آتا ہے کہ وہ اس شخص کا بھی ذکر کرے جس نے آزمائش میں ڈالا ہے، اور سزائیں دی ہیں، معتصم کے سامنے مارا جاتا ہے اور کہلوانے کی کوشش کی جاتی تھی کہ قرآن مخلوق ہے، اور یہ کہ صفات باری کا انکار کیا جائے، مگر صبر کا مظاہرہ کرتے اور مار کھاتے رہتے۔

مگر جب دسواں عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ آیا تو اس نے چھوڑ دیا، اور خلق قرآن کا فتنہ بھی سرکاری طور پر ختم کر دیا، یہ فتنہ مامون کے دور سے لیکر متوکل کے دور تک تھا، یہ بتلانا ضروری ہے، اگر سائل یہی مراد لے رہا ہے، اور یہ بالکل واضح ہے۔

اور اگر یہ مراد لے رہا ہے کہ امام احمد کا کیا موقف تھا؟ کیا وہ انکی تکفیر کرتے تھے؟

تو اسکا جواب یہی ہے کہ نہیں، امام احمد اور دوسرے ائمہ دین سلاطین کیلئے دعاء کرتے تھے گرچہ وہ ظالم رہے ہوں، بلکہ ایسی دعاؤں کیلئے وہ قبولیت کے اوقات کو چنتے تھے، اور دعاء کرتے تھے کہ اللہ انہیں

ہدایت دے، انکی اصلاح فرمائے، اللہ انہیں معاف فرمائے، گرچہ انہوں نے ان پر ظلم کیا ہو مگر انہوں ں نے اپنے لئے کبھی انتقام نہیں لیا، بلکہ ہمیشہ وہ دعاء اور نصیحت ہی کرتے تھے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۳۵:

سائل کہتا ہے کہ وہ سلفیوں سے محبت کرتا ہے کیونکہ ان کے پاس طلب علم کا جذبہ ہوتا ہے، اور اسی طرح وہ اخوان المسلمین سے بھی محبت رکھتا ہے کیونکہ وہ سیاسی امور میں ماہر ہوتے ہیں، اور وہ تبلیغیوں سے بھی محبت کرتا ہے کیونکہ وہ دعوتی امور میں ماہر اور لوگوں کیلئے مفید ہیں؟

جواب:

اگر یہ حقیقت ہے، کوئی خیالی چیز نہیں ہے، اور ایسا کسی کے یہاں پایا جاتا ہے تو اسے کسی ماہر نفسیات کے پاس علاج کرانے کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ مضطرب کیفیت میں ہے، اور ایسی کیفیت میں ایک مسلمان نہیں رہتا، کیونکہ اسے پتہ ہی نہیں کہ حق کہاں ہے، پھر اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ جاہل ہے کیونکہ وہ فیصلے بھی سنا رہا ہے، کہ وہ سلفیوں سے محبت کرتا ہے: اسلئے کہ وہ علم حاصل کرتے ہیں اور یہ انکے لئے شرف کی بات ہے۔

اور اخوانی جماعت سے محبت کرتا ہے کہ وہ سیاست کے ماہر ہوتے ہیں، سوال یہ ہیکہ وہ کتنا ماہر ہے کہ فیصلہ کرنے لگا کہ فلاں سیاست میں ماہر ہے، یا نہیں ہے، اگر اسکے پاس کچھ بھی سیاسی شعور ہوتا تو ایسا سوال کرتا ہی نہیں، وہ مسکین ہے، اسے تعلیم کی ضرورت ہے۔

تبلیغیوں کے بارے میں کہا کہ وہ دعوت کے میدان میں مفید ہیں، آخر کون سی دعوت؟ یہ تو کسی بڑ بکنے والے کی بات لگتی ہے، ایسی بات چھوڑ دیں، یہ سب غلط باتیں ہیں۔

۞۞۞

سوال نمبر ۳٦:

ایک دوسرا سائل پوچھتا ہے کہ سلفیت کی بنیاد ابن تیمیہ نے ڈالی ہے اور اسکی تجدید محمد بن عبدالوہاب نے کی ہے۔کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:

میں پوچھتا ہوں کہ سلفیت کا کیا مطلب ہے؟ لوگ سلف اور خلف میں کب بٹ گئے؟ کاش ہم ان چھوٹی جماعتوں اور سیاسی تحریکات کو چھوڑ دیتے جو آج کل کی پیداوار ہیں! یہ سب گفتگو کا اہل ہی نہیں ہیں، بات اس پر ہونا چاہیئے کہ لوگ سلف اور خلف میں کب بٹ گئے؟ طلبہ کو اسی پر گفتگو کرنا چاہیئے، اور کبار اہل علم جیسے ابن حجر وغیرہ نے اسی پر گفتگو کی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر نے تیسری صدی ہجری بلکہ تحدید کے ساتھ کہتے ہیں کہ ۲۲۰ھ کے بعد معتزلہ نے اپنا سر اٹھایا، فلاسفہ نے اپنا علم بلند کیا اور پھر اس کے بعد اہل علم اور ائمہ دین کو ستایا جانے لگا، لوگ مختلف گروپوں میں بٹ گئے اور ہر کوئی کتاب وسنت پر عمل کرنے دعوی کرنے لگا، اس وقت یہ دیکھا جانے لگا کہ جو صحابہ کے منہج پر عمل کرتا ہے اسے سلفی کہا گیا، سلف اور انصار ومہاجرین جیسے سابقین اولین کی نسبت کرنے کی وجہ، اور انہیں کو اہل سنت والجماعہ کہا گیا، اسی طرح انہیں اثری اور سنی بھی کہا گیا، یہ ساری اصطلاحات پہلوں کے یہاں معروف نہیں تھے کیونکہ اس وقت لوگ ایک ہی منہج پر تھے، اور وہ صحابہ کا منہج ہے، اور سلفیت اور خلفیت کے القاب لوگوں کے مختلف گروپوں میں بٹنے کی وجہ سے پیدا ہوئے۔

اور سبب یہی ہے کہ جب لوگ بٹ گئے، اور ہر کسی نے اپنا ایک خاص منہج اپنا لیا، چنانچہ جو صحابہ کے منہج پر باقی رہا اسی سلفی کہا گیا، پھر اسکے بعد بھی جو آیا اور اسی کی موافقت کی تو اسے بھی سلفی کہا گیا، یعنی جنہوں نے منہج، عقیدے اور سلوک میں صحابہ اور تابعین کی موافقت کی تو انہیں سلفی کہا گیا، یعنی انہوں نے اپنی نسبت سلف کی طرف کی، اور سالف اور سابق دونوں ایک معنیٰ میں ہوتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

{وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ} ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

یہی لوگ سلف ہیں، اور جو ان کے بعد آئے اور انہی کی پیروی کی انکی مخالفت نہیں کی وہ سلفی کہلایا، مگر جنہوں نے مخالفت کی اسے خلفی کہا گیا، اور قرآن نے انہیں ایسا ہی کہا ہے، ارشاد باری ہے: {فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا [59] إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا} ترجمہ: پھر ان کے بعد ایسے نالائق جانشین ان کی جگہ آئے جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے تو وہ عنقریب گمراہی کو ملیں گے۔ [59] مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیا تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا۔

یہ واضح رہے کہ اگر بعد والوں نے مخالفت کی مگر خیر پر باقی رہے تو انہیں خَلَفی کہا جائے گا، اور اگر مخالفت کی مگر شر پر رہے تو انہیں خَلْفی کہا گیا۔

چنانچہ جب تک لوگوں میں اختلاف رہے گا لوگ یا تو سلفی ہوں گے یا خلفی، اور یہ سلفی قیامت تک رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالی ہوا بھیجے گا جو مومنوں کی روح کو قبض کرلے گا، انہیں کو سلفی اور صحابہ کی پہلی جماعت کی طرف نسبت کرتے ہوئے انہیں کو اہل سنت والجماعہ کہا جاتا ہے۔

اب جو دعوی کرے کہ سلفیت کی بنیاد ابن تیمیہ نے ڈالی ہے یا ان کے آراء واقوال کو کہتے ہیں

اور محمد بن عبدالوہاب نے اسی کی تجدید کی ہے تو یہ ہذیان اور بیہودہ بڑ ہے، ایسی باتوں پر کلام کرنا ہی مناسب نہیں ہے۔

مگر اس بات پر تنبیہ کرنا ضروری ہے کہ یہ خیال کرنا سلفی جماعت ہو یا دیگر کوئی جماعت اور فرقہ سب برابر ہیں، تو یہ غلط سوچ ہے، یہ تو اس متذبذب آدمی کی طرح ہے کہ جو اِنہیں بھی چاہتا ہے اور اُن سے بھی محبت کرتا ہے۔

حقیقت میں سلفیت دین اسلام ہی کا دوسرا نام ہے، اور اسلام ہی کا صحیح مفہوم سلفیت ہے، اور یہ بات میں پوری صراحت کے ساتھ کہتا ہوں کہ سلفیت ہی دین اسلام کا صحیح مفہوم ہے، اور جہاں تک دوسری جماعتوں اور گروپوں کا تعلق ہے تو وہ یا تو سیاسی تحریکات ہیں یا پھر صوفی جماعتیں ہیں جو عوام کو بیوقوف بنا رہی ہیں۔

سیاسی تحریکوں نے اپنے اوپر دین اسلام کا غلاف چڑھالیا ہے، یا دوسرے الفاظ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے دعوت دین کو سیاست بنا دیا ہے، مگر لوگوں کو یہ باور کرتے ہیں کہ وہ انہیں دین اسلام کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔

یہ سیاسی جماعتیں جو کچھ بھی کرتی ہیں وہ اسلام کے خلاف ہوتا ہے، بلکہ ان اعمال کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، آپ دیکھیں کہ ان سیاسی جماعتوں کے رہنما یورپ اور امریکہ میں عیش کرتے ہیں، اور لوگ اپنے ملکوں میں انکے نام پر ووٹ مانگتے ہیں اور خوش ہیں، یہ اسلام کی خوبصورتی کو بدنما کرتے ہیں، اس کی ساکھ کو بگاڑتے ہیں، اور لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ اسلام کا مفہوم بم دھماکہ کرنا اور تباہی مچانا ہوتا ہے، سب وشتم کرنا اور ہنسا وتشدد پھیلانا ہوتا ہے، اور اس سے اہل یورپ اور امریکہ کو زیادہ فائدہ ہوتا ہے، اسلام کے خلاف لڑائی میں وہ ان سے اچھا فائدہ اٹھاتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ جتنا یہ اپنے علمائے تبشیر سے اٹھاتے ہوں گے۔

یہ لوگ مغرب میں جا کر اسلامی شبیہ اختیار کرتے ہیں اور میڈیا میں آ کر جہاد جہاد کہہ کر بم دھماکہ کرتے ہیں تو اس پر اہل مغرب خوش ہوتے ہیں کیونکہ اس سے اسلام کی شبیہ بگڑتی ہے، اور لوگوں کے سامنے اسکی بری تصویر کشی کی جاتی ہے، جبکہ اسلام دین رحمت ہے، دعوت واصلاح کا دین ہے، وہاں پر انہیں صحیح دین کی طرف لوگوں کو بلانا چاہیئے مگر انہوں نے دین اسلام کو تکفیر وتدمیر اور تخریب کاری میں بدل دیا ہے، اور اسی سے امریکہ اور یورپ خوش ہیں اور انہیں بڑھاوا دیتے ہیں۔

میں ایک واقعہ بتاتا ہوں کہ ایک داعی نے کیسے اپنی دعوت کا آغاز کیا اور پھر وہ کیسے اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا، وہ نہ سڑکوں پر دھرنا دینے گیا اور نہ ہی جلسہ جلوس نکال کر حکام کو گالی دی، اور نہ ہی کسی کی مخالفت کی، بلکہ اس نے پہلے تعلیم حاصل کی، اس نے کسی لاء کالج سے نہیں پڑھا، بلکہ اسی مسجد نبوی سے تعلیم حاصل کی، ایسے ہی مساجد سے محمد بن عبدالوہاب نے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔

بہر حال وہ یہاں سے تعلیم مکمل کر کے اپنے ملک گیا، وہاں جا کر اس نے بھولی عوام اور نوجوانوں کو حکام کے خلاف بھڑکایا نہیں، بلکہ مختلف علاقوں میں پھر کر دعوت دین کا کام کیا، اور پھر آخر میں حریملاء کے امیر کے سامنے اپنی دعوت پیش کی، اور بڑے ہی تواضع سے کہا: میں آیا ہوں تاکہ عقیدہ اور احکام دین کی تصحیح کروں اور اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آئے، پھر آپ نے اپنی دعوت کے بارے میں تفصیل سے بتایا، چنانچہ امیر نے آپ کی دعوت کو قبول کیا لیکن جب دیکھا کہ کچھ بیوقوف لوگ انہیں مارنا چاہتے ہیں تو وہاں سے نکل کر عیینہ چلے گئے، اور یہ اللہ کی سنت رہی ہے۔ ایسا مصلحین کے ساتھ ہوتا ہے۔

یہاں پر بھی امیر شہر کے پاس جا کر ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کی، اور امیر نے قبول بھی کیا، اور شیخ نے اپنا اصلاحی کام شروع بھی کر دیا، اسی دوران بعض ان درختوں کو کاٹا جن کی لوگ پرستش کرتے تھے، اور کچھ بتوں کو بھی ڈھایا، اسی دوران ایک عورت نے زنا کیا تھا، جس نے آ کر اعتراف کیا اور حد نافذ کرنے کا مطالبہ کیا، اور اصرار کیا تو اس پر حد بھی نافذ کیا۔

یہ سب دیکھ کر اس علاقے کے امراء نے آپ کی مخالفت کی، اور امیر عیینہ سے بھی دشمنی کرنے لگے، اور شیخ کو علاقے سے نکلنے پر مجبور کرنے لگے، ان امراء میں سب سے متشدد احساء کا امیر تھا، ان سب کے مطالبے پر امیر عیینہ نے آپ کو شہر سے نکال دیا حالانکہ وہ نکالنا نہیں چاہتا تھا، مگر مجبور ہو کر نکالنا پڑا۔

مگر یہ خوش نصیبی درعیہ کے امیر کو ملنا تھی اسی لئے آپ کو وہاں سے نکالا گیا، بہرحال آپ وہاں سے درعیہ گئے، اور امیر درعیہ کے پاس اپنی دعوت پیش کی اور پوری وضاحت کی، امیر نے آپ کی دعوت قبول کی اور پورا ساتھ دینے کا وعدہ بھی کیا، چنانچہ شیخ وہیں پر ٹھہر گئے، آپ کو دیکھ کر لوگ دور دور سے درعیہ جانے لگے، تاکہ آپ سے علوم دین سیکھیں۔

آپ نے وہاں پر علمی بنیاد ڈال دی، لوگوں کو تعلیم دیتے تھے اور اللہ کی توحید کی طرف بلاتے تھے، لوگ اپنی اولاد، اپنی عورتوں اور تمام جاہلوں کو الاصول الثلاثہ یاد کرانے لگے۔

آپ نے اپنے اسی رسالے سے اپنی دعوت کا آغاز کیا، علاقے میں علم پھیل گیا، یہیں سے دعوت کا آغاز ہوا اور اسی دعوت سے جزیرہ عرب کے قلب میں یہ عظیم سلفی اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ آپ نے کبھی کسی امیر کو برا بھلا نہیں کہا، آج کے یہ تحریکی کہتے ہیں کہ سلفیوں کا عیب یہ ہیکہ یہ درباری داعی ہوتے ہیں، یعنی یہ امراء کی مخالفت نہیں کرتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ عیب نہیں خوبی ہے، عیب اسکے لئے ہے جو دین اسلام کو سمجھتا نہیں ہے۔

یہ سلفی علماء جیسا کہ میں نے اشارہ کیا امراء اور حکام کے پاس جاتے ہیں مگر دین کی دعوت پیش کرنے، اگر قبول کرلیا تو اچھی بات ورنہ وہ اپنا فریضہ ادا کر دیتے ہیں، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دعوت وتبلیغ کے سب سے پہلے مستحق یہی اصحاب اقتدار ہیں، کہ اگر اللہ نے انہیں ہدایت دیدی تو پھر ان کے ماتحتوں کو بھی قبول کرنا ہوتا ہے، کیونکہ حاکم ہی کے پاس اقتدار اعلی ہوتا ہے، مگر حکام سے دشمنی کرکے، انہیں گالی دیکر یورپ اور امریکہ میں بھاگ جانا اور ادھر ادھر لیکچر دینے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟!

آخر امریکہ اور یورپ میں تمہارے لیکچروں سے مسلمانوں اور اسلام کو کیا فائدہ ہو رہا ہے؟ سب وشتم، لعن طعن، جہاد کے نام پر تخریب کاری کی دعوت، علم سیکھنے سے لوگوں کو مایوس کرنا، کیا یہی اسلامی سیاست ہے؟!

یہ سیاست نہیں تخریب کاری ہے، سلفی سیاست کرتے ہیں مگر شرعی سیاست کرتے ہیں، وہ شرعی الفاظ کو چن چن کر مناسب جگہوں پر رکھتے ہیں، سیاست داں وہ ہے جو یہ جانتا ہو کہ کہاں پر کیسے جاتے ہیں اور پھر وہاں سے کیسے نکلتے ہیں؟ لوگوں سے خطاب کیسے کیا جاتا ہے؟ کب بولا جاتا ہے؟ کب خاموش رہا جاتا ہے؟ کب دشمنی کی جاتی ہے؟ جب دوستی کی جاتی ہے، یہ شرعی سیاست ہے۔

مگر لوگوں کو بھڑکایا جائے، سب وشتم کیا جائے، تکفیر وتبدیع اور لعن طعن کے فارمولوں پر عمل کیا جائے، تو یہ جاہلوں کی سیاست ہے جو شریعت کے سوا دوسرے کالجوں سے فارغ ہوتے ہیں، کوئی انجینئر ہوتا ہے تو کوئی ڈاکٹر ہوتا ہے، تو کوئی وکیل ہوتا ہے، کوئی تاجر ہوتا ہے، کوئی قانون داں ہوتا ہے، اسلام کی پڑھائی نہیں کی ہوتی ہے، اور ایسا شخص جس کے پاس شریعت کا کوئی علم نہ ہو آخر وہ دوسروں کو کیا دے گا؟!

شرعی سیاست شریعت کے پڑھنے سے آتی ہے، اصول دین کے سیکھنے سے آتی ہے، یہی اس لائق ہیں کہ انہیں سیاست داں کہا جائے، رسول اللہ ﷺ امت کی سیاست کرتے تھے، آپ کی سیاست حکیمانہ تھی، آپ نے صحابہ کو اسی شرعی سیاست کو سکھایا، تابعین نے صحابہ سے اسی سیاست کو سیکھا، کیا نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اسی مدینہ کے اندر مسلمانوں کے ساتھ یہود ومنافقین نہیں رہتے تھے؟ وہ کس طرح رہتے تھے اور آپ ﷺ انکے ساتھ کیسا سلوک کرتے تھے؟

آپ ان کے ساتھ دنیوی معاملات رکھتے تھے، مگر دلی اور دینی محبت نہیں رکھتے تھے، آپ ﷺ نے کبھی منافقین کو قتل نہیں کیا جبکہ جانتے تھے کہ یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں، وجہ یہ تھی کہ اسلام کی بدنامی نہ

ہو،لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو مارتا ہے، یہ شرعی حکیمانہ سیاست ہے۔وہ مسلمانوں کے درمیان رہتے تھے، وہ مسلمانوں کیلئے خطرہ تھے، کیونکہ وہ مسلمانوں کی خبریں کفار قریش اور شاہ روم تک پہونچاتے تھے، اور ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز بھی پڑھتے تھے۔

سوال یہ ہیکہ دونوں نقصان میں زیادہ خطرناک کون ہے؟ کم تر نقصان کو برداشت کرنا شرعی حکیمانہ سیاست ہے یعنی انہیں انکی روش پر چھوڑ دیا جائے نہ کہ قتل کرکے اسلام کی طرف دوسروں کے آنے کا راستہ بند کردیا جائے؟

چنانچہ جسے شرعی سیاست کرنا ہے وہ پہلے سنت اور سیرت کی کتابیں پڑھے، اور وہ ساری کتابیں پڑھے جنہیں شرعی سیاست پر لکھا گیا ہے، جیسے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی [السیاسۃ الشرعیۃ] اور ابن القیم کی [الطرق الحکمیۃ]، اور اس طرح کی دوسری کتابیں۔

مگر لمبی زبان پھینکنا کہ سلف اور ائمہ دین سیاست کے بارے میں نہیں جانتے تھے اور پھر لوگوں کو بالخصوص طلبہ کو ان سے متنفر کرنا تو یہ صحیح نہیں ہے، یہ بہت ہی سنگین اور غلط ہے، ایسی باتیں سیاسی تحریکات سے جڑے بیوقوف نوجوان ہی کہتے ہیں، اسی لئے میں کبھی نہیں کہوں گا کہ ان تحریکوں سے کوئی جڑے، بلکہ میں کہوں گا کہ اسلامی ملکوں کے اندر ایسی سیاسی تحریکوں کا تصور ہی نہیں ہے؛ کیونکہ دین اسلام یہ نہیں چاہتا کہ حاکم وقت کے مقابلے میں لوگ کھڑے ہوں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الْآخَرَ مِنْهُمَا ".

ترجمہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب دو خلیفہ سے بیعت کی جائے تو جس سے اخیر میں بیعت ہوئی ہو اس کو مار ڈالو۔“ (اس لیے کہ اس کی خلافت پہلے خلیفہ کے ہوتے ہوئے باطل ہے)۔

دین اسلام کے اندر اقتدار کی کرسی کیلئے دوڑ اور مقابلہ آرائی نہیں ہے، بہر حال ہم یہاں پر اپنی بات کو طول نہ دیتے ہوئے کہیں گے کہ سیاست پر اپنا وقت ضائع نہ کرو، تم لوگ ابھی سیاست کو نہیں جانتے ہو، ان سیاسی تحریکات اور جماعتوں کو چھوڑو، ابھی تم صرف علم حاصل کرو۔

علم ہی اصل بنیاد ہے، مصلحین کی تاریخ کا مطالعہ کرو، جیسے امام احمد، ابن تیمیہ اور بارہویں صدی کے مجدد کی تاریخ جن کے تجدیدی کارناموں کے سائے میں ہم جی رہے ہیں، یہ پڑھو کہ انہوں نے کیسے علم حاصل کیا، کیا پڑھا، اور کیسے سیکھا؟ انہوں نے اپنی دعوت کا آغاز کیسے کیا، اور انہوں نے تکلیفوں پر صبر کیسے کیا؟

انہیں نیک بزرگ مصلحین کی تاریخ کا مطالعہ کرو، اور ان سیاسی تحریکات سے دور رہو جو تخریب کاری کے سوا کچھ نہیں جانتے، ابھی آپ صرف طالب علم بن کر رہو۔ واللہ المستعان۔

❁❁❁

سوال نمبر ۳۷:

سائل کہتا ہے کہ سلفیت کی حقیقت واضح کریں؟

جواب:

اختصار میں سلفیت جادہ حق (سیدھی راہ) اور دوسری جماعتوں کو دائیں بائیں راستوں کو کہتے ہیں، چنانچہ اگر آپ ریاض کا سفر کر رہے ہیں اور اسکے لئے آپ نے سیدھے راستے ہائی وے کو پکڑ لیا ہے، اور آپ کو یقین بھی ہے کہ یہ راستہ ریاض تک جائے گا، تو آپ ضرور اپنے منزل مقصود تک پہونچیں گے، لیکن اگر کوئی راستے میں آ کر کہنے لگے کہ دائیں یا بائیں والے کسی ذیلی راستے کو پکڑ لیں، اور آپ اسکے بہکاوے میں آ کر سیدھے راستے کو چھوڑ دیں تو یقینا آپ ضائع ہو جائیں گے۔

اسی سیدھے راستے پر قائم رہو جس پر پہلے کے مسلمان قائم تھے، دائیں بائیں والے راستوں کو چھوڑ دو، ان کے قریب بھی نہ جاؤ، یہ مختلف جماعتیں اور تحریکیں انہیں راستوں پر لے جانے والی ہیں، ان سے دور رہو ورنہ یقینی طور پر بھٹک جاؤ گے، یقینا وہ لوگ بھٹک چکے جو ان راستوں پر گئے۔

یہ تحریک (اخوان المسلمین) ساٹھ سال سے کام کر رہی ہے، اور بالکل بانجھ بنی ہوئی ہے، اسکا کوئی دینی نتیجہ سامنے نہیں آ رہا ہے، (اب ۹۰/ سال ہو چکے ہیں)، ان کا خطیب سامنے آتا ہے اور جو دل میں آتا ہے بولتا ہے پھر یا تو عاجز ہو کر چلا جاتا ہے یا دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، پھر دوسرا آتا ہے، اور اسی طرح یکے بعد دیگر آتے رہتے ہیں، آخر تجربہ کیا کافی نہیں ہے!

اور جہاں تک سلفی دعوت کا تعلق ہے جس نے دنیا کو فتح کیا ہے اسکے پاس کھوکھلی چیزیں نہیں ہوتی ہیں، اور نہ ہی یہ دف اور ڈھول لیکر سڑکوں پر نکلتے ہیں، جامعہ اسلامیہ سے طلبہ فارغ ہوتے ہیں، اپنے ملکوں میں جاتے ہیں، وہاں مدرسہ کھولتے ہیں، پھر وہیں سے یا مساجد سے دعوت کا کام شروع کر دیتے ہیں، پھر وہ دعوت پورے ملک میں پھیل جاتی ہے، انہیں کسی پرچار اور پروپیگنڈے کی ضرورت

نہیں ہوتی ہے، برصغیر میں اگر آپ کا کوئی ساتھی رہتا ہو تو اسے کہو کہ وہ چین کے بارڈر پر بلتستان علاقے میں جا کر دیکھے، وہاں پر پہلے ایک مدرسہ کھولا گیا تھا، اس وقت جامعہ میں تبدیل ہو چکا ہے، وہ یہیں کے جامعہ اسلامیہ ہی کے طلبہ تھے۔

سلفی دعوت کے تعلق سے آج میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ پوری دنیا میں پھیل چکی ہے، حکومتی پیمانے کی میں بات نہیں کر رہا ہوں، بلکہ غیر حکومتی پیمانے پر آپ جا کر افریقی ممالک میں دیکھیں وہاں کے بچوں کو الاصول الثلاثہ، کشف الشبہات اور کتاب التوحید کو فاتحہ کی طرح دیا کرتے ہوئے پائیں گے، اور ہم نے خود اسکا تجربہ کیا ہے، میں نے وہاں جا کر مشاہدہ کیا ہے۔

اگر کوئی کہتا ہے کہ سلفیوں کے یہاں سیاست نہیں ہے، تو یہ کہنے والا خود سیاست کو نہیں سمجھتا، میں نے بیسیوں ممالک کا دورہ کیا ہے اور تجربے کی بات کہہ رہا ہوں ان ممالک کے اندر ہمارے طلبہ کام کر رہے ہیں، وہ سب جامعہ اسلامیہ کے فارغین ہیں، ہم نے دیکھ کر بہت خوشی محسوس کی، وہ علاقے جہاں پر سلفیوں سے وہابیت کے نام پر دشمنی کی جاتی تھی آج وہیں پر کتاب التوحید پڑھائی جاتی ہے، دوسرے ملکوں میں یہ حال ہے اور آج اسی بلاد توحید میں کچھ ایسے نادان پڑے ہیں جو سلفیت کی مخالفت کرتے ہیں، اور لوگوں کو اس دعوت سے مایوس کرتے ہیں۔

یہاں پر میں ایک قصہ بیان کروں گا جو کہ ایک افریقی ملک کا ہے جو ایک سلفی داعی اور صوفی مشائخ کے درمیان کا واقعہ ہے، اس ملک کا حاکم عیسائی ہے، اس سلفی داعی پر صوفیوں نے مقدمہ کر دیا، عیسائی حاکم نے اسے بلایا اور صوفی مشائخ سے سوال کیا: تم لوگوں کو اس سے کیا شکایت ہے؟ کہا: یہ کوئی نیا دین لیکر آیا ہے جسے ہم نہیں جانتے۔ حاکم نے پوچھا: یہ نیا دین کہاں سے لایا ہے؟ کہا: سعودی عرب سے۔ حاکم نے اس نوجوان سے پوچھا: تم نے کہاں سے پڑھائی کی ہے؟ کہا: سعودی سے۔ پوچھا: کس شہر سے؟ کہا: مدینہ سے۔ پوچھا: کیا تمہارے پاس ڈگری ہے؟ کہا: ہاں جامعہ اسلامیہ کی ڈگری ہے۔

اسکے بعد حاکم نے کہا: اس نے پوری تعلیم سعودی سے حاصل کی ہے، اور تمہارا اصلی دین وہیں سے آیا ہے، کیا تمہارا رسول مکہ میں پیدا نہیں ہوا تھا جو وہاں سے مدینہ ہجرت کر گیا تھا، اور وہ اس وقت سعودی عرب میں ہے؟ تمہارا جو دین اسلام ہے، وہ سعودی سے آیا ہے، میں یہاں بھی دین اسلام کو وہی مانوں گا جو سعودی والا ہوگا، مجھے لگتا ہے تم لوگ دین اسلام کو نہیں سمجھتے ہو۔ میں نے یورپی ممالک میں تعلیم حاصل کی ہے، اور وہاں اصلی عیسائیت کو دیکھا ہے مگر یہ بہت سے پادری ایسے رسومات پر عمل کرتے ہیں جن کا عیسائیت سے کوئی تعلق نہیں، ممکن ہے تم بھی اسی طرح کے رسومات پر عمل کرتے ہو گے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہ ہو، اور انہیں رسومات کو تم دین سمجھ رہے ہو جس طرح یہ پادری سمجھ رہے ہیں، تم لوگ اصل میں دین اسلام کو نہیں سمجھ رہے ہو، اور اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک تم سعودی عرب جا کر اسے نہ سیکھ لو، کیونکہ تمہارا دین وہیں سے آیا ہے۔

پھر سارے صوفی منہ لٹکا کر بیٹھ گئے، حاکم نے آخر میں نوجوان سے کہا: تم اپنا کام جاری رکھو تمہیں کوئی نہیں چھیڑے گا، اور صوفیوں سے کہا: تم لوگ اس نوجوان سے جا کر اسلام سیکھ لو، یا پھر اس سے دور رہو۔

جب مجھ سے یہ واقعہ بتلایا گیا اس وقت میں افریقہ ہی میں دعوتی پروگرام کیلئے گیا تھا، اس واقعہ کو سن کر مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول یاد آگیا: (وَأَنَّ اللَّهَ يُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ)
ترجمہ: اور اللہ مدد کرے گا اس دین کی برے آدمی سے۔

بہر حال اسلامی دعوت کی جیت ہوئی اور اللہ نے ایک عیسائی فاجر شخص کے ذریعے حق کی مدد کی اور صوفی مشائخ کو ہار ہوئی۔

کفار کو معلوم ہے کہ یہ دعوت حق ہے، اور نبی اکرم ﷺ نے یہ بتلا دیا ہے کہ ایمان مدینہ کے اندر منحصر ہو جائے گا، جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِنَّ الإِيمَانَ

لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِينَةِ، كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایمان سمٹ کر مدینہ میں اس طرح سے آجائے گا جیسے سانپ سمٹ کر اپنے بل میں سما جاتا ہے۔"

اور ایک دوسری روایت اس طرح ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِنَّ الدِّينَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا، وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّينُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرْوِيَّةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ، إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَيَرْجِعُ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي ".

ترجمہ: سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(ایک وقت آئے گا کہ) دین اسلام حجاز میں سمٹ کر رہ جائے گا جس طرح کہ سانپ اپنے سوراخ میں سمٹ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور یقیناً دین حجاز میں آ کر ایسے ہی محفوظ ہو جائے گا جس طرح پہاڑی بکری پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر محفوظ ہو جاتی ہے، دین اجنبی حالت میں آیا اور وہ پھر اجنبی حالت میں جائے گا، خوشخبری اور مبارک بادی ہے ایسے گمنام مصلحین کے لیے جو میرے بعد میری سنت میں لوگوں کی پیدا کردہ خرابیوں اور برائیوں کی اصلاح کرتے ہیں"۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

عَنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ الْإِيمَانَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ فَطُوبَى يَوْمَئِذٍ لِلْغُرَبَاءِ إِذَا فَسَدَ النَّاسُ وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي الْقَاسِمِ بِيَدِهِ لَيَأْرِزَنَّ الْإِيمَانُ بَيْنَ هَذَيْنِ الْمَسْجِدَيْنِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ فِي جُحْرِهَا۔

ترجمہ: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایمان کا آغاز بھی اس حال میں ہوا تھا کہ وہ اجنبی تھا، اور عنقریب یہ اسی حال پر لوٹ جائے گا جیسے اس کا آغاز ہوا تھا، اس موقع پر جب لوگوں میں فساد پھیل جائے گا غرباء کے لئے خوشخبری ہوگی، اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں ابوالقاسم کی جان ہے ایمان ان دو مسجدوں کے درمیان اس طرح سمٹ آئے گا جیسے سانپ اپنے بل میں سمٹ آتا ہے۔

آخری وقت میں خیر یہیں پر سکڑ جائے گا، اور جب ہر جگہ ظلم ہوگا اس وقت اسلام یہیں پر رہے گا، اور یہاں پر آنے کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ یہیں پر سکڑ کر رہ جائے گا بلکہ یہاں سے پوری دنیا میں پھیلے گا، جس طرح آغاز میں پھیلا تھا، اور الحمدللہ وہی اسلام کا حقیقی چہرہ اس وقت یہاں سے پوری دنیا میں پھیل رہا ہے، اس نعمت پر اللہ کا شکریہ ادا کرو، اور اپنے رب کا شکر گزار بنو تا کہ اسکا فضل تم پر ہوتا رہے، واللہ المستعان۔

❁❁❁

سوال نمبر ۳۸:

اس وقت نوجوان اچھے علماء کی پیروی نہ کرنے کی وجہ سے مختلف گروہوں اور جماعتوں میں بٹ چکے ہیں، اور آپ نے لیکچر میں مناہج کی تصحیح کے تعلق سے کہا تھا تو کیا آپ نے حکام کو نصیحت کی ہے؟

جواب:

پہلے فقرے کا جواب:

نوجوانوں کا مختلف جماعتوں اور گروپوں میں بٹنے کی وجہ معروف ہے، اور یہ ایک امر واقعی ہے، انہیں سیاسی طور پر بھڑکایا جاتا ہے، اور کچھ ایسے منحرف لوگ ہیں جو انہیں بانٹتے ہیں، ایسی جماعتیں نئی ہیں، اس ملک میں کبھی اس طرح کے گروپ نہیں پائے گئے، بلکہ یہاں صرف مسلمانوں کی ایک جماعت ہوا کرتی تھی، سعودی سماج ایک ہی جماعت پر چلتا چلا آیا ہے، اور وہ مسلمانوں کی جماعت ہے، اسکے سوا یہاں کوئی دوسری جماعت نہیں پائی گئی۔

ایسی جماعتوں کا وجود اور ہر جماعت کا اپنا پرچار کرنا اور اپنے منہج کو پھیلانا ہی سب سے بڑا سبب ہے نوجوانوں کو بکھرنے اور بٹنے کا، انہیں جماعتوں نے نوجوانوں کو مختلف افکار و مناہج کی طرف پھیرا ہے، صحوہ کے نام پر نئی بیداری کے دلدادہ نوجوان بھی ایسی ہی جماعتوں کی دین ہیں۔

ان ایام میں جماعتوں کی طرف نسبت کرنے پر گفتگو کثرت سے ہو رہی ہے اور لوگ طرح طرح کے اشکالات پیش کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے نوجوانوں کے اندر ایک طرح کی بے چینی پائی جاتی ہے، اسلئے اس طرح کا سوال پیدا ہونا اور کرنا وقت کی ضرورت ہے۔

اسلئے معلوم ہونا چاہئے کہ ان نسبتوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ دین اور اس ملک دونوں میں یہ نئی چیز ہے، بلکہ آغاز اسلام ہی سے اصل یہی ہے کہ اسلام کے اندر مسلمانوں کی صرف ایک ہی جماعت ہو نہ کہ متعدد جماعت۔

سلف صالح کے وقت صرف ایک ہی جماعت پائی جاتی تھی، اور وہ وہی برحق جماعت تھی جسے رسول اللہ ﷺ نے چھوڑا تھا، اور اپنی زندگی کے آخر میں فرمایا تھا: (میں نے تم کو ایک ایسے صاف اور روشن راستہ پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، اس راستہ سے میرے بعد صرف ہلاک ہونے والا ہی انحراف کرے گا) جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں وارد ہوا ہے:

عَنِ الْعِرْبَاضَ بْنَ سَارِيَةَ ، يَقُولُ: وَعَظَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَوْعِظَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ هَذِهِ لَمَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا؟ قَالَ:" قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ، مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَعَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ، حَيْثُمَا قِيدَ انْقَادَ".

ترجمہ: سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی نصیحت فرمائی جس سے ہماری آنکھیں ڈبڈبا گئیں، اور دل لرز گئے، ہم نے کہا: اللہ کے رسول! یہ تو رخصت ہونے والے کی نصیحت معلوم ہوتی ہے، تو آپ ہمیں کیا نصیحت کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے تم کو ایک ایسے صاف اور روشن راستہ پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، اس راستہ سے میرے بعد صرف ہلاک ہونے والا ہی انحراف کرے گا، تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سارے اختلافات دیکھے گا، لہٰذا میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت سے جو کچھ تمہیں معلوم ہے اس کی پابندی کرنا، اس کو اپنے دانتوں سے مضبوطی سے تھامے رکھنا، اور امیر کی اطاعت کرنا، چاہے وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ مومن نکیل لگے ہوئے اونٹ کی طرح ہے، جدھر

اسے لے جایا جائے ادھر ہی چل پڑتا ہے"۔

یہ واضح منہج اور سیدھی راہ طلبہ پر پوشیدہ نہیں ہے اور نہ ہی اسکا معاملہ انکے یہاں ملتبس اور مشکوک ہے، اس منہج سے ناواقف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے دین اسلام اور سلف کے تاریخ کو نہیں پڑھا ہے، بلکہ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہی نہیں ہیں جسے لیکر رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں، اور اس دین کا انہوں نے صحیح تصور اپنے ذہن و دماغ میں کبھی بٹھایا ہی نہیں جسے لیکر رسول اللہ ﷺ آئے تھے اور اپنے بعد اپنے صحابہ کو سونپ کر گئے جنہوں نے اپنے بعد تابعین کو منتقل کیا، اور انہوں نے اپنے بعد تبع تابعین کو یہاں تک کہ وہ حقیقی دین ہم تک پہونچا ہے۔

چنانچہ نفس پرستی اور خواہشات نفس سے دور ہو کر جس نے اس دین کا صحیح تصور اپنے ذہن میں کیا ہوگا وہ ان نسبتوں کے تعلق سے کبھی شک نہیں کرے گا کہ یہ ساری نسبتیں نئی اور بدعت ہیں، شک وہی کرے گا جس کے پاس علم کی یا تو کمی ہوگی یا پھر اس پر خواہشات نفس کا غلبہ ہوگا اور اس پر خارجی اثرات کا دباؤ ہوگا، جسکی وجہ سے اسکی فطرت اور عقل تبدیل ہو چکی ہوگی، ایسے ہی صورت حال میں جماعتیں بنتی ہیں، اور لوگ دھیرے دھیرے مسلمانوں کی اس جماعت سے دور ہوتے ہیں جسے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے بعد چھوڑا تھا۔

صحابہ کرام میں سے بعض نے اس وقت کو پایا اور ان فتنوں کے دور سے گزرے ہیں جب صحابہ کے آخری دور میں جماعتیں بننا شروع ہوئی تھیں بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں کچھ فرقے وجود میں آچکے تھے، چنانچہ اس قت خوارج اور قدریہ پیدا ہو چکے تھے، گرچہ اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں سب سے پہلے کس کا وجود ہے، مگر جو تاریخ پر ایک طائرانہ نظر دوڑائے گا اسے یہ پتہ چل جائے گا کہ سب سے پہلے خوارج پیدا ہوئے ہیں کیونکہ ابن عباس ﷺ کے ہاتھوں بہت سے خوارج نے توبہ کر لی تھی، اور جب قدریہ کا خروج ہوا تو آپ کی بینائی چلی گئی تھی، اس کا مطلب ہوا کہ خوارج کی

پیدائش پہلے ہے۔

خوارج کے ویسے ہی شبہات تھے جس طرح آج کل کے شدت پسندوں کے پاس شبہات ہیں، لگتا ہے یہ انہیں خوارج کے شبہات کے وارث ہیں، چنانچہ جب علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف پیدا ہوا اور علی کے خلاف خوارج نے خروج کیا یہ دعوی کر کے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں، اللہ کے دین میں لوگوں کو فیصل بنالیا ہے، اور اپنا نام امیر المومنین سے خارج کر دیا ہے، اور ایسے لوگوں سے لڑائی کی جن کا نہ تو مال غنیمت لوٹا اور نہ ہی انہیں قیدی بنایا، انکے یہ تین شبہات تھے جن کی وجہ سے انہوں نے خروج کیا، بغداد سے باہر ایک ایسی جگہ نکل کر گئے جسے حروراء کہا جاتا ہے۔

سیدنا علی نے ان کے تعلق سے سیدنا ابن عباس سے مشورہ لیا تا کہ وہ ان کے پاس جائیں اور انہیں نصیحت کریں، ممکن ہے سیدھی راہ کی طرف واپس آجائیں، مگر علی نے کہا کہ مجھے آپ پر خوف ہے، تو ابن عباس نے کہا، کوئی خوف کرنے کی ضرورت نہیں، چنانچہ ایک خوبصورت جوڑا زیب تن کر کے نکل گئے، اور آپ بہت ہی خوبصورت تھے، آپ کی آواز بھی بہت بارعب اور تیز تھی، جب آپ ان کے پاس پہونچے تو انہوں نے سب سے پہلا اعتراض آپ کے جوڑے ہی پر کیا، اور پوچھا: ابن عباس! آپ یہاں کس لئے آئے ہیں؟ اور یہ جوڑا کیسا ہے؟

آپ نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ جو جوڑا پہنتے تھے وہ ہمارے اس جوڑے سے کہیں زیادہ خوبصورت ہوا کرتا تھا، اسی جوڑے میں آپ ﷺ وفود کا استقبال کرتے تھے، اس طرح آپ نے انہیں خاموش کر دیا، بعض تو بات ہی نہیں کرنا چاہتے تھے اور کہا کہ آپ قرشی ہیں، یہ باتوں میں بہت جھگڑالو ہوتے ہیں، مگر بالآخر اسے بھی گفتگو میں شریک ہونا پڑا، بہر حال آپ نے ان کے تینوں شبہات کو رد کیا اور انہیں قانع کر دیا، جس کی وجہ سے چھ ہزار لوگوں میں سے دو ہزار لوگوں نے توبہ کر لیا اور باقی نے سیدنا علی سے قتال کیا۔

اس طرح یہ پہلی جماعت تھی جس نے مسلمانوں کی جماعت سے خروج کیا تھا اور حاکم وقت کے خلاف بغاوت کی تھی، اور رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ صحابی جلیل سیدنا علی کی تکفیر کی تھی، جس کی وجہ سے آپ نے ان سے لڑائی کی، اس لڑائی میں شیعوں نے آپ کا ساتھ دیا تھا، یہ بھی آپ کیلئے ایک آزمائش تھی۔

انہوں نے ساتھ ہی نہیں دیا بلکہ محبت میں آپ کو معبود تک بنالیا، اور کہا کہ آپ ہی ہمارے معبود ہیں، جس کی بنیاد پر سیدنا علی انہیں آگ سے جلانے پر مجبور ہوئے؛ کیونکہ انہوں نے ایسا نظریہ اور عقیدہ بنالیا تھا جو خوارج نے بھی نہیں بنایا تھا بایں طور کہ انہوں نے سیدنا علی کو اپنا معبود بنالیا۔

اسی وقت آپ نے کہا تھا:

لما رأيت الأمر أمراً منكرا أوقدت ناري ودعوت قنبراً

ترجمہ: جب میں نے معاملے سنگین دیکھا تو آگ جلا کر قنبر کو بلایا۔

آپ نے اپنے خادم قنبر کو بلا کر ایک خندق کھدوائی، اس میں آگ بھڑکایا اور روافض کے سرغنہ لوگوں کو اسی میں ڈال دیا، جو کہ یہود ونصاری کے بعد سب سے بری مخلوق ہیں، بلکہ ان کے اور یہود ونصاری کے درمیان بہت سی مشابہات ہیں، جو ان دونوں کی تاریخ پر نظر ڈالے گا اور مقارنہ کرے گا وہ دونوں کے درمیان بہت سی یکسانیت پائے گا۔

اس کے بعد قدریہ کا خروج ہوا جن کا یہ گمان ہے کہ فرشتوں، جنوں اور انسانوں میں سے ہر ایک اپنے اختیاری افعال کا خالق ہے، اللہ انسانوں کے افعال کی تخلیق پر قادر نہیں ہے، بلکہ بندے خود اپنے افعال کے خالق ہیں، جو صحابہ اس وقت پائے گئے انہوں نے اسے بھی منکر سمجھا۔

یہ تین بڑے فرقے ہیں جو صحابہ کے آخری دور میں ظاہر ہو چکے تھے، پھر تابعین کے دور میں جہمیہ، معتزلہ، اور آخر میں اشعریہ اور ماتریدیہ بھی ظاہر ہو گئے، ان فرقوں کے تعلق سے علمائے اسلام نے کتابیں تالیف کی ہیں جن کے اندر ان کے مذاہب اور فرقوں کو بیان کیا ہے، کیونکہ ان فرقوں میں سے ہر فرقہ کئی

فرقوں میں بٹ چکا ہے، اور پھر فرقوں کی کثرت ہوگئی اور پھر ایک دوسرے نے آپس میں تکفیر کی، گمراہ قرار دیا، اور وہ منہج بھول گئے جسے نبی اکرم ﷺ نے چھوڑا تھا، اور جس پر صحابہ کرام قائم تھے، علامہ مقریزی نے الخطط میں کہا ہے:

قریب تھا کہ امام احمد کی آزمائش کے بعد منہج سلف کو بھلا دیا جاتا اور لوگ اس سے ناواقف ہوجاتے وہ آزمائش جو عباسیوں کے دور میں درپیش ہوا تھا، مامون کے دور سے لیکر معتصم اور واثق کے دور تک، یہاں تک ساتویں صدی ہجری میں دمشق کے اندر احمد بن تیمیہ ظاہر ہوئے اور حق کی آواز بلند کی، لوگوں کو سلف کے منہج کی طرف بلایا، اسی لئے اللہ کے فضل کے بعد ابن تیمیہ کا بہت بڑا احسان ہے اس عقیدہ کی حفاظت میں جس پر آج ہم قائم ہیں، چنانچہ آپ کے بعد جو بھی کتاب اور جو بھی سلفی عالم آیا ہے اس پر آپ کا اثر اور گہری چھاپ ضرور رہی ہے۔

اللہ کی توفیق سے جب آپ کو پتہ چلا کہ اس وقت علم کلام، منطق اور فلسفہ کا بہت زور ہے تو آپ نے انکا دراسہ کیا اور اس وقت کے جدید علوم وفنون سے مسلح ہو گئے، پھر اس کے بعد ہر فرقے سے آپ نے اسی کی زبان اور اسی کے علم وفن میں مناظرہ اور مقابلہ کیا، اور سب کو خاموش کر دیا۔

آپ نے ان تمام فرقوں اور نظریات کے خلاف جن کتابوں کو تحریر فرمایا وہ سب آج ہمارے پاس موجود ہیں، جس کی وجہ سے بہت سارے لوگ سیدھی راہ پر آگئے، اور یہ اللہ کی سنت رہی ہے کہ حق لوگوں کے درمیان صرف دو میں سے کسی ایک ہی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے: وہ داعی جو برحق منہج پر قائم ہو اور جس کی طرف لوگوں کو بلا رہا ہے اسے اچھی طرح سمجھتا ہو، اور یہ چیز امام احمد کے ساتھ پیش آیا ہے۔

دوسرے احمد بن تیمیہ ہیں، آپ دوسرے شخص ہیں جن کے ہاتھ پر حق کا ظہور ہوا، اور لوگوں کے درمیان سچا منہج پھیلا، مگر آپ کی تائید کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ حالانکہ دونوں کا ہونا ضروری ہے، ایک حق کو سمجھنے والا داعی جو حق کی طرف کھل کر دعوت دیتا ہو، اور دوسرا تائید کرنے والا جو کھل کر اس دعوت کی

مدد کرتا ہو اور اسکا دفاع کرتا ہو، یہاں تک کہ وہ دعوت ظاہر ہو جائے اور بندوں میں وہ قائم ہو جائے، ایسا شخص نہ تو امام احمد کو مل سکا اور نہ ہی ابن تیمیہ کو؛ اسی لئے جن لوگوں نے آپ دونوں کی دعوت اور تجدیدی کارناموں سے استفادہ کیا وہ بہت زیادہ نہیں تھے، یہاں تک ابن تیمیہ کی کتابیں دوسرے ملکوں میں منتقل ہوگئیں، اور جزیرہ عرب میں جاہلیت چھاگئی، جوکہ کبھی نور سے منور تھا، اب شرک اور بت پرستی پائی جانے لگی، جنوں کی پرستش ہونے لگی، بلکہ لوگ کھجور کے درختوں اور قبروں تک کی پرستش کرنے لگے۔

یہاں حالت تقریباً ہر جگہ عام ہوگئی یہاں تک کہ اللہ تعالی نے جزیرہ عرب کے قلب سے ایک نوجوان کو نکالا، جس کا نام محمد بن عبدالوہاب ہے، جو بلاد نجد سے نکلا، دینی علوم سیکھ کر ابن تیمیہ اور ابن القیم کی کتابوں کا دراسہ اور مطالعہ کیا، ساتھ ہی اپنے والد سے بہت کچھ سیکھا جوکہ اپنے علاقے کے قاضی اور عالم تھے، ساتھ ہی شیخین کی کتابوں سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔

بلاد نجد میں جو شرک و بدعات اور بت پرستی عام تھی اسے دیکھ دیکھ کر آپ پریشان رہتے تھے، مگر اپنے دل میں اسے چھپا کر رکھتے تھے، اسلئے کہ اس وقت آپ کچھ نہیں کرسکتے تھے، آپ حج کرنے نکلے، وہاں سے مدینہ آئے، جہاں ایک مدت تک ٹھہرے رہے، وہاں پر حدیث کی تعلیم حاصل کی، وہاں پر بعض سلفی علماء سے آپ کا سابقہ پڑا، جیسے عبداللہ بن سیف المجمعی، شیخ محمد حیات سندی، اور دیگر علمائے حدیث میں بعض سلفی علماء، جنہوں نے آپ کو اپنے قریب کیا، آپ کو سکھایا۔

وہاں پر قبر شریف کے ارد گرد جو کچھ ہو رہا تھا اسے دیکھ کر آپ کو اچھا نہیں لگتا تھا، پوچھتے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ تو آپ سے کہا جاتا کہ ابھی تھوڑا صبر کرو۔

وہاں آپ نے صحیحین، مسند احمد اور مسند شافعی کا درس لیا اور ان سب میں سند اجازت بھی حاصل کرلی، پھر وہاں سے آپ نجد آگئے، وہاں پر کوئی تبدیلی نہیں دیکھی، چنانچہ وہاں سے سیدھا آپ بصرہ چلے گئے، وہاں پر آپ نے شیخ مجموعی سے عربی زبان وادب کو سیکھا، جو آپ کی دعوت سے متاثر ہوئے، ایک استاذ

جو شاگرد کی دعوت سے متاثر ہوتا ہے، چنانچہ وہ بھی آپ کی طرف داعی بن گئے جو وہاں پر لوگوں کو اور اپنے طلبہ کو خفیہ طور پر دعوت دیتے تھے، یہاں تک لوگوں میں مشہور ہو گئے تو آپ کو بصرہ سے نکال دیا گیا، اور آپ سیدھا وہاں علم حاصل کرنے کے بعد اپنے علاقے میں چلے آئے۔

آپ کی دعوت پر نظر ڈالنے والا دیکھے گا کہ آپ نے سب سے پہلے امام احمد کی کتابوں سے استفادہ کیا، اسکے بعد ابن تیمیہ کی کتابوں سے، یہ کتابیں اس وقت پائی تو جاتی تھیں مگر مطبوع نہیں تھیں، انہیں بہت بعد میں چل کر شائع کیا گیا، اور جب مدارس اور جامعات کھولے گئے تو انہیں کتابوں کو کثرت سے شائع کر کے نصاب تعلیم میں داخل کیا گیا، یہی وہ کتابیں ہیں جو لوگوں کو منہج سلف کی طرف دعوت دیتی ہیں، ہم نے دیکھا ہے کہ پوری دنیا سے ہمارے پاس طلبہ پڑھنے آتے ہیں اور سلفی منہج کو سیکھ کر اپنے ملکوں میں واپس جاتے ہیں، اور اس طرح یہ منہج پوری دنیا میں پھیل رہا ہے۔

یہ دعوت جسے مٹانے اور روکنے کیلئے لوگ بڑی کوشش کر رہے ہیں مگر اب انکے ہاتھ میں یہ نہیں ہے، اب یہ دعوت پوری دنیا میں پھیل چکی ہے، میں نے خود مغربی افریقہ کا سفر کیا ہے وہاں پر پندرہ ملکوں کا دورہ کیا ہے، وہاں کے غیر سرکاری مدارس میں دیکھا کہ بچوں کو وہی منہج پڑھایا جا رہا ہے جو ہمارے مدارس میں پڑھایا جاتا ہے، اور وہاں کے بچے اور نوجوان سب کتاب التوحید، الاصول الثلاثہ، الاربعین النوویہ، کشف الشبہات اور عمدۃ الاحکام یاد کرتے ہیں، یہ چھوٹے بچے ان کتابوں کو یاد کر کے عقیدہ اور عمل ہر اعتبار سے اسلام کی صحیح نمائندگی کر رہے ہیں، وہ گرچہ غیر مسلم ملکوں میں ہیں مگر اسلام کو انہیں مدارس سے جانا جا رہا ہے، بلکہ ان ملکوں میں ان مدارس اور وہاں کے مدرسین کا حکام کے پاس ایک وزن ہے، وہ یہ مانتے ہیں کہ جب ایک وہابی گواہی دیدے تو اسکی گواہی رد نہیں کی جا سکتی، حالانکہ وہ اپنے لئے اس لقب کو اچھا نہیں سمجھتے، مگر حکومتی سطح پر اس لقب کو ٹھیک مانا جاتا ہے بالخصوص وہاں کی عدالتوں میں کہ وہاں انہیں کو سب سے زیادہ قابل اعتماد مانا جاتا ہے، بلکہ بیع وشراء اور ہر معاملے میں

ان کی گواہی رد نہیں کی جاتی۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ آخری تجدید نے پہلے اور دوسرے تجدید سے بھرپور استفادہ کیا ہے، چنانچہ پڑھائی کے اندر ہمارے طلبہ سلف صالح سے جڑے ہوئے ہیں، سلفی عقیدہ کی پڑھائی کرتے ہیں جو کہ کتاب وسنت سے ماخوذ ہے۔

یہ حالت باقی رہی، کسی تشویش کی بات نہیں تھی، یہ تقریبا بیس سال تک رہا، مگر جب نام نہاد آزادی کا دور آیا اور ہر طرف سے مدرسین، انجینئرز اور اطباء آنے لگے، اور لوگ ایک دوسرے سے ملنے لگے، تو ہمارے نوجوانوں کے اندر بھی اسکا کافی اثر ہوا، گروپوں اور جماعتوں نیز شخصیات کی طرف اپنی نسبت کرنے لگے، جس سے وہ نوجوان کافی متاثر ہوئے جن کی تربیت خیر وبھلائی اور صحیح منہج پر ہوئی تھی اور وہ ان برائیوں سے دور تھے، ایسے وقت میں ہمارے نوجوانوں پر سیدنا امیر المومنین کا یہ قول صادق آتا ہے: (إنما تُنقَضُ عُرى الإسلام عروة عروة إذا نشأ في الإسلام من لم يعرف الجاهلية) ترجمہ: اسلام ایک ایک کڑی کرکے ٹوٹتا چلا جائے گا جب ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو جاہلیت کی خبر نہیں رکھیں گے۔

سیدنا عمر نے سچ کہا؛ کیونکہ آپ ملہم تھے، ہمارے نوجوانوں کی تربیت توحید اور عقیدہ پر ہوئی تھی، وہ خیر کے سوا شر سے واقف ہی نہیں تھے، چنانچہ وہ صوفیت، اشعریت، ماتریدیت، اخوانیت اور سروریت کو نہیں جانتے تھے، وہ خالی الذہن تھے، مگر ان لوگوں نے آکر اپنے ان ناموں اور نسبتوں سے ان کے دین وایمان پر کافی اثر ڈالا، ہمارے نوجوانوں کو بھٹکانے کی خوب کوششیں کی گئیں جس سے بہت سے نوجوان تشویش میں مبتلا ہو گئے انہیں اب پتہ نہیں چل رہا کہ حق کہاں ہے، جبکہ ان نوجوانوں پر واجب تھا کہ وہ کبار علماء کی طرف رجوع کرتے، ان سے سیکھتے اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھتے، اور ہر نئی چیز کے بارے میں سے سوال کرتے، کیونکہ ان جماعتوں کی پہلی کوشش ہے کہ وہ نوجوانوں کو علماء سے

کاٹ دیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ آج کے علماء کو حالات حاضرہ کا علم نہیں ہے، یہ علمائے جامد ہیں، بلکہ کچھ تو مبالغہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ صرف حیض ونفاس کے عالم ہیں اسکے سوا انہیں کچھ نہیں آتا۔

یہ معلوم رہے کہ علماء پر طعن و تشنیع کرنا اسلام پر طعن و تشنیع ہے، یہ گروہ جو علماء کو برا بھلا کہتا ہے اسکی عادتیں اب ہمارے طلبہ کے اندر بھی آنے لگی ہیں۔

اورعورتوں کے فتنے کے پیچھے گرچہ بددین ملحدوں، کفار اور اسلام کی طرف نسبت کرنے والے منحرفین کا ہاتھ ہے، مگر میں ان گروہوں کو بھی بری نہیں کرسکتا کہ جن کا خفیہ ہاتھ اسکے پیچھے کام کررہا ہے، کیونکہ یہ لوگ نمائش چاہتے ہیں، انکی خواہش ہوتی ہے کہ کسی بھی طرح ٹی وی اسکرین پر آجائیں، اور ان میں بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا سوائے نام کے، بلکہ میں پوری صراحت سے کہتا ہوں کہ یہ دین اسلام کو صرف ایک وسیلے کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اور وہ بھی کرسی اقتدار کیلئے، یہ اقتدار کے بھوکے ہوتے ہیں، یہ مسلمانوں کو دین کے نام پر بیوقوف بناتے ہیں، اسلام کا نام لیتے ہیں، مگر اقتدار انکا مقصد ہوتا ہے، کیا ایک مسلمان کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ اقتدار اور منصب کیلئے اسلام کو استعمال کرے؟ انہوں نے نوجوانوں کو بیوقوف بنایا، انہیں تلبیس ابلیس میں ڈالا اور کہا کہ ہم اسلامی حکومت قائم کریں گے، یہ حکومتیں اب کسی کام کی نہیں ہیں۔

ان لوگوں کے نزدیک صحیح عقیدے پر قائم یہ حکومت جو کہ شریعت کو نافذ کرتی ہے اسکے درمیان اور دیگر دوسری حکومتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، ان کا مسئلہ یہ ہے کہ اسلام کو جب تک ان کے طریقے پر نہیں مانو گے اس وقت تک یہ قبول نہیں کریں گے، بلکہ ان کا گمان یہ ہیکہ یہ اسلام کو جدید مفہوم کے مطابق لانا چاہتے ہیں، اور بعض نصوص ایسے ہیں جنہیں زمانے کے اعتبار سے سمجھنا چاہیئے، پہلے مفہوم پر نہیں سمجھنا چاہیئے، یہاں تک کہ انہوں نے بعض احکام کو بدلنے کا بھی مشورہ دیا ہے، جیسے کہ مذکر اور مونث کے درمیان دیت میں فرق کرنے کا مسئلہ، کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کرنے کا مسئلہ، اس طرح کے

احکام کے تعلق سے ان کا کہنا ہے کہ ان کے اندر تبدیلی لانی چاہئے، اور اسلام کو زمانے کے اعتبار سے جدید مفہوم میں پیش کرنا چاہئے، کیا ایسے لوگوں کو حق کا داعی کہیں گے، کیا یہ لوگ اسلام کے داعی ہیں یا تخریب کاری کے داعی ہیں۔

پہلے تو انہوں نے نوجوانوں کو علماء سے بدظن کیا، چنانچہ یہ کبار علماء اس طرح سمجھنے لگے جیسے انہیں حالات حاضرہ سے کچھ آگاہی ہی نہ ہو!! اور یہ ان باتوں سے سیاست کو مراد لیتے ہیں، گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آج کے علماء کو سیاست کا کچھ بھی پتہ نہیں ہے۔

دوسرے ان لوگوں نے عوام اور حکام کے درمیان ولاء اور محبت کو کمزور کیا، ان کا مقصد ہے کہ دونوں کے درمیان دوری بنی رہے اور حالات کشیدہ رہیں، اور انکے ایسے ہی گھناؤنے مقاصد کی وجہ سے حالیہ فتنوں کے پیچھے ان کا ہاتھ بتایا جاتا ہے، اور یہ کہ ملک کے خلاف ہر سازش اور دسیسہ کاری میں ملے ہوتے ہیں، انہیں پس پردہ حرکت دی جاتی ہے پھر یہ سڑکوں پر آ کر اسلام اسلام چلانا شروع کرتے ہیں، چنانچہ جسے حقیقت کا علم نہیں ہوتا تو انہیں دیکھ کر ماشاء اللہ کہنے لگتا ہے، انہیں غیرت مند سمجھنے لگتا ہے، وہ کہتا ہے کہ علماء خاموش ہیں اور یہ لوگ بول رہے ہیں، کہاں ہیں علماء اور وہ کیا چاہتے ہیں، جبکہ ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ان کے باہر کے جو اجنبی دوست ہیں وہ دیکھ لیں کہ کام شروع ہو چکا ہے۔

یہ خود اسلام پسند کہتے ہیں، تاکہ پارلیمنٹ کے اندر مسلمانوں کا ووٹ انہیں مل جائے، اور پھر پارلیمنٹ میں جا کر انہیں قومیت پسند اور بعثی بددینوں کے ساتھ ہو جاتے ہیں جن کی وہ کبھی تکفیر کرتے تھے، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مطلوبہ ووٹ انہیں حاصل نہیں ہوسکا ہے تو انہیں بعثی بددینوں اور قومیت پسندوں کے ساتھ ہو گئے، اور انہیں لوگوں نے ان کو اسلام پسند، اسلامی جماعت کا نام دیا ہے اور انہوں نے اسے قبول بھی کیا ہے تاکہ اسی اسلام کے نام پر وہ کرسی اقتدار تک پہونچ سکیں، کیا آپ اسے بعید سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیں تشویش میں ڈالنے اور نوجوانوں کو بغاوت پر ابھارنے کیلئے ملحدوں کا ساتھ

دے سکتے ہیں!! بالکل نہیں، ہمیں انکی کان پھاڑنے والی تقریروں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، ان کی وہ تقریریں جنہیں نوجوان سن کر کہتے ہیں : ماشاء اللہ، کیا تقریر ہے، آخر علماء کہاں ہیں؟ سبحان اللہ! علماء خاموش نہیں ہیں، انہیں معلوم ہے کہ کب اور کیا بولنا چاہئے، کیسے اور کس کے ساتھ بولنا چاہئے، اور کن ماحول میں بولنا چاہئے، اور کس اسلوب میں بولنا چاہئے انہیں یہ سب اچھی طرح معلوم ہے۔

حالانکہ علماء اس طرح ہلکا نہیں ہوتے کہ طیش میں آ کر منبروں پر چڑھ جائیں اور گالی گلوچ بکنا شروع کردیں اور نوجوانوں کو بھڑکانا شروع کردیں، یہ علماء کا اسلوب نہیں ہے، علماء ہوش وحواس کے ساتھ بات کرتے ہیں، اور اس طرح کی باتیں خاص مجلسوں میں کرتے ہیں، انہیں کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ نصیحت کب کی جاتی ہے، اور کس اسلوب میں کی جاتی ہے۔

اسلئے ہمارے نوجوانوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ علماء کبھی بھی خاموش نہیں رہے ہیں، بلکہ انہوں نے ہمیشہ کام کیا ہے، ان لوگوں کی طرف صرف گلا پھاڑ پھاڑ کر بے سود بکواس نہیں کیا ہے، جس سے صرف نفرت اور انارکی پھیلے، اسکو عمل نہیں کہتے ہیں، عمل کچھ اور ہے۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ ہمارے نوجوانوں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے اور وہ ان اسالیب سے دھوکہ نہ کھائیں، اپنے علماء کے مقام ومرتبے کی قدر کریں، اگر اللہ کا فضل اور پھر یہاں کے علماء کی گرانقدر کوششیں نہ ہوتیں تو اس ملک میں بھی بہت پہلے ہی فتنوں، اخلاق مخربہ اور عقائد فاسدہ نے جگہ بنالیا ہوتا، مگر یہاں کے علماء اور حکام کے درمیان ایک تعاون اور ربط کی یہ برکت ہے کہ بغیر کسی شور شرابے کے حکمت کے ساتھ کام چل رہا ہے اور اسی اسلوب میں آج بھی علماء اور حکام کو مل کر کام کرنے کی ضرورت ہے، اور امید ہے کہ اللہ انہیں توفیق دے گا، تاکہ اس فتنے سے بھی نپٹ کر نکل جائیں وہ فتنہ جس کے اندر دشمن ہمیں شکست دینا چاہتا ہے، مجھے امید ہے کہ اس بار بھی دشمن اپنی تمام سازشوں اور دسیسہ کاریوں میں ناکام ہوگا۔

اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ حادثے کے بعد ہی جمعہ کے خطبے میں اکثر خطباء نے اس پر سختی سے نکیر کیا اور مجھے ایک نوجوان کے خطبے پر خاص کر خوشی ہوئی، مگر میں نہیں جان سکا کہ ریاض میں کس مسجد کے اندر یہ خطبہ ہوا تھا، مگر بہت ہی سنجیدہ اور موثر تھا، جس کے آخر میں نوجوانوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ مجھے امید ہے کہ تمہیں جذباتی غیرت ایسے اسالیب استعمال کرنے پر مجبور نہیں کرے گی جس کا انجام کبھی ٹھیک نہیں ہوتا، اور یہ کہ تم اپنے علماء کو لازم پکڑو گے اور ان سے بھرپور استفادہ کرو گے۔

اس نوجوان نے دس نقاط میں نصیحت کی ہے، اور وہ کیسٹ میرے پاس موجود ہے، مگر اس کیسٹ پر کوئی عنوان نہیں لکھا ہے، اور نہ ہی اس خطیب کا نام جان سکا، ویسے وہ آواز سے ایک نوجوان لگتا ہے، اور ریاض کی کسی مسجد کا وہ خطبہ ہے، اگر مجھے حقیقت معلوم ہو جاتا تو میں اس نوجوان کی زیارت کرتا۔

ان شاء اللہ میں اس نوجوان کی تلاش جاری رکھوں گا، اور میں اپنے نوجوان طلبہ سے بھی یہی امید کرتا ہوں کہ اسی کے نقش قدم پر چلیں گے، اور بھڑکاؤ اسالیب سے دھوکہ نہیں کھائیں گے، جن کا واحد مقصد یہ ہوتا ہے کہ نوجوان علماء سے کٹ جائیں اور ان سے بدظن ہو جائیں۔

اس نوجوان نے اپنے خطبے میں نوجوانوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ علم کو کتابوں سے حاصل نہ کرو، اور میں یہ بات بار بار کہتا ہوں کہ علم کو علماء سے حاصل کرو، اور ایسے علماء کے پاس جاؤ جو اثری اور سنی ہو کسی مذہب اور فکر کا متعصب نہ ہو۔

شاہد یہ ہیکہ اس وقت ہم پر آشوب اور پرفتن دور سے گزر رہے ہیں، نوجوانوں کو کافی حد تک علماء سے بدظن کر دیا گیا ہے، اسلئے نوجوانوں پر واجب ہے کہ وہ سنجیدہ بنیں کوئی کام عجلت سے نہ کریں، اور سب لوگ مقبولیت کے اوقات میں بالخصوص اپنے سجدوں میں اللہ سے خالص دعائیں کریں کہ اللہ تعالی اس فتنے کو ختم کر دے، اور ہم سب کو اس فتنے کر شر و فساد سے محفوظ رکھے، اور ہماری وحدت اور اسلام کی نعمت کی حفاظت کرے۔

یہ قوم اور یہ سماج آج تک اسلامی وحدت کے ساتھ زندگی گزارتا آیا ہے، اسے اسلام کی سادگی کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے، احزاب و جماعت کے بارے میں یہ نہیں جانتے، نسبتوں کی حقیقت کا انہیں کوئی علم نہیں، اور یہی بہتر ہے، اور اس وقت یہ حزبیت اور نسبتیں جو ہمارے نوجوانوں میں در آئی ہیں اس میں کوئی خیر نہیں ہے سوائے شر کے، ہمارے نوجوانوں کو اس کا علم ہونا چاہئے، گرچہ وہ اس میں متفاوت ہوتے ہیں۔

اور میں نے گزشتہ دروس میں اس جانب یہ اشارہ کیا ہے کہ ان جماعتوں اور احزاب میں سے ہر کوئی اپنی جماعت اور گروہ میں اسلام کے مفہوم کو منحصر کرنا چاہتا ہے، اور کہتا ہے کہ اسلام وہی ہے جس پر اخوان المسلمین کی جماعت ہے، چنانچہ اس جماعت کے ایک رہنما نے کہا کہ آج جو جماعت اسلام کی نمائندگی کررہی ہے وہ اخوان المسلمین ہے، پاکستان میں اسلامی جماعت ہے اور تیسرے نمبر پر خمینی کی جماعت ہے!!! اللہ المستعان۔

اسلئے یہ جان لیں کہ یہ نسبت روافض کے ساتھ لے جانے والی ہے، ان کے اور روافض کے درمیان دوستانہ تعلقات ہیں، ان کے ساتھ ان کے معاہدے ہیں، ان لوگوں نے جا کر خمینی کو مبارکباد پیش کی ہے، اور خمینی بغاوت میں مارے گئے لوگوں کی قبروں پر شہداء سمجھ کر فاتحہ پڑھا ہے، ان کے شہداء روافض ہیں، جن کی قبروں پر جا کر غمگین اور رنجیدہ ہوتے ہیں، واللہ المستعان۔

ان سب کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا صحیح مفہوم وہی ہے جس پر یہ قائم ہیں، اور تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اسی جماعت سے جڑ جائیں، اور علی الاقل جو ان کے ساتھ نہیں ہیں وہ مسلمان ہی نہیں ہیں، مسلمان وہی ہے جو اس جماعت کے دائرے میں آچکا ہے، باقی مسلمان نہیں ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ سارے مسلمانوں کو اپنے تنگ دائرے میں شامل کرکے ان سے اسلام کی نعمت کو چھین لیں۔

حسن بنا نے جس وقت اپنی دعوت شروع کی تھی انکا یہ مقصد نہیں تھا، وہ مسلمان تھے، اس وقت کے

نوجوانوں کا ماحول صحیح نہیں تھا، بگڑا ہوا تھا، وہ مساجد کو جانتے ہی نہیں تھے، وہ باروں اور قہوہ خانوں میں وقت گزارتے تھے، انہوں نے نوجوانوں کو مسجد تک پہونچایا، اور اسلام سے واقف کرایا، گرچہ وہ کوئی بڑے عالم اور امام نہیں تھے جیسا کہ اس جماعت کے لوگ سمجھ رہے ہیں، وہ ایک عام داعی تھے، اور اس وقت بڑے بڑے ازہری علماء پائے جاتے تھے، مگر انہوں نے وہ کام نہیں کیا جو حسن بنا نے نوجوانوں کیلئے کیا، مگر یہ عمل جاری نہیں رہ سکا بلکہ حسن بنا کی موت کے ساتھ وہ عمل بھی اپنی موت مرگیا، اور یہ ہر اجتہادی تجدید کا انجام ہوتا ہے۔

تجدید کی دو قسمیں ہیں، ایک تجدید منہجی ہوتی ہے کہ جب لوگ راہ حق سے دور ہوجاتے ہیں تو انہیں کتاب وسنت کی طرف سلف کے منہج کی روشنی میں دعوت دی جاتی ہے، یہ تجدید مجدد کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے، اسلئے کہ بنیاد باقی رہتا ہے، اسلام اور عقیدہ جس کی طرف اس نے دعوت دی وہ باقی رہتا ہے، مگر دوسری تجدید جو اجتہادی ہوتا ہے جیسے حسن بنا کی تجدید کہ جو مجدد کے مرنے کے ساتھ دفن ہوجاتا ہے، اسکے بعد اسکا صرف نام رہ جاتا ہے، بعد میں یہ بٹ جاتے ہیں اور انکے مناہج مختلف ہوجاتے ہیں، ہر جماعت اپنا خاص منہج بنالیتا ہے، جیسے اہل کلام اور صوفیاء کے فرقے جو مختلف فرقوں میں بٹ گئے، جن کا گمان ہے کہ آدمی کی گردن میں بیعت کا ہونا ضروری ہے، مگر کس کی؟ کسی قبیلے کے شیخ کی، کسی سلسلے کے شیخ کی، کسی تنظیم کے صدر کی، آخر کس کی؟

حقیقی بیعت اس مسلم حاکم کیلئے ہے جو تمام مسلمانوں کا حاکم عام ہو، جو شریعت کے مطابق حکومت کرتا ہو اور جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہو۔

مگر یہ بیعت جو کسی گروہ کے ذمیدار کی ہوتی ہے، کسی تنظیم، کسی طریقے اور سلسلے، کسی مدرس کیلئے ہوتی ہے تو شریعت میں اسکی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور ان سب سے ہٹ کر اخوانی جماعت کی بیعت ہمیشہ کسی مجہول شخص کیلئے ہوتی ہے، اسی لئے اس بیعت کو پراسرار طریقے سے خفیہ طور پر لی جاتی ہے، وہ بھی رات

کے اندھیرے میں، اسلئے کہ جس سے بیعت لی جاتی ہے وہ وہاں موجود نہیں ہوتا بلکہ ایک موہوم شخص کی بیعت لی جاتی ہے۔

اس طرح کی بیعت فاسد اور گمراہ کن ہے، ایسے ہی پراسرار فاسد طریقے سے ہمارے نوجوانوں کے پاس آ کر کہتے ہیں کہ ہر مسلمان کی گردن پر بیعت کا ہونا ضروری ہے۔

نوجوانو! سن لو، تمہاری گردنوں میں ایک اسلامی حکومت کی بیعت موجود ہے، ایسی حکومت جو اسلامی شریعت کی روشنی میں چل رہی ہے، جہاں سے تمہارے درمیان اور غیروں کے درمیان بھی عقیدہ وتوحید کو نشر کیا جا رہا ہے۔

تم ایک بہتر اسلامی حکومت کے ماتحت ہو، لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کے جھنڈے کے تحت ہو، یہ مجرد سبز کپڑے کا ٹکڑا نہیں ہے کہ جس پر کلمہ لکھ دیا گیا ہے، اور اسکی تنفیذ نہیں ہوتی، بلکہ وہ مکمل طور پر نافذ ہوتا ہے، کیونکہ تم صرف اللہ کو پکارتے ہو، صرف اللہ کی عبادت کرتے ہو، اسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے، چنانچہ جو تمہارے جھنڈے میں ہے اس پر تم عمل بھی کرتے ہو، اور اسی کی طرف لوگوں کو بلاتے بھی ہو، اب اس کے بعد تمہیں کیا چاہیئے؟ کیا تم کسی مجہول شخص کیلئے بیعت کرنا چاہتے ہو؟ یہ جس کیلئے بیعت کرنا چاہتے ہیں اسکے پاس سوائے اسلامی نام کے کچھ نہیں ہے، وہ لوگ پیدائشی مسلمان ہیں، انہوں نے اسلام کے حقیقی چہرے کو جانا ہی نہیں، ان میں دیکھو گے کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی انجینئر تو کوئی سائنسداں تو کوئی ریاضی داں تو کوئی وکیل، مگر کوئی شریعت کا ماہر نہیں ہوگا، یہی لوگ گمراہ کرنے کیلئے کافی ہیں۔

مگر تم لوگ ابتدائی مراحل ہی سے عقیدہ پڑھنا شروع کر دیتے ہو، اور اسے ثانویہ سے لیکر اعلی مراحل تک پڑھایا جاتا ہے، تم لوگ عقیدہ اور توحید ان سے کہیں زیادہ سمجھتے ہو، اسلام کو ان سے کہیں بہتر جانتے ہو، مگر وہ آ کر تم پر ہنستے ہیں، اور تمہیں علماء سے کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں، حکام سے دشمنی پیدا کرنے کے فراق میں ہوتے ہیں، یہ تمہارے حاسد ہیں، انہیں ان نعمتوں پر حسد ہے جن سے تم فیضیاب

ہو رہے ہو، عقیدہ کی سلامتی کی نعمت، شریعت کی نعمت، وحدت اسلامی کی نعمت، جب ان لوگوں نے اتنی ساری نعمتوں کو دیکھا تو حسد میں جلنے لگے۔

اسلئے میں نوجوانوں کو برابر نصیحت کرتا ہوں کہ ایسے منحرفین سے بچ کر رہو، اس وقت قدم قدم پر فتنے ہیں، عورتوں کا فتنہ موجودہ دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے، اور یہ اس پر بہت خوش ہیں، اور اسے یہ غنیمت سمجھتے ہیں تاکہ اسی کو بہانہ بنا کر علماء پر طعن و تشنیع کیا جائے، چنانچہ یہ کہتے ہیں کہ علماء کہاں گئے؟ وہ ایسا کیوں کر رہے ہے، اس پر کیوں نہیں بول رہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے نوجوان ایسی کھوکھلی اور حاسدانہ باتوں کو سنتے ہیں اور پھر اپنے ہی علماء کے ساتھ بدظن ہو جاتے ہیں، اس لئے میں بار بار نصیحت کرتا ہوں کہ علماء کے ساتھ حسن ظن رکھو اور ان بہروپیوں کو اچھی طرح پہچان لو تا کہ ان کے دھوکے میں نہ پڑو، و باللہ التوفیق۔

سوال نمبر ۳۹:

بلاد کفر میں جا کر وہاں رہنے کا کیا حکم ہے اس یقین کے ساتھ کہ وہاں پر اقامت دین میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے؟

جواب:

اگر مسلمان کسی عرب یا مسلم ملک کے اندر پریشان ہوں اور انہیں اپنے دین اور عقیدے میں تنگ کیا جاتا ہوں لہذا وہ وہاں سے بلاد کفر کی طرف ہجرت کر جائیں جہاں ہر طرح کی آزادی ہو، جیسے کہ کچھ فرانس چلے گئے اور وہاں پر اسلامی سلفی جماعت قائم کر دی، مسجدیں بنالیں، مدارس قائم کر لئے، اور وہیں پر مقیم ہو گئے، تو ایسی صورت میں وہ علاقہ مسلم علاقہ کہلائے گا اور اسے دار اسلام کہہ سکتے ہیں۔

اور حقیقت یہی ہے کہ مراکش کے کچھ لوگ فرانس گئے اور ایک شہر میں آباد ہو گئے، کچھ سالوں کے بعد اسے عرب اسلامی شہر میں بدل دیا، وہ ہم سے رابطے میں رہتے ہیں، حج کرنے آتے ہیں اور ہم سے ملاقات کرتے ہیں، ان کے پاس مدارس و مساجد بھی ہیں، ایسے علاقوں کو دار اسلام کہہ سکتے ہیں، اب انہیں حق ہے کہ وہ وہاں رہ سکیں، کیونکہ وہاں وہ اپنے دینی شعائر کو پوری آزادی سے ادا کرتے ہیں، جبکہ وہ اپنے اصلی وطن میں اس قدر آزاد نہیں تھے۔

البتہ اگر کوئی فرانس، برطانیہ اور امریکہ جائے اور کسی کافر علاقے میں رہے جہاں انہیں کا تسلط ہو، انہی کے زیر نگرانی کام کرے، مثلاً کسی کمپنی کا مالک جورج ہو، وہ اس مسلمان پر مسلط ہو، اس سے کہے کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھنے کسی مسجد میں نہیں جا سکتے، صرف جمعہ کی نماز کیلئے جا سکتے ہو، اور ہمارے یہاں جمعہ کے دن چھٹی بھی نہیں ہوتی، ہمارے یہاں چھٹی اتوار کے دن ہے، جمعہ کے دن ڈیوٹی ہے، اسلئے ظہر، عصر اور مغرب ساری نمازیں رات میں پڑھا کرو، پھر یہ مسلمان اس جورج کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور کہے: ٹھیک ہے سر!

اس طرح وہ وہاں پر اپنی زندگی گزارے، تو یہ حرام ہے، بلکہ یہ ذلت ہے، اللہ کے اس قول کے منافی ہے: {وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ} ترجمہ: حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے۔

مگر اس نے تو اپنی عزت کو معیشت کے بدلے بیچ دیا ہے، ایسی صورت میں وہ اس علاقے کو چھوڑ دے خواہ اسے وہاں کتنا ہی مال کیوں نہ ملتا ہو، اسے چھوڑ کر کسی اسلامی ملک میں چلا جائے جہاں وہ آزادی سے اپنے دین پر عمل کر سکے خواہ وہاں کم ہی پیسہ کما سکے، یہی اس پر واجب ہے۔

آخر میں یہ کہوں گا کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس وقت موجود فتنے سے نجات کیلئے اللہ سے گڑگڑا کر دعائیں کرے۔

یہ صدام حسین کا فتنہ ہے، وہ نسبتوں اور حزبیات کا فتنہ ہے، اور جس کے پاس تجربہ ہے وہ جانتا ہے کہ ہمارے نوجوانوں کیلئے یہ نسبتیں اور حزبیات تمام فتنوں سے بڑھ کر ہیں، اسے اچھی طرح جان لو اور ہمارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم مادی اسباب پر بھروسہ کر کے اپنے رب کو بھول بیٹھیں، بلکہ واجب ہے کہ ہم اللہ سے روئیں گڑگڑائیں تا کہ اللہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائے اور ان تمام فتنوں سے بچالے۔

وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ۔

سوال نمبر ۴۰:

سائل کہتا ہے کہ ایک کیسٹ آئی ہے جس کا عنوان [علمی جوابات اور منہجی نصائح - دوسرا حصہ] ہے، یہ دراصل کچھ سوالات ہیں جنہیں بعض ساتھیوں نے جدہ کے اندر شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ سے کیا تھا، شیخ نے ان سوالات کا تشفی بخش علمی جواب دیا، اس تعلق سے آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب:

میری رائے یہی ہے کہ آپ مجھے بھی اس کیسٹ سے نوازیں تا کہ میں بھی اس سے استفادہ کروں، اس سے زیادہ میں اس پر کیا کہہ سکتا ہوں۔

❁❁❁

سوال نمبر ۱۴۱:

سنت کی نشر واشاعت کے وسائل کے بارے میں سوال کیا گیا ہے؟

جواب:

سنت اور دعوت کی نشر واشاعت کے بہت سارے وسائل ہیں، چنانچہ سنت کے احیاء اور اسکی نشر واشاعت ہی کے وسائل میں سے جوتیوں میں نماز پڑھنا ہے، اسے ترک کر دیا گیا ہے بلکہ بہت سارے ملکوں میں اس سنت سے دشمنی کی جاتی ہے، چنانچہ ایک انسان کہیں بھی ہو، سفر پر ہو یا کہیں کچھ مسائل ہوں تو جوتیوں ہی میں وہ نماز ادا کرلے، جیسے کہ وہ صحرائی علاقے میں ہو، کہیں سفر پر ہو اور راستے میں نماز پڑھنا ہو، ایسی مسجد میں جائے جہاں قالین اور چٹائی وغیرہ نہ بچھی ہو بلکہ ریت ہی اسکا فرش ہو ایسے صورت میں اس سنت کا احیاء ممکن ہے۔

اہم یہ ہیکہ ایک مسلمان عمل کرنے سے پہلے اس سنت کی جانکاری حاصل کرے، اور سمجھ لے کہ یہ سنت ہے، اور یہاں سنت سے مراد طریقہ ہے، فقہاء کی سنت مراد نہیں ہے جو واجب کے برعکس ہوتی ہے، چنانچہ اگر معلوم ہو جائے کہ نبی اکرم ﷺ کی فلاں سنت بھلا دی گئی ہے یا لوگ اس سے ناواقف ہو چکے ہیں یا اس سے دشمنی کی جارہی ہے تو ایسی صورت میں اس سنت کا احیاء ضروری ہے اور لوگوں کے درمیان اسے پھیلانا واجب ہے۔

بعض نوجوان اسکے لئے یہ کرتے ہیں کہ نماز کے دوران اپنی جوتیوں کو اپنے دونوں قدموں کے سامنے رکھ لیتے ہیں تاکہ سنت پر عمل ہو جائے، اس لئے سنت یہی ہے کہ ایک آدمی یا تو جوتیوں میں نماز پڑھے یا اسے سامنے رکھ لے، دوسرے نمازیوں کے سامنے نہ رکھے، جس سے انہیں تکلیف ہو، اور نہ ہی اپنے پیچھے رکھے کہ پیچھے نماز پڑھنے والوں کو تکلیف ہو۔

آج کل اگر جوتیوں میں نماز پڑھنا ممکن نہ ہو جیسے کہ مسجد نبوی کے اندر، اور یہ سنت اس وقت

چھوٹ چکی ہے، بلکہ بہت سے لوگ اسے حرام سمجھتے ہیں بلکہ اسے جرم مانتے ہیں، بہر حال اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اسے اپنے سامنے رکھ لے، گر چہ کسی تھیلی میں رکھ کر، جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں تا کہ اس سے سنت کا احیاء ہو۔

اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں سنت کی دو قسمیں ہیں: ایک سنت عادیہ اور دوسرے سنت شرعیہ، چنانچہ بال کی دیکھ ریکھ کرنا، اسے بیچ میں مانگ نکالنا اور عمامہ پہننا سنت عادیہ ہے، اس معنی کر کے کہ رسول اللہ ﷺ جس قوم میں آئے وہاں یہ عادت تھی، جسے آپ نے اچھا سمجھا برا نہیں سمجھا، جبکہ کچھ برے رسم و رواج اور عادات تھے جنہیں آپ نے ختم کر دیا۔

اچھی عادتوں میں عمامہ کا پہننا ہے چنانچہ آپ نے اسے لے لیا اور اس پر عمل بھی کیا، بعض علمائے حدیث ایسے بھی گزرے ہیں جو کدو کھانے کو بہت پسند کرتے اور کہتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کو بھی اسے بہت پسند تھا، لہذا اس وقت اگر کوئی عمامہ پہنتا ہے اسی طریقے سے جس طرح نبی اکرم ﷺ پہنا کرتے تھے، اور جو اپنے بالوں کی دیکھ ریکھ کرے اسی طریقے سے جس طرح آپ ﷺ کرتے تھے، اور عصا لیکر چلے اس نیت سے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا کرتے تھے تو اس نیت پر اسے ثواب بھی ملے گا اور سنت پر عمل بھی ہوگا، مگر یہ ثواب اسے اس عمل پر نہیں بلکہ نیت پر ملے گا کیونکہ یہ عمل مشروع نہیں ہے بلکہ ایک عادت ہے۔

اور دعوت کی نشر و اشاعت کیلئے اس وقت بہت سارے وسائل ہیں اور ہم میں سے ہر ایک کے امکان میں ہے کہ وہ ان وسائل کو استعمال کرے، انہیں میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے:

پہلا وسیلہ:

علم حاصل کرنے کے بعد ہم ان پر عملی پیمانے پر کر کے دکھائیں، بعض طلبہ علم حاصل کر کے جاتے ہیں مگر وہ عملی میدان میں نہیں آتے، یہ دعوت اور سنت کی اشاعت کے خلاف ہے، جیسے کہ آپ بہت

سارے جامعات میں دیکھیں گے کہ استاذ حدیث پڑھاتا ہے مگر اس پر خود عمل نہیں کرتا سوائے واجبات کے، ایک استاذ تفسیر اور فقہ کا درس دیتا ہے مگر سنن واحکام پر عمل نہیں کرتا، بسااوقات اسکے شاگرد اس پر تنقید کرتے ہیں، کبھی دیکھا جاتا ہے کہ استاذ شیو کرتا ہے جس پر طالب علم نقد کرتا ہے، استاذ اپنے کپڑے کو گھسیٹ کر چلتا ہے اور شاگرد اس پر نقد کرتا ہے، وہ محلے کی مسجد میں جمعہ پڑھنے نہیں جاتا بلکہ جمعہ کی چھٹی کا بہانہ بنا کر باہر نکل جاتا ہے، اور ادھر ادھر قہوہ خانوں میں وقت گزار دیتا ہے۔

اب ایسے لوگوں کے خلاف یہ علم حجت ہوگا، اسلئے ضروری ہے کہ ہم خود عمل کا پیکر بنیں تا کہ ہمیں دیکھ کر طلبہ عبرت حاصل کریں۔

اسی لئے میں کہا کہ جوتیوں میں نماز پڑھنے کا مسئلہ بہت سنگین ہے، کیونکہ عہد نبوی میں اور صحابہ کے دور میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے، بلکہ اس وقت بھی مملکہ کے بعض دیہاتی علاقوں اس پر عمل ہو رہا ہے، وہاں کی مسجدوں میں لوگ جوتیوں میں نماز پڑھتے ہیں، لوگ دروازے کے سامنے جوتی نہیں نکالتے بلکہ پہن کر نماز پڑھ لیتے ہیں اور پھر چلے آتے ہیں، مگر اس وقت بہت سارے علاقے ایسے بھی ہیں جہاں اس سنت سے دشمنی کی جاتی ہے اس لئے ایسے علاقوں میں سنت کو باقی رکھنا چاہئے۔

دوسرا وسیلہ:

دعوت کی نشر واشاعت کا ایک وسیلہ یہی ہے جسے آپ لوگ انجام دے رہے ہیں، یعنی نوجوانوں کا اساتذہ کے ساتھ علمی دوروں پر جانا، اگر نیت اچھی ہے اور وہاں سے کچھ سیکھ کر آتے ہیں اور پھر عملی نمونہ بنتے ہیں تو یہ بہت ہی کامیاب وسیلہ ہے، اسی طرح اگر کسی شہر کے نوجوان آپ لوگوں کو بلا کر انتظام کریں تا کہ وہاں کے نوجوانوں پر آپ لوگ اثر ڈال سکیں تو بہت اچھا ہوگا، یہ بھی دعوت کا ایک بہترین اسلوب ہے، اسلئے بہت سارے جامعات میں اچھے اور نیک طلبہ ہوتے ہیں، میں نے جہاں بھی زیارت کی ہے وہاں طلبہ کا گروپ دیکھا جن کے یہاں دینی جذبہ پایا، بسااوقات یہاں کے طلبہ سے زیادہ نشیط پایا، سنت کے

تئیں ان کا جذبہ کہیں زیادہ پایا۔

مثال کے طور پر جامعہ قاہرہ جہاں پر مخلوط تعلیم ہوتی ہے، میں نے ایک بار اپنے کچھ طلبہ کے ساتھ اس جامعہ کی زیارت کی، اتفاق ایسا ہوا کہ جس وقت ہم اس جامعہ کے گیٹ پر پہونچے تو دیکھا طلبہ اور طالبات ہاتھ میں ہاتھ ملا کر سب ایک ساتھ نکل رہے ہیں اور سب جامعہ کے کیمپس میں بکھرے ہوئے ہیں، ہمیں ایسا لگا کہ ہم کسی چڑیا گھر میں آگئے ہیں، ہمارے طلبہ نے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے اور بڑے تعجب کا اظہار کیا، بہر حال ہم تیزی سے مدیر الجامعہ (وائس چانسلر) کی آفس کی طرف نکل گئے۔

آفس میں وہاں کی مخلوط تعلیم پر بھی گفتگو ہوئی کہ کیا اسے ختم کرنا ممکن ہے یا نہیں؟ کیونکہ وہاں ایسے طلبہ بھی پڑھتے ہیں جو متدین ہوتے ہیں اسی طرح ایسی طالبات بھی ہوتی ہیں جو متدین اور باحجاب ہیں، بلکہ ہمارے یہاں کی عورتوں کی بنسبت انکا حجاب زیادہ اچھا ہوتا ہے، یہ طلبہ سے بالکل الگ کٹ کر رہتی ہیں، چہرہ قدم کچھ آپ نہیں دیکھ سکتے، یہ سب میں نے قاہرہ یونیورسٹی میں دیکھا ہے۔

بہر حال مدیر الجامعہ نے کہا: شیخ! اس حالت کو بدلنا مشکل ہے، ہاں اگر آپ کے جامعہ سے ہمیں اس تعلق سے کچھ مدد اور رہنمائی ملتی رہے تو بعد میں ممکن ہے، اسی وقت وہیں کے ایک طالب علم نے اجازت لیکر بولنا شروع کر دیا کہ الحمدللہ ہم پوری پابندی کرتے ہیں، حتی کہ ہمارے گھر کی لڑکیاں بھی شریعت کی پابندی کرتی ہیں، وہ بس میں سوار ہو کر نہیں آتیں، بلکہ وہ گھروں سے ایک ساتھ یا تو پیدل آتی ہیں یا ایک ساتھ ٹیکسی پکڑ لیتی ہیں، اسی طرح ہم اس جامعہ میں پڑھنے آتے ہیں۔

میں اس طرح کے بہت سے طلبہ اور طالبات کو دیکھا جن کے یہاں شریعت کی پوری پابندی پائی گئی، انکے عقائد بھی صحیح سالم تھے، وہ شیخ الاسلام کے رسائل سے متاثر تھے، ایک طالب نے بتایا کہ ان کتابوں سے ہمیں دور رکھا جاتا تھا مگر شیخ محب الدین الخطیب کے ایک لڑکے نے ان کتابوں کو اپنے والد سے حاصل کیا تھا، چنانچہ ان کی کتابیں، شیخ الاسلام اور ابن القیم کی کتابوں کو یہاں پر ایک سلفی چھاپہ خانے

سے شائع کروایا، اس چھاپہ خانے کا نام بعد میں "سلفی چھاپہ خانہ" پڑ گیا، طلبہ اس چھاپہ خانے سے بہت متاثر ہیں، مگر جب جاہلوں کی حکومت آئی تو انہیں پکڑ کر قید کر دیا اور کہا: ابن تیمیہ کو چھوڑ دو، وہ تمہیں بچانے نہیں آئے گا، تم لوگ ابن تیمیہ کے مقلد لگتے ہو، اس طرح یہ ہمارا مذاق اڑاتے تھے۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ ہر چیز میں پابندی بہت اہم چیز ہے، بطور خاص دعوت کے میدان میں ایک داعی شریعت کا پابند ہو، چنانچہ اس طرح کے علمی و دعوتی دوروں کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے، اگر آپ اسی طرح کسی جامعہ میں جاتے ہیں اور وہاں کچھ متدین طلبہ کو پاتے ہیں تو اس سے انہیں خوشی ہوتی ہے، وہ متاثر ہوتے ہیں، ان کے ساتھ دوسرے طلبہ بھی متاثر ہوتے ہیں، اور وہاں اسلامی ماحول بننے کا بھرپور امکان ہوتا ہے، اس طرح یہ ایک کامیاب دعوتی وسیلہ ہے۔

قاہرہ یونیورسٹی کے بعد ہم جامعہ اسکندریہ گئے، وہاں بھی کچھ طلبہ سے ملاقات ہوئی جو بہت ہی متدین تھے، میرا ماننا ہے کہ آپ لوگ ان طلبہ کے ساتھ کچھ دنوں تک گزارو، آج تک جامعہ اسلامیہ سے میرے جتنے بھی دورے ہوئے ان میں یہاں کے طلبہ کو سب سے زیادہ متدین پایا، اسلئے کہ اپنے ساتھ کچھ ایسے طلبہ بھی ہوتے ہیں جن کی نگرانی بکریوں کے ریوڑ کی طرح کرنی پڑتی ہے، میں ہوٹل میں اس وقت تک نہیں سوتا جب تک یہ نہیں دیکھ لیتا کہ سارے طلبہ سو چکے ہیں، حالانکہ ہمارے ساتھ نگراں بھی ہوتے ہیں، مگر ڈر ہوتا ہے کہ کہیں ان کے ساتھ طلبہ ملکر ادھر ادھر نکل جائیں۔

مگر میں نے اس جاہلی (بددین) معاشرے میں بھی ایسے طلبہ کو دیکھا جو اس جاہلیت سے نفرت کرتے ہیں، بلکہ سماج میں پائی جانے والی جاہلیت اور بددینی کا مقابلہ کرتے ہیں، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ ان طلبہ کے ساتھ کچھ دنوں تک رہو تاکہ تم لوگ ان سے متاثر ہو جاؤ۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ بہت سارے جامعات میں طلبہ شریعت کی پابندی کرتے ہیں، جبکہ وہ جامعات اپنے منہج میں شریعت کو نافذ نہیں کرتے، آپ کو تعجب ہوتا ہوگا کہ ایسے ماحول میں وہ کیسے رہتے ہیں،

جہاں نہ امر بالمعروف ہے نہ نہی عن المنکر ہے، نہ کسی کی نگرانی ہے، نہ ہی کوئی حاضری ہے، بلکہ وہاں پر صرف دینی جذبہ اور لگن ہے، اس لئے میں خود اپنے لئے اور اپنے طلبہ کیلئے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ہم دین کی پابندی دین کی خاطر کریں کسی کے ڈر سے نہیں۔

اسی لئے جب ہم ایک غیر اسلامی ماحول سے اس ملک میں پہونچتے ہیں اور یہاں اسلامی جامعات میں طلبہ کے اندر شریعت کی پابندی نہیں دیکھتے ہیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے، آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ خود تو پابندی نہ کریں اور دوسرے کو جا کر دین کی تبلیغ کریں، یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، آخر ان لوگوں کو کیا جواب دیں گے جو اگر یہ پوچھ لیں کہ آپ اس سنت پر عمل کرتے ہیں یا نہیں؟ یہ تناقض ہوگا، حالانکہ یہ بھی دعوت کے وسائل میں بہت ہی اہم وسیلہ ہے۔

تیسرا وسیلہ:

دعوت کے وسائل میں سے یہ بھی ہے کہ طلبہ چھٹیوں کے دنوں میں اپنے ملکوں میں جا کر تبلیغ کا کام کریں، اور الحمدللہ اس وقت یہ دعوت ہر ملک میں پھیل رہی ہے خواہ وہ اسلامی ملک ہو یا غیر اسلامی، اور سلفی منہج کے اعتبار سے مما لک کی حیثیت مختلف ہے، کہیں پر کم ہے تو کہیں پر زیادہ، میں نے فرانس کے بعض حاجیوں سے یہ سنا ہے کہ وہاں پر ایک شہر ایک ہے جو اس وقت بالکل اسلامی عربی سلفی شہر میں تبدیل ہو چکا ہے، وہاں کثرت سے مدارس اور مساجد موجود ہیں، وہاں پر جانے کے بعد معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگ کسقدر متدین اور دین کے پابند ہیں، وہ ہمیں آٹو بس میں دعوت وتبلیغ کیلئے گھماتے ہیں، اور یہ بہت ہی صبر آزما ہوتا ہے، انہیں کیا پتہ کہ ہم جس طرح یہاں رہتے ہیں اس طرح پر مشقت سفر کو نہیں جھیل سکتے۔

وہ یہاں تک موسم حج میں آٹو بس سے آجاتے ہیں، ان کے ساتھ کوئی دوسرا نہیں ہوتا، وہ یہاں آکر حرمین کے دروس رکارڈ کرتے ہیں، پھر انہیں لے جا کر دعوت وتبلیغ میں استعمال کرتے ہیں،

لوگوں کو وہ ریکارڈ سناتے ہیں، اسکا وہاں بہت اثر ہے، فرانسیسی اور غیر فرانسیسی جالیات میں ان ریکارڈوں کا خوب استعمال ہو رہا ہے۔

البتہ گزشتہ سال ایک بہت ہی افسوسناک شکایت سننے کو ملی، وہ یہ کہ وہاں پر اسلامی جماعت والوں نے آکر سلفی دعوت کا مقابلہ ہی نہیں بلکہ اس دعوت سے دشمنی کرنے لگے ہیں، سلفیوں کے بیچ میں آکر حزبیت اور فرقہ بندی پھیلا رہے ہیں جب کہ یہ ان چیزوں سے واقف ہی نہیں ہیں۔

چوتھا وسیلہ:

دعوت کے وسائل میں سے ایک اہم وسیلہ یہ ہیکہ مسلمانوں کے اندر حزبیت اور گروہ بندی کے پھیلنے سے حکمت کے ساتھ روکنا چاہئے، یہ دعوت کیلئے بہت ہی خطرناک ہے، اسلئے کہ ایسے گروہوں، حزبیوں اور جماعتوں کے ہونے کا مطلب فرقہ بندی ہے، جس سے دعوت کے کاز پر بہت ہی برا اثر پڑے گا، کیونکہ جہاں بھی ہم کسی ایسے ملک میں گئے جہاں پر مختلف جماعتوں کا وجود نہیں رہا وہاں پر یہ دعوت خوب پھل پھول رہی ہے۔

مگر جہاں پر جماعتیں پائی جاتی ہیں، وہاں میں نے دیکھا کہ وہ جماعتیں آپس ہی میں ایک دوسرے سے لڑتی رہتی ہیں سماج کی طرف انکی نظر ہی نہیں جاتی ہے، وہ ایک دوسرے کے خلاف ردود اور جواب لکھنے میں وقت ضائع کرتے ہیں، وہ ذمیداروں سے ایک دوسرے کی شکایتیں کرتے ہیں کہ فلاں جماعت ایسی ہے، اس نے یہ کیا، فلاں نے ایسا کیا ویسا کیا، اس طرح شکایتوں کے بعد ان میں لڑائیاں بھی ہوتی ہیں، پھر یہ لوگ آپس میں لڑ رہے ہوتے ہیں دوسری طرف میدان صوفیوں اور عیسائی مشنریوں کے لئے صاف ہو جاتا ہے۔

اس لئے میں نوجوانوں سے امید رکھتا ہوں کہ وہ ان حزبیات اور جماعتی نسبتوں سے دور رہیں، ان سے بہت نقصان ہے، یہ میں تجربے کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں، اور کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر سے پہلے تجربہ کار

کے پاس جاؤ، ایسی جماعتوں کا میں نوجوانی سے لیکر آج تک تجربہ کیا ہے، میری اکثر زندگی انہیں کے بیچ میں گزری ہے، میں نے دیکھا ہے ان کے یہاں ایجابیات سے کہیں زیادہ سلبیات ہیں۔

میں نے انہیں پایا کہ وہ کسی بھی طریقے سے کرسی اقتدار تک پہونچنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی لئے یہ سماج کے اندر پھیلے ہوئے شرک و بدعات اور بت پرستی پر کبھی نہیں بولتے، کیونکہ وہ اسے اختلاف سمجھتے ہیں، اور پھر اس سے انکی کرسی کیلئے خطرہ ہوتا ہے کیونکہ لوگ ان سے دور ہو جائیں گے، جبکہ وہ کسی بھی طریقے سے لوگوں کی بھیڑ اکٹھا کرنا چاہتے ہیں، ان کے یہاں کوئی باوضوء ہو یا بے وضوء سب کو نماز پڑھا دیتے ہیں، اسے دعوت نہیں کہتے ہیں۔

ایک اصلاحی دعوت ہوتی ہے اور یہ مسلمانوں کے بیچ میں ہوتی ہے مگر ان لوگوں کی دعوت تاسیسی ہے جسے غیر مسلم مما لک میں ہونا چاہئے مگر اسے مسلم مما لک میں قائم کرتے ہیں، جس سے ان کے مقصد کا پتہ چلتا ہے، کیونکہ تاسیسی دعوت کا مقصد بھیڑ کا جمع کرنا اور کرسی تک پہونچنا ہوتا ہے جبکہ اصلاحی دعوت کا مقصد مسلمانوں کو صحیح منہج پر لانا ہوتا ہے، کیونکہ مسلمانوں کے اندر ہر پیمانے پر تصحیح کی ضرورت ہے، عقیدہ واحکامات کے اندر، اقتصاد اور سیاست کے اندر، اپنے علم اور مستوی کے اعتبار ہر کسی کو یہ خدمت انجام دینا چاہئے، اسی کو اصلاحی دعوت کہتے ہیں۔

کچھ لوگ ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم تمام مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں، انہیں نئے سرے سے اسلام میں لانا چاہتے ہیں، یہ باطل پروپیگنڈا ہے، ہماری دعوت تاسیسی نہیں اصلاحی ہے، جن کی دعوت تاسیسی ہے وہ اپنے سوا دوسروں کی تکفیر کرتے ہیں، ہم اصلاح چاہتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے مسلمان کلمہ پڑھتے ہیں مگر کلمے کا غلط مفہوم سمجھتے ہیں اور اسکا تقاضوں پر عمل نہیں کرتے، ہم اسی مفہوم کی تصحیح چاہتے ہیں، اور اسکے تقاضوں پر عمل کرانا چاہتے ہیں۔

اور اسلامی وحدت بھی بہت اہم ہے، مگر کیا یہ وحدت مختلف گروہوں میں بٹنے سے پیدا ہوگی، کسی

بستی میں آپ نے جا کر اپنے منہج پر دعوت پیش کی، دوسرے نے جا کر اپنے منہج پر دعوت کو پیش کیا، اس طرح وہاں کے لوگوں میں اختلاف اور تناقض پیدا ہو جائے گا، ایک اضطرابی کیفیت کا ماحول ہو گا، اسلئے آج القاب و اسماء اور جماعت و فرقے سے زیادہ اہم تصحیح اور اصلاح کی ہے، عملی تطبیق کی ہے، دعوت کے وقت شدت اور نفرت آمیز امور سے بچنے کی ضرورت ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۴۲:

سائل کہتا ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ جو یہ سمجھے کہ اللہ کی شریعت سے کوئی دوسری شریعت یا قانون افضل ہے، تو وہ کافر ہو جائے گا، اور اس کے لئے آپ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: {وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ} ترجمہ: اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔

بالکل اسی آیت سے تکفیری جماعتیں بھی استدلال کرتی ہیں، پھر ابن عباس کے اس قول کا کیا جواب ہوگا کہ یہاں کفر دون کفر مراد ہے وہ کفر مراد نہیں ہے جو اللہ اور آخرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ کی شریعت کے مقابلے میں کوئی انسانی قانون کو افضل سمجھے تو اسکا کیا حکم ہے؟

جواب:

میں نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے، اور کہا ہے کہ جو یہاں تک عقیدہ رکھے کہ شریعت الہی کے کوئی انسانی قانون برابر ہے تو وہ بھی کافر ہے، حتی کہ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ وضعی دستور کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہے تو وہ بھی کافر ہے، مکمل جواب دینے سے قبل سائل کو میں ایک چھوٹے سے کتابچے کی طرف احالہ کروں گا جس کا نام [حکم تحکیم القوانین] ہے، یہ شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ کی ہے، جو اس ملک کے سابق مفتی ہیں، آپ نے اس کتابچے کے اندر کفر کی وہ ساری قسمیں گنوائی ہیں جن میں انسان کفر اکبر کا مرتکب ہوتا ہے، اور ان قسموں کا بھی ذکر کیا ہے جن سے مراد کفر دون کفر یعنی کفر اصغر ہوتا ہے، اور سیدنا ابن عباس کے قول کو بھی نقل کیا ہے مگر مطلق طور پر نہیں، بلکہ اسے صرف ایک ہی صورت میں مراد لیا ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی غیر وحی کے مطابق فیصلہ کرے مگر اسے ناجائز اور حرام سمجھ کر، اور یہ کہ وہ گنہگار ہے اللہ کی شریعت کی مخالفت کر رہا ہے، جس طرح کوئی شراب پیتا ہے اسے حرام سمجھ کر، یعنی وہ اسکے جائز ہونے کا اعتقاد نہ رکھے تو ایسی صورت میں اس سے مراد کفر اصغر ہوگا، چنانچہ جو اس اعتقاد سے فیصلہ کرے کہ وہ غلط ہے اور یہ گناہ کا

کام ہے تو یہ کفرِ اصغر ہو گا۔

مگر جہاں تک تکفیری جماعت کا اس آیت سے استدلال کرنے کا تعلق ہے تو وہ غلط اور جہالت پر مبنی استدلال ہے؛ کیونکہ اس جماعت کے اندر اکثریت جاہلوں کی ہے، جو جذباتی اور مغربی سماج میں پلے بڑھے ہوتے ہیں، انہیں اسلام کی مکمل سوجھ بوجھ نہیں ہوتی، وہ حکمت سے عاری ہوتے ہیں، ورنہ ایک مسلمان جس نے اسلام کو پڑھا ہو گا وہ بلاوجہ کسی کی تکفیر نہیں کرے گا اور یہ تو ہول سیل کے حساب سے پورے پورے سماج کی تکفیر کر دیتے ہیں، جیسا کہ ان میں سے ایک کہتا ہے کہ اسلام بہت پہلے سے مٹ چکا ہے، اس وقت دنیا میں اسکا وجود ہی نہیں ہے، گویا اس کے نزدیک اس ملک میں بھی اسلام نہیں ہے، بلادِ حرمین میں بھی اسلام نہیں ہے، وہ نئے سرے سے اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں، یہ انکا اپنا نیا اسلام ہو گا، ہم ان سے کہتے ہیں کہ تمہارا اسلام تمہیں مبارک ہو، یہ تمہارا اسلام ہمیں نہیں چاہئے، ہم اسی اسلام پر قانع ہیں جو ہمیں کتاب وسنت میں ملتا ہے۔

ایک مسلم داعی کو چاہئے کہ وہ مطلق طور پر کسی شخص یا گروہ کی تکفیر نہ کرے حتی کہ وہ حکام جو بغیر وحی کے حکومت کرتے ہیں ان کی بھی تکفیر مطلق طور پر نہیں کر سکتے، اور نہ انہیں طاغوت کہہ سکتے ہیں، یہ دعوت کا اسلوب نہیں ہے کہ تکفیر ہی سے اسکا آغاز کیا جائے، اور اسی پر دعوت کا خاتمہ ہو، بلکہ اسی کی تشہیر ہر جگہ کی جائے، بلکہ پورے مسلمانوں کی تکفیر کر ڈالی جائے خواہ وہ کہیں کے بھی ہوں۔

اس سے بڑی جہالت آخر کیا ہو گی ؟! اگر ان کے یہاں فقہاء اور علماء ہوتے تو وہ مسجدوں میں بیٹھ کر نوجوانوں کو اکٹھا کرتے اور انہیں دین اسلام سکھاتے، انکی اچھی تربیت کرتے، انکا عقیدہ درست کرتے، وہ حکام کے پاس جا کر اسلام کی نصیحت کرتے، انہیں حکمت کے ساتھ سمجھاتے، نہ کہ کھلے عام انکی تکفیر کرتے، یہ حکام جو وضعی قوانین کے مطابق حکومت کر رہے ہیں فرعون سے برے نہیں ہیں، اور یہ لوگ جو پہاڑ کے غاروں میں بیٹھ کر یا کسی جنگل اور صحراء میں بیٹھ کر تکفیری فتوی جڑ رہے ہیں ہارون اور موسی

علیہما السلام سے بہتر نہیں ہیں، آخر ان دونوں نے فرعون سے کیا کہا تھا؟ نرمی سے اس کے سامنے دعوت دین پیش کی تھی۔

کیا یہی حکمت، اصلاح اور نصیحت ہے کہ ہر جگہ تکفیر کی بات کی جائے، اور ہر مناسبت پر حکام کو مطلق طور پر کافر کہا جائے؟! آخر مسلمانوں نے تمہارے تکفیر اور سب وشتم سے کیا حاصل کیا ہے؟ کیا تمہارے انہیں حماقتوں اور بیوقوفیوں کی وجہ سے نوجوان اور عام مسلمان بکھر اور ٹوٹ نہیں گئے؟

یہ تکفیری جماعت دراصل کچھ تعلیم یافتہ تجربہ کار سازشوں کے پالتو ہیں، جنہیں ٹول کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، آخر میں یہی تکفیری نوجوان بلی کا بکرا بن جاتے ہیں، قید ومشقت انہیں کو جھیلنا پڑتا ہے، یہی مارے ستائے جاتے ہیں، مگر جنہوں نے بھڑکا کر انہیں مصیبت میں ڈالا ہے وہ بلاد کفار میں عیش کر رہے ہوتے ہیں، اور ان کی اولاد بلاد کفار میں اعلی تعلیم حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔

سوال نمبر ۴۳:

سائل کہتا ہے کہ اگر کوئی کسی منکر پر نکیر کرنا چاہتا ہے مگر وہ دیکھتا ہے کہ اگر اس پر نکیر کی گئی تو اس سے بڑھ کر منکر جنم لے سکتا ہے، تو ایسے وقت میں وہ کیا کرے، کیا وہ اس منکر کو چھوڑ دے اور دل سے اسے برا مانے یا کسی ایسی جگہ شکایت کرے جو اس سے زیادہ قوی ہو اور وہ اسے مٹانے کی طاقت رکھتا ہو؟ جزاک اللہ خیرا۔

جواب:

میں سائل کا شکریہ ادا کروں گا کیونکہ یہ بہترین سوال ہے، ایک طالب علم کو ایسا ہی سوال کرنا چاہئے، اگر آپ نے کوئی منکر دیکھا، اور جانتے ہیں بلکہ غالب گمان یہ ہیکہ اسکے ختم کرنے پر اس سے بڑا منکر پیدا ہوسکتا ہے، پھر بھی ایک مسلمان کو منکر سے راضی نہیں ہونا ہے۔

چنانچہ اگر آپ اپنے ہاتھ سے اسے نہیں مٹا سکتے: کیونکہ آپ کے پاس اختیار اور قوت نہیں ہے، تو ایسی حالت میں آپ زبان سے اس پر نکیر کریں گے، اور اسکا حکم بتائیں گے کہ یہ منکر اور برائی ہے، یہ حرام ہے، یہ بدعت ہے، اگر آپ نے اتنا کر دیا تو گناہ سے بچ جائیں گے اور ذمیداری بھی ادا ہو جائے گی، یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ اس منکر کو ختم ہی کریں، آپ زبان سے بھی نکیر کر سکتے ہیں، البتہ اگر اسکے مٹانے کی طاقت ہے تو یہ بہتر ہے۔

اور زبان سے نکیر کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اس منکر کو ختم کرا کے ہی دم لیں بلکہ اگر آپ نے نکیر کر دی ہے تو آپ کا فریضہ ادا ہو گیا۔

اور اگر آپ زبان سے بھی نکیر نہیں کر سکتے تو ایسی صورت میں اپنے دل میں نکیر کریں، اور اسے برا سمجھ کر وہاں سے نکل جائیں اور اگر ممکن ہو تو اس علاقے کے ذمیداروں سے شکایت بھی کریں تاکہ اس منکر کا خاتمہ ہو، اگر ایسا کریں گے تو ان شاء اللہ اجر میں آپ بھی شریک ہوں گے؛ اس لئے کہ آپ نے خیر

کے کام کی رہنمائی کی ہے، کاش یہ ترتیب ہمارے ہر طالب کو معلوم ہوتا جسے خود نبی اکرم ﷺ نے بتلایا ہے اور وہ اس حدیث کے اندر موجود ہے:

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، وَهَذَا حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ، قَبْلَ الصَّلَاةِ، مَرْوَانُ، فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ، فَقَالَ: الصَّلَاةُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ، فَقَالَ: قَدْ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَمَّا هَذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ".

ترجمہ: طارق بن شہاب سے روایت ہے، سب سے پہلے جس نے عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ شروع کیا، وہ مروان تھا (حکم کا بیٹا جو خلفائے بنی امیہ میں سے پہلا خلیفہ ہے) اس وقت ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: خطبہ سے پہلے نماز پڑھنی چاہیے۔ مروان نے کہا: یہ بات موقوف کر دی گئی۔ سیدنا ابوسعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شخص نے تو اپنا حق ادا کر دیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص تم میں سے کسی منکر (خلاف شرع) کام کو دیکھے تو اس کو مٹا دے اپنے ہاتھ سے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل ہی سے سہی (دل میں اس کو برا جانے اور اس سے بیزار رہو) یہ سب سے کم درجہ کا ایمان ہے۔“

سوال یہ ہیکہ ہاتھ سے نکیر کب کریں گے اور اس منکر کا خاتمہ کب کریں گے؟ یہ اس وقت ہوگا جب آپ کو اختیار اور اس کی طاقت ہوگی، جیسے کہ آپ اپنے گھر میں کوئی منکر دیکھیں، اپنے مکتب میں دیکھیں، اپنے محلے میں دیکھیں اور آپ اس محلے کے ذمیدار ہوں، اپنے علاقے میں دیکھیں اور آپ اس علاقے کے امیر ہوں یا کوئی بھی خطہ جو آپ کے دائرہ اختیار میں ہو جس پر آپ کو تسلط حاصل ہو تو ایسی صورت میں آپ پر واجب ہوگا کہ آپ اس منکر کا خاتمہ کریں۔

اور اگر ایسی پوزیشن میں آپ نہیں ہیں تو پھر زبان سے اس منکر پر نکیر کریں، اور یہ یقین نہ رکھیں کہ آپ کے بولنے سے اسکا خاتمہ ہو جائے گا، بلکہ آپ اپنی ذمیداری سے بری ہو جائیں گے۔

اور اگر آپ اس پوزیشن میں بھی نہیں ہیں کہ زبان سے بھی بول سکیں تو ایسی صورت میں آپ اسے اپنے دل میں برا جانیں، اور یہ کوشش کریں کہ اس منکر تک کسی بااختیار شخص کو پہونچائیں، خواہ وہ اس علاقے کا کوئی بااختیار عالم ہو یا حاکم تاکہ اس منکر کا خاتمہ ہو سکے۔

سماج سے کسی بھی منکر کا خاتمہ انہیں صورتوں میں ممکن ہے، آپ گالی دیکر، بدنام کر کے، پروپیگنڈا کر کے، اس منکر کی تشہیر کر کے، بے محل و بے موقع نکیر کر کے کچھ بھی فائدہ نہیں پہونچا سکتے، بلکہ اس سے مزید فتنہ اور منکر کے پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے جو جائز بھی نہیں ہے، بلکہ منکر کے پائے جانے کی صورت میں بہتر اور شرعی طریقہ یہی ہے کہ پورے ادب اور احترام کے ساتھ اجر کی امید میں اس پر نکیر کی جائے، اس خوش فہمی میں نہیں کہ آپ کو غیرت مند اور متحمس کہا جائے، یہ جذباتی اور جنونی کیفیات ہیں جن سے معاملہ بنتا نہیں مزید بگڑتا ہے، ان سے اصلاح نہیں تخریب کاری پیدا ہوتی ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۴۴:

ان ایام میں گرمائی مراکز میں شریک ہونے کا اعلان ہو رہا ہے جس کے اندر باہر سفر پر جاتے ہیں، وہاں ڈرامے اور اسلامی گیت دیکھے اور سنے جاتے ہیں، اور بہت کچھ ہوتا ہے، تو کیا ہم ایسے مراکز میں شامل ہو سکتے ہیں؟

جواب:

گرمی کی چھٹی شروع ہوتے ہی ایسے اعلانات آنا شروع ہو جاتے ہیں، کچھ لوگ گرمائی مراکز کا رخ کرتے ہیں تو کچھ لوگ بیرونی ممالک کے سفر پر نکل جاتے ہیں، چنانچہ جو غیرت مند ہیں وہ ان ایام میں بڑے بے چین رہتے ہیں، کیونکہ وہ اس سے کسی کو روک نہیں سکتے۔

جہاں تک ان گرمائی مراکز کا تعلق ہے تو ان پر یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے کہ وہ مکمل طور پر غلط ہیں وہاں خیر نہیں ہے، اور اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مکمل طور پر خیر ہیں وہاں غلط نہیں ہوتا۔

ایسی صورت میں یہ شرعی قاعدہ ہے کہ دیکھا جائے کہ غلبہ کس چیز کا ہے خیر کا یا شر کا؟ اگر غلبہ خیر کا ہو اور وہاں شر بھی پایا جاتا ہو تو ایسی صورت میں اسکے جواز کا فتوی دیا جائے گا، بالخصوص ان لوگوں کیلئے جو طلبہ ہیں تا کہ وہاں جا کر ان تھوڑے شر و غیر شرعی امور کا خاتمہ کرسکیں، اور شریک ہو کر حق کو واضح کرسکیں۔

اور جہاں تک با اختیار اور مستطیع طلبہ کا تعلق ہے تو انہیں ان مراکز میں جانا چاہیئے تا کہ وہ وہاں جا کر برائیوں کا خاتمہ کریں اور یہ نہ دیکھیں کہ خیر و شر میں غلبہ کسے ہے۔

اور جہاں تک خصوصی رحلات اور دوروں کا تعلق ہے تو اگر یہ خصوصی دورے عام تفریحی ہیں تو ان میں شریک ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر وہ دورے سیاسی ہیں، جن کے اندر نوجوانوں کو سیاست سمجھائی جاتی ہے اور یہ کہ سماج کو کیسے بگاڑا جاسکتا ہے، یعنی حکام کے خلاف کیسے انہیں بھڑکایا جائے اور حکام کا مقابلہ کیسے کیا جائے، وغیرہ وغیرہ، اگر معاملہ اس طرح کا ہے تو پھر ہر مستطیع شخص پر ایسے دوروں

کا ختم کرنا واجب ہے، اور ان میں شریک ہونا بالکل جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ فسادی دورے ہیں، ہاں اگر خالص دعوتی دینی دورہ ہے یا عام تفریحی دورہ ہے تو ان دونوں میں شریک ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چنانچہ اگر کوئی خالص دعوتی دورہ ہے تو اس میں جتنا جلدی ہوسکے نام درج کروادیں، اور دیہاتوں اور بستیوں میں دعوت الی اللہ کیلئے نکل جائیں، اور کچھ لوگ بیرون ملک چلے جائیں، البتہ وہ سب علمائے ربانیین کی نگرانی میں رہیں، نہ کہ تبلیغی جماعت کی طرح ہر کوئی تبلیغ کرتا پھرے۔

اور جہاں تک گرمائی مراکز میں ڈراموں اور گیتوں کا تعلق ہے تو میں اس پر نگراں مراکز سے یہی کہوں گا کہ اللہ سے ڈرو، اور اپنے بچوں کو ایسے ڈراموں اور گیتوں سے دور رکھو جن سے اخلاق میں بگاڑ پیدا ہوگا، اور وقت کا ضیاع الگ سے ہے۔

میں نصیحت کروں گا کہ ایسے دوروں سے دور رہو بلکہ انہیں روکو جہاں ڈرامے بازی ہوتی ہو، کیونکہ ان ڈراموں کے ذریعے بچوں کو غلط افکار سکھائے جاتے ہیں، وہ ڈرامے سیاست پر مبنی ہوتے ہیں، ممکن ہے نوجوان طلبہ ان سے باخبر نہ ہوسکیں، اسے عام بات سمجھیں، مگر معاملہ ویسا نہیں ہوتا جیسا وہ سوچ رہے ہوتے ہیں۔ ان ڈراموں کے پس پردہ انکے بڑے مقاصد اور مذموم ارادے ہوتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

سوال نمبر ۴۵:

سائل کہتا ہے کہ فلاں کے پاس میرے حقوق ہیں اور وہ دینے سے انکار کر رہا ہے، اور عدالت بھی جانے سے انکار کر رہا ہے، اور حکومت اس سے میرا حق دلا بھی نہیں پا رہی ہے، اب میں کیا کروں؟

جواب:

سائل کا کہنا ہے کہ حکومت اس ظالم سے میرا حق دلانے سے عاجز ہے، سوال یہ ہیکہ کیا کوئی کہانی بیان کر رہے ہو یا حقیقت نقل کر رہے ہو؟

اگر وہ شخص جس پر آپ کا حق بنتا ہے وہ عدالت جانے منع کرتا ہے، تو اسکے لئے اس ملک میں کسی کو عدالت لے جانے کیلئے جو پروسیزر ہے اسے فالو کیوں نہیں کرتے؟

یہاں ہر کوئی جانتا ہے کہ اسکے لئے پہلے آپ کو پولیس محکمے کے اندر شکایت درج کرانی ہے، پھر پولیس اس شخص کو عدالت لے جانے کا ذمیدار ہوگی۔ یہ بہت ہی واضح ہے۔

یہاں پر آپ کو سب سے پہلے تھانے میں شکایت کرنا ہوگا، پھر پولیس اسے عدالت تک لے جائے گی اور آپ کا حق دلائے گی، اور آپ کا یہ کہنا کہ یہاں کی حکومت بھی حق دلانے سے عاجز ہے یہ صحیح نہیں ہے، آپ نے حقیقت کے خلاف لکھا ہے، مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں آپ تحریکیوں سے متاثر تو نہیں ہو گئے ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ یہاں پر کمیٹی برائے حقوق کی ضرورت ہے، اسلئے کہ یہاں پر لوگ اپنے حقوق کیلئے ایک عدالت سے دوسری عدالت تک گھومتے رہتے ہیں یہاں تک کہ بادشاہ تک پہونچ جاتے ہیں، لیکن اگر حقوق کی کمیٹی ہو تو مظلوم کو جلد انصاف مل جائے۔

یہ ان کا پروپیگنڈا ہے، بالکل اسی طرح جیسے کسی چیز کو پروموٹ کرنے کیلئے پروپیگنڈا کیا جاتا ہے، یا کسی جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کیلئے پروپیگنڈا کیا جاتا ہے، ورنہ یہ تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ آپ کئی عدالتوں سے ہو کر بادشاہ وقت تک پہونچ جائیں اور آپ کو انصاف ہی نہ ملے، اور الگ سے ایک کمیٹی تشکیل

دیں جوانصاف دلادے۔

ہمیں دراصل حکمت اور عقل سے کام لینا ہوگا،کیا یہ ممکن ہے جو کام عدالتیں اور پولیس محکمے نہ کر پائیں وہ کام انکی بنائی ہوئی کمیٹی کردے گی؟!!

میں سائل سے یہی کہوں گا کہ وہ حقیقت کا مطالعہ کرے اور سنجیدہ بنے، اپنے دل ودماغ سے سوچے دوسروں کے دھوکے میں نہ آئے، ہم سب اسی ملک میں رہتے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ سائل کی بات کی کوئی تصدیق کرے گا کہ اگر کسی پر کسی کا حق بنتا ہے تو حکومت بھی اسکا حق دلانے سے عاجز آجائے گی!

اگر آپ واقعی سنجیدہ ہیں تو پھر کوئی مسئلہ نہیں ہے،لیکن اگر دھوکے میں ہیں یا واقعی تشویش دلانے والے تحریکی ہیں تو پھر اپنی ضمیر اور عقل کا مراجعہ کریں، یہ ہمارے لئے بالکل جائز نہیں ہے کہ ہم لوگوں کو تشویش میں ڈالیں، معاملات کو ان پر مشکوک بنائیں بالخصوص اس ملک کے اندر کہ جہاں پر حکومت کی طاقت وقوت کی گواہی ایک غیر مسلم بھی دے گا،اور یہ یہاں پر حقوق ضائع نہیں ہوتے۔

آپ یہاں پر باہر سے آنے والے عمال سے پوچھو کہ وہ اس ملک میں رہ کر کیسا محسوس کرتے ہیں؟ وہ بتلائیں گے کہ یہ حکومت بہت مضبوط ہے اور یہاں کا پولیس محکمہ بھی بہت قوی ہے، یہاں کوئی قتال اور خونریزی نہیں ہے،کوئی کسی کا روپیہ لوٹ نہیں سکتا، اور بہت سے جرائم جنہیں دوسرے ممالک میں دن کے اجالے میں دھڑلے سے انجام دیئے جاتے ہیں یہاں پر ناپید ہیں۔اسکے باوجود آپ کہتے ہیں کہ حکومت حق دلانے سے عاجز ہے!! یہ واقع حال کے بالکل خلاف بات ہے۔

طلبہ سے مطلوب یہ ہیکہ سوال بالکل واضح اور سنجیدہ ہوں،اور بعض بیوقوف یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اگر یہاں کے حکام کے بارے میں خیر کی دعاء کردو، ان کے تعلق سے اچھی بات کردو، یا یہ کہہ دو کہ یہ اسلامی حکومت ہے تو وہ حکومت کا ایجنٹ ہے، یا درباری ملا ہے، ایسے لوگوں کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دو،

ایسی باتیں گرے ہوئے لوگ کرتے ہیں جن پر کوئی توجہ نہیں دیتا، ایسی ہی باتیں کہہ کر وہ توجہ کے طالب ہوتے ہیں۔

ہم دراصل حکومت کے ساتھ اپنی محبت اور وفاداری کو چھپاتے نہیں ہیں بلکہ علی الاعلان اسکا اظہار کرتے ہیں، اور یہ واجب بھی ہے، اور اللہ کا شکر ہے کہ ہم ایسے مسلم حکمرانوں کے ماتحت رہتے ہیں جو شریعت کا نفاذ کرتے ہیں اور کسی کی ملامت کا خوف نہیں رکھتے، ہم ان گرے ہوئے لوگوں کی سستی اور گری ہوئی باتوں پر دھیان نہیں دیتے۔

اور طلبہ اور اہل علم کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ ان گری ہوئی باتوں کی طرف توجہ نہیں دینی چاہئے، انہیں علی الاعلان دعوت کا کام کرنا چاہئے، حکام اور رعایا کے درمیان تقارب کی ہمیشہ کوشش کرنی چاہئے، انہیں حکام کے خلاف بھڑکانا نہیں چاہئے، اور نہ ہی حکام سے انہیں ڈرانا چاہئے، بلکہ ایک دوسرے سے قریب کرنے میں کوشش کرنی چاہئے، اور ہماری یہی کوشش ہوتی ہے، ساتھ میں ہم حکام اور رعایا کی اصلاح کیلئے دعاء بھی کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۴۶:

سائل کہتا ہے کہ لیکچر کے دوران آپ نے کہا ہے کہ اخوانی جماعت کے ساتھ آپ کا تجربہ رہا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس جماعت پر کچھ روشنی ڈالیں تا کہ ہم نوجوان آپ کے تجربے کچھ مستفید ہو جائیں، جزاکم اللہ خیرا۔

جواب:

الحمدللہ رب العالمین، والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وأصحابہ، وبعد:

اخوانی جماعت کے ساتھ میرے تجربے کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ تجربہ جس میں میں اکیلا ہوں، اور دوسرا وہ تجربہ جس میں آپ لوگ بھی شریک ہیں۔

پہلی قسم:

جب میں جوان تھا اس وقت جماعت کے داعیوں کی پوری کوشش تھی کہ میں ان کی جماعت کا ممبر بن جاؤں اور اسکے لئے انہوں نے ہر قسم کے وسائل اور ہتھکنڈوں کا استعمال کیا، انہیں کوششوں میں سے ان کی ایک کوشش یہ بھی تھی کہ انہوں نے مجھے ایک دن ایک بڑے شہر میں لے جا کر اپنے کسی بڑے رہنما سے ملاقات کروائی، اسکے لئے پورے دن سفر کیا، اس وقت میں کچھ کچھ ان کی طرف مائل بھی ہو گیا تھا، جب ہم اس آدمی کے پاس پہونچے جوان لوگوں کا ایک طرح سے بوس یعنی اس خطے کا بڑا سرغنہ تھا، ایک بڑی مجلس پر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھا ہوا تھا، بغل میں ایک میز تھی جس پر سگریٹ کی راکھ کافی مقدار میں پڑی ہوئی تھی، میں نے دل میں کہا: یہ پہلا پوئنٹ ہے۔

جب ہم وہاں بیٹھ گئے، اور اس بیٹھک میں اس آدمی کے ساتھ صرف میں اور مجھے لے جانے والا یہی کل تین لوگ تھے، اسی دران ایک نوجوان داخل ہوا جو داڑھی شیو کر کے رکھا تھا لگتا تھا ابھی ابھی سیلون سے نکل کر آیا ہے، میں نے سمجھا یہ کوئی اجنبی شخص ہے مگر بتایا گیا کہ یہ جماعت ہی کے خواص میں

سے ہے، میں نے دل میں سوچا یہ دوسری پوائنٹ ہے۔ اگر یہ خواص کا حال ہے تو پھر یہ دعوت کس چیز کی دیتے ہیں؟ یہاں تو بڑے بڑوں کا یہ حال ہے کہ وہ خود دعوت کے مستحق ہیں، سگریٹ نوشی کرنے والے ان کے رہنما ہیں کلین شیو نوجوان انکے خواص میں سے ہیں، پھر دعوت کس کو دیتے ہیں؟

بہرحال مجلس ختم ہوگئی، ہم وہاں سے واپسی کیلئے نکل گئے، راستے میں ساتھی سے میں نے پوچھا: آپ لوگ دعوت کا کام کس لئے کرتے ہو؟

اس نے کہا: آپ کو ابھی اخوان کے منہج کا پتہ نہیں ہے، اخوان کے منہج میں یہ شامل ہے کہ وہ ابھی کوئی سوال نہیں کرسکتے، اور منکرات پر اعتراض نہیں کرسکتے، نہ ہی فسق وفجور پر، نہ ہی شراب نوشی پر، نہ ہی بے پردگی پر اور نہ ہی کسی دوسرے معصیت کے کاموں پر، ہماری کوشش خلافت عامہ کے قیام کی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ پوری دنیا میں اسلامی حکومت قائم ہوجائے، اور پوری روئے زمین ہمارے قبضے میں آجائے۔

وہ لوگ عثمانی سلطنت کی بڑی تعریف کررہے تھے جبکہ انہیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ اس حکومت کے اندر کیا کیا خرابیاں تھیں، واللہ المستعان۔

بہرحال وہ کہہ رہا تھا کہ جب ہم خلافت عامہ قائم کرلیں گے تو اس وقت اصلاح کا کام کریں گے، شراب حرام ہوگا، بے پردگی حرام ہوگی، داڑھی شیو کرنا حرام ہوجائے گا، مگر ابھی ہم کچھ نہیں بول سکتے۔

میں نے کہا: کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، ہوکر رہے گا، میں نے کہا: یہ میری آپ سے آخری ملاقات ہے، اب میرے پاس مت آنا۔

اسلام کا یہ منہج نہیں ہے، اسلام کے اندر ہر چیز میں اصلاح کی جاتی ہے، اسلام میں سب سے پہلے اصلاح ہی کی جاتی ہے، اور سب سے پہلے عقیدے کی اصلاح کی جاتی ہے، اور آج کل مسلمانوں کا عقیدہ بگڑا ہوا ہے، مسلمانوں کے اندر بت پرستی، مزار پرستی اور شرک کی تمام قسمیں پائی جاتی ہیں۔

کیا ہم ان ساری چیزوں کو نظر انداز کر کے حکومت قائم کرنے کی کوشش میں لگ جائیں، اور دین اسلام کو ایک کھوکھلا شعار اور نعرہ سمجھ لیں، جس پر کوئی عمل نہ ہو، اس طرح ہم لوگوں کو صرف دھوکہ میں رکھیں، اسلام کے نام پر ایک بڑا ہورڈنگ لٹکا دیں مگر اس پر عمل نہ ہو۔

سچ کہا ہے ان کے بعض رہنماؤں نے کہ ہم پارلیمنٹ تک پہونچنے کیلئے اصل کوشش کر رہے ہیں، گویا یہ اسلام کو ایک سواری کے طور پر استعمال کر رہے ہیں جیسے ہی یہ پارلیمنٹ تک پہونچ جائیں گے سواری کو چھوڑ دیں گے، بلکہ دھتکار دیں گے، ان کے نزدیک اسلام کی یہی حقانیت ہے، بلکہ یہ اسلام کے ساتھ ایک بھونڈا مذاق ہے، یہ اسلام کو سیاسی گلیاروں تک پہونچنے کیلئے ایک وسیلہ اور سواری کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

یہ وہ تجربات ہیں جن میں آپ لوگ شریک نہیں ہیں۔

دوسری قسم:

وہ تجربات جن میں آپ لوگ میرے ساتھ شریک رہے ہیں، جب روافض کا ظہور ہوا اور انکی حکومت قائم ہوگئی، اس وقت اخوانی رہنماؤں نے کیا کیا؟ اس ملک کو چھوڑ کر ہر ملک سے یہ سفر کر کے ایران گئے، اور روافض کے رہنماؤں کو مبارکبادی دیا، ان کی پیشانیوں کو جا کر چوما، وہاں سے یہ وصیت لیکر واپس آئے کہ ہر ایک کو اپنے ملک میں خمینی بننا ہے، چنانچہ آپ یہ جان لیں کہ جس وقت روافض نے مسجد حرام کے اندر تخریب کاری مچائی تھی اور حرمین کے ساکنین پر ظلم وزیادتی کی تھی اور حجاج کرام کے ساتھ برا سلوک کیا تھا اس وقت یہ اخوانی ان خبیث روافض کے ساتھ تھے، اس وقت یہ ان کے ساتھ دوستی کر رہے تھے، بلکہ کچھ ایسی تصویروں نے اسے ثابت کیا جنہیں اس دوران لیا گیا تھا، اور اسی طرح جب اخوانیوں نے روافض کے مقتولین پر جنازہ کی نماز پڑھی اور انہیں شہید کہا۔

خمینی کے ساتھ یہ ایک زمانے تک رہے، پھر سیاست نے کایا پلٹی اور یہ اپنی عادت کے مطابق

بغداد والے کے ساتھ ہو گئے، اور طہران والے کی تکفیر کر دی، اس طرح انہوں نے طہران چھوڑ کر بغداد کو اپنا قبلہ بنالیا، اور صدام کی درباری کرنے لگے، اسے صلاح الدین ایوبی، مجاہد کبیر اور مصلح عظیم جیسے القاب سے نوازا، اس نے کویت کو برباد کیا، خلیج اور سعودی حکومت کی بربادی کا عزم کیا مگر اخوانیوں نے ان سب کو اصلاح کا نام دیا، اور بیت المقدس فتح کرنے کا آغاز بتلایا، اس طرح ان کا بیت المقدس کویت بن گیا، یہی کیا ہے اخوانیوں نے، اور آج تک یہ یہی کر رہے ہیں، ابھی کچھ دنوں پہلے ایک میگزین میں باقاعدہ (صدام کے دفاع میں) کے عنوان سے باقاعدہ صدام حسین کا انہوں نے دفاع کیا ہے۔

ان کی یہی تاریخ رہی ہے کہ جب سے یہ پیدا ہوئے ہیں اسی وقت سے یہ مجرموں اور تخریب کاروں ہی کا ساتھ دیتے ہیں، یہاں بھی انکا کام یہی ہے کہ ہمارے نیک نوجوانوں کو یہ شیطانی ہتھکنڈوں کے ذریعے ہمیشہ پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے بھولا پن کا یہ پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ان کی تنظیم جزائر اور ٹیونس یا جہاں کہیں بھی ظاہر ہوتی ہے تو اسکا نام اسلامی تحریک رکھ دیتے ہیں حالانکہ وہ جاہلی تخریب ہوتی ہے، جو صرف پارلیمنٹ کی طرف دعوت دیتی ہے، جبکہ پارلیمنٹ کفر ہے، الجزائر کے اندر عباس مدنی نے کبھی بھی اسلامی حکومت کے قیام کی طرف دعوت نہیں دی ہے، اس نے ہمیشہ پارلیمٹ کی طرف دعوت دی ہے اور الیکشن کی مہم چلائی ہے۔

یہاں کے پارلیمنٹ میں فرانسیسی قانون پر عمل ہوتا ہے، جتنے عباس مدنی اس پارلیمنٹ تک پہونچتے ہیں وہ فرانسیسی قانون کے مطابق حکومت کرتے ہیں۔ اور اگر فرانسیسی قانون پر عمل نہیں کریں گے تو خود اسی پارلیمنٹ میں بیٹھ کر قانون بنائیں گے۔

میں طلبہ سے پوچھتا ہوں کہ پھر بیروی کفریہ قانون اور دیسی قانون میں کیا فرق ہے؟

جواب: دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

وضعی قوانین خواہ وہ بیرونی ہوں یا ملکی دونوں کفریہ قانون ہیں دونوں کے اندر کوئی فرق نہیں ہے،

اسی طرح اگر دیہات کے اندر جو عادات وتقالید پر مبنی قوانین کے مطابق فیصلے کئے جاتے ہیں اگر ان کے مطابق بھی حکومت کی جائے اور تحلیل وتحریم میں انہیں کی پیروی کی جائے تو وہ قانون بھی طاغوتی ہوگا، اسلئے یہ جان لیں کہ وحی کی روشنی میں حکومت نہ کرنے کا مطلب صرف وہ وضعی دستور ہی نہیں ہیں جنہیں باہر سے لیا جاتا ہے، بلکہ اس میں دیہاتی رسوم وتقالید بھی آجائیں گے اور وہ قوانین بھی آجائیں گے جنہیں مسلمان پارلیمنٹ کے اندر خود بناتے ہیں، اور اپنی نسبت اسلام کی طرف کرتے ہیں، مگر اسلامی قوانین کو نہ مان کر اپنی طرف سے وضع کرتے ہیں، ان قوانین کے اندر اور فرانسیسی اور انگریزی قوانین کے اندر کوئی فرق نہیں ہے، سب غیر شرعی قانون کے حکم میں ہوں گے اور سب کفریہ قانون ہوں گے۔

ان کے ساتھ یہ میرے کچھ تجربات تھے، انہوں نے آج تک اپنے منہج میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی ہے، آج بھی وہ اسلامی دعوت کے دشمنوں کا ساتھ دیتے ہیں، اسلام کے ساتھ انکا تعلق محض سیاسی ہے، انکے یہاں اسلام بھی سیاسی ہے، اور انکی سیاست میں عوام کو بیوقوف بنانا شامل ہے۔

ان کے نزدیک واجب ہے کہ جمہور جاہل رہیں، نہ تعلیم سے دور رہیں، عوام کے تعلق سے انکی سوچ بالکل روافض جیسی ہے کہ جسطرح وہ ایک جاہل بھیڑ اکٹھا کرنے کے حق میں ہیں اسی طرح یہ اخوانی بھی چاہتے ہیں بلکہ یہ ان کے اہم مقاصد میں شامل ہے۔ اور کیا آپ کو پتہ ہے کہ روافض کے عوام سب سے بڑے اور زیادہ جاہل ہوتے ہیں؟ کیونکہ وہ اپنے علماء کی اطاعت کو واجب سمجھتے ہیں، جبکہ ہماری عوام ایسا نہیں سمجھتی ہے، اور علماء کی اطاعت کو واجب سمجھنا صرف روافض کے یہاں ہے، اور یہی عقیدہ اخوانیوں کے یہاں منتقل ہوگئی ہے، چنانچہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سب پر اخوانی رہنماؤں کی اطاعت کرنا واجب ہے، اور عوام بالکل جاہل رہے تا کہ رہنماؤں کی اندھی اطاعت کرے۔

اختصار کے ساتھ اس قوم کی یہی حقیقت ہے۔

سوال نمبر ۴۷:

غیبت کا کیا حکم ہے؟ اور کیا شخصیات کو پرکھنے کیلئے انکے محاسن کو چھوڑ کر صرف انکے عیوب اور غلطیوں کو بتانا درست ہے؟ اور کیا انکی غلطیوں کا ذکر کرنا غیبت ہے؟

جواب:

یہ بہت ہی عظیم مسئلہ ہے، یہ ایک فقہی مسئلہ ہے، امید ہیکہ طلبہ معیار طے کرنے اور آگاہ کرنے میں فرق ہے، اور جو لوگ اسلام پر عقیدے اور شریعت کے اعتبار سے حملہ کرتے ہیں، کتب عقیدہ پر حملہ کرتے ہیں ایسے لوگوں کے تعلق سے میرا موقف دفاعی ہے نہ کہ معیار قائم کرنے کا موقف، یہاں ہم لوگوں کا معیار قائم کرنے نہیں آئے ہیں کہ انکی نیکیوں اور گناہوں کا پتہ لگائیں، ہم عقیدہ اور دین اسلام کا دفاع کر رہے ہیں، یہ لوگ دراصل تجدید کے نام پر دین اسلام میں تبدیلی لانا چاہتے ہیں اور پھر خود کو مجدد کہتے ہیں حالانکہ یہ مبدلین یعنی دین کو بدلنے والے ہیں، عقیدہ پر نقد کرتے ہیں اور لوگوں کو اس سے متنفر کرتے ہیں، چنانچہ ایسے لوگوں پر کلام کرنا غیبت نہیں ہے، بلکہ نصیحت ہے۔

یہ نصیحت نوجوانوں کو اور تمام مسلمانوں کو ہے، اس میں دین اسلام، کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے ساتھ خیر خواہی ہے؛ کیونکہ یہ لوگ دین اسلام پر طعن وتشنیع کرتے کرتے رب العالمین اور اسکے اسماء وصفات تک پہونچ جاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ پر نقد کرنے لگتے ہیں، بلکہ صحابہ کرام پر بھی اپنی تنقیدی تیروں کو پھیلا دیتے ہیں اور مسلمانوں کو انکے عقیدے سے متنفر کر دیتے ہیں۔

ایسے لوگوں پر کلام کرنا جرح وتعدیل کے بات سے قریب تر ہے، چنانچہ علمائے جرح وتعدیل مسلمانوں کیلئے خیر خواہ تھے، سنت رسول ﷺ کیلئے خیر خواہ تھے، سنت کا دفاع کرنے والے تھے، ہم نے جتنا کچھ آج کے معاندین سنت کے بارے میں کہا ہے اس سے کہیں زیادہ علمائے جرح وتعدیل نے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے والوں کے بارے میں کہا ہے۔

چنانچہ ان کذابین اور وضاعین کے بارے میں انہوں نے مختلف القاب واسماء کا استعمال کیا ہے، ان کے بارے میں کہا کہ فلاں کذاب ہے، فلاں وضاع ہے، فلاں مدلس ہے، فلاں رافضی خبیث ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے والوں کے خلاف اس طرح کے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔

اور جیسا کہ معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اکثر جھوٹ بولنے والے شیعہ ہیں، پھر صوفیاء، یہ صوفیاء رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے میں دوسرے نمبر پر ہیں۔

صوفیاء جھوٹ بولتے ہیں مگر اپنے جھوٹ بولنے کو جائز بھی ٹھہراتے ہیں یہ کہہ کر کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے خلاف جھوٹ نہیں بول رہے ہیں بلکہ آپ ﷺ کیلئے جھوٹ بول رہے ہیں۔

یہ تو بڑی تعجب کی بات ہے! کیا رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ ﷺ کیلئے جھوٹ بولا جائے!!!

دین کو اللہ تعالی نے حجۃ الوداع ہی میں مکمل کر دیا، چنانچہ اب اگر کوئی آ کر دین میں جھوٹ بولے اور کہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کیلئے جھوٹ بول رہے ہیں تو یہ مقبول نہیں ہوگا بلکہ یہ جھوٹ ہی ہوگا۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ ان لوگوں کے بارے میں ہمارا کلام کرنا غیبت نہیں ہے اور نہ ہی انہیں مشہور کرنا اور ان پر نقد کرنا مقصد ہے، بلکہ ہم تو تمنا کرتے ہیں کہ کاش یہ ہدایت پر آجاتے اور اپنے اس گمراہ کن موقف سے رجوع کر لیتے، اور میں نے یہ ذکر کیا ہے کہ ان میں سے میں بعض ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو پہلے صحیح راہ پر تھے، پھر منحرف ہو گئے، اور اسلام کے خلاف ایک جنگ چھیڑ دی، اسلئے اب میں ان سے اللہ کی خاطر نفرت کرتا ہوں، اور اب میرے اوپر واجب ہے کہ میں ایسے لوگوں کے شر وفساد سے بچانے کیلئے نصیحت کروں، اور لوگوں کو انکی تحریروں اور کیسٹوں سے نفرت دلاؤں، اور اس تعلق سے جو بھی خیر خواہی ہو سکتی ہے وہ میں کروں۔

اور جہاں تک یہ بات کہ لوگ اسے غیبت سمجھتے ہیں تو معلوم رہے کہ یہ غیبت نہیں ہے۔

سوال نمبر ۴۸:

سائل کہتا ہے کہ جو لوگ جماعتوں کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں ہم انہیں کس طرح دعوت دیں؟ اور ان کے ساتھ ہمارا تعامل کیسا ہونا چاہئے؟

جواب:

میں سمجھتا ہوں کہ علمی گفتگو کی روشنی میں بغیر کسی لڑائی اور دشمنی کے انہیں دعوت دینی چاہئے، علمی مناقشہ ہو، نرم برتاؤ کیا جائے، اور یہی مطلوب بھی ہے، مگر یہ نرم برتاؤ مداہنت اور چاپلوسی میں تبدیل نہ ہو، بس ان کے ساتھ اچھی باتیں اور اچھا معاملہ رکھنا چاہئے تاکہ وہ آپ کے قریب آئیں اور آپ کی باتیں ناصحانہ طور پر سن سکیں۔

دشمنی اور نفرت دعوت کے اسالیب کے خلاف ہے؛ اسلئے کہ وہ بھی اپنے عمل سے اسلام پر عمل کرنا ہی چاہتے ہیں، مگر غلط منہج پر ہیں، آپ انکی تصحیح کرنا چاہتے ہیں، اور جو ایسا کرنا چاہے اسے کسی سے دشمنی نہیں کرنا چاہئے بلکہ کوشش یہی رہے کہ اسکی غلطی درست ہو جائے۔

اور جہاں تک جماعتوں کا تعلق ہے تو ان سے ہم اس وقت پریشان ہیں، ان پر بہت گفتگو ہونی چاہئے، چنانچہ سوال یہی ہے کہ ہم سب جماعۃ المسلمین کا حصہ ہیں، ہم سب ایک ہی منہج کو مانتے ہیں ہم سب مسلمان ہیں، طلبہ ہیں ایک ہی منہج پڑھتے ہیں ہماری جماعت ایک ہی ہے، پھر الگ سے جماعت تشکیل دینے کی کیا ضرورت ہے؟

کچھ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اختلاف محض منہج عمل اور طریقہ کار میں ہے عقیدے میں نہیں، ہم صرف طریقہ کار میں اختلاف کرتے ہیں، اور ہمارا طریقہ کار آپ کے طریقہ کار سے زیادہ بہتر اور کارگر ہے، اور دوسرے لوگ ان کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نہیں، ہمارا منہج اور طریقہ کار آپ کے منہج سے بہتر ہے، پھر آپس میں آوازیں بلند ہوتی ہیں اور لڑائی شروع ہو جاتی ہے، ساتھ ہی حقیقت اسی میں گم ہو جاتی

ہے، کیونکہ اس وقت لوگ حقائق نہیں اپنے منہج کو دیکھتے ہیں۔

اور جو جماعتوں اور فرقوں کی طرف منسوب ہوتے ہیں ان پر تقلید غالب ہوتی ہے، اور اکثر وہ لوگ اندھی اطاعت کے قائل ہوتے ہیں؛ اس لئے کہ اکثر جماعتیں اپنے پیروکاروں پر اندھی اطاعت کو فرض کر دیتی ہیں، بالکل اسی طرح جیسے روافض اپنے فقہاء کیلئے کرتے ہیں، اور پھر اپنے اماموں کو معصومیت کے درجہ تک پہونچا دیتے ہیں، بعض جماعتوں میں بالکل یہی موقف پایا جاتا ہے۔

یہ اپنے مرشدوں اور رہنماؤں کی اندھی اطاعت کرتے ہیں، انکی تقدیس کرتے ہیں، اور پیروکاروں پر انکی اطاعت فرض کر دیتے ہیں، کہتے ہیں: یہ دعوت کا اسلوب ہے، اور جب تک اس جماعت کے پیروکار اندھی اطاعت نہیں کریں گے اس وقت تک دعوتی عمل پورا نہیں ہوگا، ممکن ہے کچھ لوگ یہاں پر ہوں جو اپنے اوپر اس طرح کی اندھی اطاعت فرض سمجھتے ہوں، اور اسی اندھی اطاعت پر بیعت بھی کر رکھی ہو۔

چنانچہ اس اندھی اطاعت کے بعد پیروکاروں پر یہ مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ حقیقت پسند بنیں، وہ کبھی بھی اپنے رہنماؤں کی غلطی نہیں پکڑ سکتے، وہ انکی ہر بات مانیں گے خواہ وہ سراسر غلط ہی کیوں نہ ہو، یہی انکی غلطی ہے، یہ اپنی عقل و دانش تک بیچ دیتے ہیں، سوال یہ ہیکہ اپنی عقل کو کیوں بیچتے ہو؟

میں جس جماعت کی بات کر رہا ہوں یہ لوگ اسی طرح لوگوں کے قریب ہونے کی کوشش کرتے ہیں، پھر ان پر اندھی اطاعت فرض کر دیتے ہیں، اور دوسرا کام یہ کرتے ہیں کہ نوجوانوں کو علمی دنیا سے دور کرتے ہیں کہ وہ نہ وعظ و نصیحت سنیں، نہ ہی دینی خطابات اور نہ ہی دینی تعلیم حاصل کریں، نہ ہی شرک و بدعات اور توحید و عقیدہ کا درس لیں بلکہ صرف اسی لٹریچر کو پڑھیں جو انہیں تھمایا جائے۔

یہ سارے نفرت والے اسالیب اپناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تیاری اور تربیت کے دور سے گزر رہے ہیں اور اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب پوری دنیا پر خلافت عامہ قائم ہوگی۔

نوجوانو! یہ دعوت کا طریقہ نہیں ہے، یہ گمراہ کرنا ہے، یعنی ابھی آپ اسلامی کاز کو چھوڑ دیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کنارہ کش ہو جائیں کسی کو نصیحت نہ کریں، بلکہ ابھی صرف اپنی جماعت کو بڑھانے کیلئے زیادہ سے زیادہ بھیڑ اکٹھا کریں، پھر جب یہ جماعت مخلص ہو جائے تو ایک دن جہاد کا اعلان کریں تاکہ پوری دنیا پر اسلامی جھنڈا لہرا دیں، دوستو! یہ ایک خواب ہے، جھوٹی آرزو ہے، نوجوان اسی آرزو میں پوری زندگی ختم کر دیتے ہیں، ستر کی دہائی میں جو لوگ یہ نعرہ لگا رہے تھے، ان میں سے بہت سے چل بسے اور کچھ اپنے گھر واپس آگئے، کیونکہ اب وہ بزرگ ہو چکے انکا کام ختم ہو گیا، اب دوسرے لوگ میدان میں آئے ہیں اور یہی نعرہ لگا رہے ہیں، ان کا بھی آرزو جب پوری ہو جائے گی تو یہ بھی بیٹھ جائیں گے اور تیسری نسل آئے گی، اور اسی طرح یہ کرسی کے حصول میں نوجوانوں کو استعمال کرتے رہیں گے۔

نوجوانو! آپ نے انہیں ابھی دیکھا ہے، ہم زمانے سے ان کے بیچ میں رہے ہیں، اور دیکھتے آئے ہیں، ہم نے تجربہ بھی کیا ہے، یہ اسلام کے داعی نہیں ہیں، اور نہ کبھی ہو سکتے ہیں، ان کا مقصد سیاسی تحریک پیدا کرنا ہے، لوگوں کے اندر سیاسی جذبہ پیدا کرنا ہے، اور یہ کام پوری پلاننگ اور بڑی دوراندیشی سے کرتے ہیں، چنانچہ اسکے لئے یہ سب سے بڑا ہتھیار یہ استعمال کرتے ہیں کہ حکمرانوں اور ذمیداروں کو برا بھلا کہا جائے، ان پر طعن و تشنیع کیا جائے، ان پر سے لوگوں کا اعتماد ختم کیا جائے جس طرح سیاسی پارٹیاں ایک دوسرے کے خلاف کرتی ہیں۔

اس طرح یہ نوجوانوں کو فتنوں میں ڈال دیتے ہیں، اور جب یہ انکے چنگل میں اچھی طرح پھنس جاتے ہیں تو انکی اندھی اطاعت کرنے لگتے ہیں اور پھر انکے مقاصد کو پورا کرتے کرتے جیل تک پہونچ جاتے ہیں، اور انکے رہنما اور سرغنہ لوگ بیرون ممالک فرار ہو جاتے ہیں اور میڈیا ہاؤس میں بیٹھ کر انہیں نوجوانوں کی تجارت بھی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نے بہت قربانیاں دیں ہمارے نوجوان

ساتھی جیلوں میں ڈالے گئے، ہم نے یہ کیا اور وہ کیا، پھر وہ انہیں قید شدہ نوجوانوں کے نام پر عالمی پیمانے پر چندہ بھی کرتے ہیں، یہی انکا طریقہ ہے اور یہی انکی زندگی ہے، (اور اگر یہ کامیاب ہوجاتے ہیں تو حکومت میں آکر من مانی کرتے ہیں اور ملک کو لوٹ کر پہلے سے بری حالت میں پہونچادیتے ہیں-مترجم)، یہ اسلامی دعوت نہیں ہے، یہی حال اکثر جماعتوں کا ہوتا ہے۔

صحیح یہ ہیکہ ہر مسلمان اسلامی دعوت کا ذمہ دار ہے، جماعتوں کو چھوڑو، اپنے اسلوب، اور اپنے فہم کے اعتبار سے کتاب وسنت کی روشنی میں دعوت کا کام کرو، مسلمانوں کی عام جماعت کا حصہ بن کر رہو، بٹنے والی جماعتوں کی طرف اپنی نسبت نہ کرو، اسی جماعت کے ساتھ رہو جس پر صحابہ کرام قائم تھے، ان جماعتوں سے اپنا رشتہ کاٹ لو جو اس بعد میں دھیرے دھیرے اسی صحابہ والی جماعت سے کٹ کر بنی ہیں، خواہ وہ خوارج کی جماعت ہو، یا قدریہ کی، یہ پھر دیگر جماعتیں ہوں۔

اسی لئے میری نصیحت ہے اور تجربے کی بات کہہ رہا ہوں کہ کسی تحریک اور جماعت سے نہ جڑو، اسلامی کاز کرنا ہے تو اسی منہج کے اعتبار سے کرو جسے پڑھ رہے ہو، یہ اسلامی منہج ہے، مسلمانوں کی عام جماعت کا منہج ہے، اسی پر قائم رہو۔

ہاں اگر مسلمان کسی کافر ملک میں اقلیت میں رہ رہے ہیں اور وہاں اسلامی مرکز یا اسلامی جماعت کی تشکیل دیتے ہیں تاکہ اسے مرکز بنا کر اسلامی کاز کرسکیں تو یہ معقول امر ہے لیکن یہ خیال رہے کہ وہاں بھی مختلف جماعتیں نہ بنائی جائیں کہ جس سے آپسی اختلافات رونما ہوں۔

اور جہاں تک اسلامی ملکوں میں اسلامی جماعتوں کی تشکیل کا مسئلہ ہے تو یہ سیاسی کھیل ہوگا، یہاں دعوتی کاز نہیں ہوگا مجرد چیخ و پکار ہوگی، ڈرامے اور گیت دیکھے اور سنے جائیں گے، اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی ان پر اس قدر صراحت سے حکم لگائے گا، لیکن میں مجبور ہوں ایسا حکم لگانے پر کیوں کہ مجھے علم ہے کہ بعض نوجوان ساتھی جو یہاں موجود ہوں گے یا کچھ غائب ہوں گے وہ ایسی جماعتوں سے دھوکے میں پڑے

ہوئے ہیں، محض اسلئے کہ ایسی جماعتوں کے پروپیگنڈے میں پھنس چکے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اسلامی دعوت کا طریقہ وہی لوگ جانتے ہیں، وہ عالمی پیمانے پر دعوت کا کام کرتے ہیں، اسلئے اسی جماعت میں رہنا ضروری ہے، اس لئے میں نے صراحت سے اس پر کلام کیا ہے تاکہ ایسی جماعتوں سے آپ لوگ دھوکے میں نہ رہیں، انکا مقصد اسلامی دعوت نہیں بلکہ صرف کرسی کا حصول ہے۔ وباللہ التوفیق۔

سوال نمبر ۴۹:

سائل کہتا ہے کہ آپ نے ذکر کیا کہ مناسب یہ ہیکہ سلفی نرم رویہ اختیار کریں، بعض سلفی اس نرمی کا مفہوم یہ بتارہے ہیں کہ اگر ہم کسی علمی دورے پر باہر نکلیں تو گیت وغیرہ سن سکتے ہیں، کیونکہ اگر یہ دورہ شروع سے آخر تک ذکرو اذکار ہی پر مشتمل رہے تو اس میں بوریت، خشکی اور سستی محسوس ہوگی اور نوجوان متنفر ہوں گے؟

اسلئے ہم چاہتے ہیں کہ اس مرونت اور نرمی کی آپ وضاحت فرمادیں کہ کیا اس سے یہی مقصود ہے جسے بعض سلفی مراد لے رہے ہیں یا اس سے کچھ اور مراد ہے؟

جواب:

اہل علم کا کہنا ہے کہ ہر مقام کیلئے ایک مناسب بات ہوتی ہے، اور آپ نے مجھ سے یہ بات سنی ہوگی کہ (مناسب ہے کہ ہم نرمی برتیں)، اس وقت ہم ایک معین موضوع پر گفتگو کر رہے تھے، چنانچہ اس وقت کچھ ایسی جماعتیں اور احزاب قائم ہو چکی ہیں جو اپنی نسبت اسلام کی طرف کرتی ہیں، مگر انکے مناہج اور افکار ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اور ان میں سے ہر کوئی خود کو اسلامی جماعت اور اسلامی تحریک کہتا ہے، ان میں تبلیغی بھی ہیں اور اخوانی بھی۔

ان میں سلفی بھی ہیں، جن کے بارے میں میں نے کہا کہ انہیں نرم رویہ اختیار کرنا چاہئے، یہاں اس سے مقصود یہ ہیکہ لقب (سلفیت) کے ساتھ متعصب نہیں ہونا چاہئے، چنانچہ کوئی ضروری نہیں ہم اسی لقب کو ہر جگہ استعمال کریں بلکہ اگر کہیں پر اسلامی جماعت یا اسلامی فرنٹ بھی کہنا پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ جوہر اور اصل موجود اور محفوظ رہے، منہج سے کوئی سمجھوتہ نہ ہو، اس وقت میری باتوں کو نوجوانوں نے سمجھا بھی تھا، چنانچہ اس نرمی کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ سلفی اپنے عقیدے اور منہج سے اور اپنے سلوک اور دعوت سے تنازل اختیار کرلیں، اور بھیڑ اکٹھا کرنے کے مقصد سے دوسری جماعتوں کے ساتھ

مداہنت اور چاپلوسی کی پالیسی اختیار کرلیں، یہ سلفیوں کا کبھی بھی ہدف نہیں رہا ہے نہ ہی قدیم میں اور نہ ہی موجودہ دور میں، ان کا مقصد صرف اصلاح رہا ہے۔

اور مرونت اور نرمی کا مطلب بھی یہی ہے کہ ایک سلفی داعی آسانی پیدا کرنے والا ہو، خوش خبری دینے والا ہو، نفرت اور سختی پیدا کرنے والا نہ ہو، اسی نرمی میں یہ بھی آئے گا کہ وہ لوگوں کے حالات وظروف کا لحاظ رکھے، اور جب لوگوں پر حکم لگائے تو تمام شبہات کا خیال رکھے، چنانچہ شبہات اور ظروف کی روشنی ہی میں کوئی حکم صادر کرے، ممکن ہے وہ جہالت یا کسی شبہہ کی بنیاد پر معذور رہو؟ اور یہ کہ اسکے لئے حق واضح نہ ہوا ہو؟

ان تمام امور کا ادراک کرنا اور انہیں سمجھنا ضروری ہے، اسکے بعد ہی حکمت اور بصیرت کے ساتھ کوئی حکم لگا سکتے ہیں، یہی مرونت اور نرمی کا مفہوم ہے، یہ بہت ہی وسیع لفظ ہے، اسکا کچھ بھی مفہوم لیا جاسکتا ہے مگر میں نے جو مفہوم لیا ہے اسے واضح کر دیا۔

❁❁❁

سوال نمبر ۵۰:

کیا مرونت اور نرمی سے یہ مراد لے سکتے ہیں کہ دوسروں کے بعض مناہج کو اختیار کرلیں، یا اس میں کہاں تک گنجائش ہے؟

جواب:

آپ نرمی کی تفسیر یہ کرنا چاہتے ہیں کہ سلفی دوسروں کے ساتھ ایسے امور میں متحد ہو جائیں جن میں کوئی شرعی محظور نہ ہو، مثلاً آپ چاہتے ہیں کہ جب لوگ زیادہ سوال و جواب سے بور ہو جائیں تو بیچ میں کوئی نظم یا گیت سنا دی جائے تا کہ اس سے لوگوں کا چہرہ کھل جائے، ایسی گیت جیسے ابن قیم نے حادی الارواح میں نقل کیا ہے یا ایسے قصیدے جو جہاد پر کہے گئے ہیں، یا جن کے اندر اخلاق کریمہ اور سخاوت وغیرہ پر ابھارا گیا ہے، یا جن کے اندر سنت کو مضبوطی سے تھامنے کا ذکر ہے، مطلب ایسا قصیدہ جو با معنی اور با مقصد ہو، مگر اس سے کوئی خاص مقصد وابستہ نہ ہو، مثلاً کوئی گنگنانے لگے:

الشرق لنا والغرب لنا ، والدنیا کلھا لنا

تو ایسا ہدف نہ ہو، کیونکہ مشرق و مغرب سب اللہ کا ہے، ہم اس کے بندے ہیں اس کے دین کے داعی ہیں، مگر یہ قصیدہ جس سے یہ بیت ماخوذ ہے بالکل سیاسی ہے، ہم لوگوں کو سیاست کی طرف نہیں بلاتے کہ انہیں سیاست میں الجھا دیں، کیونکہ جو سیاست میں پڑ جاتا ہے وہ ساری چیزوں سے غافل ہو جاتا ہے، اور پھر وہ اس سیاست کی خاطر جھوٹ، تملق، چاپلوسی اور وہ تمام وسائل اپناتا ہے جو غیر شرعی ہوں۔

اسی طرح کی سیاست میں آج کل بہت سے لوگ پڑے ہوئے ہیں، ہم نوجوانوں کو اور کسی کو بھی ایسے اسلوب کی طرف نہیں بلاتے، ہاں قصیدے وغیرہ اسی وقت مناسب ہے جب زیادہ کلام کی وجہ سے سستی آجائے، بوریت محسوس ہونے لگے تو سفر وغیرہ میں پڑھ لے تا کہ نشاط واپس آجائے، اور راستہ آرام سے کٹ جائے، اور اسکے لئے مناسب قصائد کا انتخاب کرے، ایسے قصائد جن کے اندر اسلامی معانی

ہوں، کسی جماعت کی طرف اس کا میلان نہ ہو، یا کسی بامقصد طریقے سے اسے کسی نے بنایا نہ ہو، اور اس سے کوئی سیاسی مقصد حاصل کرنا چاہتا ہو، بلکہ اس میں عام اسلامی معانی ہوں، تو ایسے قصائد کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر آپ نے نرمی اور مرونت سے یہی مراد لیا ہے تو پھر صحیح ہے، ہم بھی نرمی اور مرونت والے ہیں، ان شاء اللہ۔

۞۞۞

سوال نمبر ۵۱:

شیخ! ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو کہتے ہیں کہ فلاں فلاں جماعت کی طرف منسوب ہے، فلاں فلاں حزب کا ممبر ہے، اس کے اندر یہ خامی ہے اسکے اندر وہ خامی ہے، کیا یہ غیبت نہیں ہے، اور کیا ہم اس سے اس علم کو لے سکتے ہیں؟

جواب:

اس وقت مشکل یہ ہے کہ ہمارے نوجوان زیادہ قیل وقال میں پڑ گئے ہیں. بسا اوقات وہ خود اپنے ہی مشائخ کی غیبت کر رہے ہوتے ہیں، اللہ انہیں معاف فرمائے، واللہ المستعان، اور بسا اوقات مشائخ خود اپنے ہی تلامذہ کی غیبت کر لیتے ہیں، یہ اس وقت کی بڑی پریشانی ہے، مثلا ایک طالب علم ہے وہ اپنے استاذ کے کسی موقف سے راضی نہیں ہے، یا کوئی استاذ اسکی خواہش کے مطابق کلام نہیں کرتا، تو یہ لوگوں کی نگاہ میں اسے گھٹانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ لوگ اس سے متنفر ہو جائیں۔

اسی طرح کوئی طالب علم کسی جماعت سے منسوب ہے اور استاذ چاہتا ہے کہ وہ دوسرے طلبہ کو اس سے متنفر کر دے اس طرح وہ اسکی غیبت میں مبتلا ہوتا ہے، ہم بعض جماعتوں کے اندر یہی چیزیں دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے مخالفین سے دشمنی کرتے ہیں اور انکی کوئی بھی بات قبول نہیں کرتے، بلکہ انکا موقف بالکل روافض جیسا ہوتا ہے، وہ روافض جو لوگوں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والے اور مسلمانوں پر اور اپنے مخالفین پر سب سے زیادہ الزام لگانے والے ہیں، بالکل یہی موقف بعض جماعتیں بھی رکھتی ہیں، اور یہ حقیقت میں بہت بڑی غلطی ہے، بلکہ سنگین خطرہ ہے، ایک طالب علم کیلئے ایسا بالکل مناسب نہیں ہے۔

اگر کوئی کسی جماعت کی طرف منسوب ہونے کی مصیبت میں پڑ گیا ہے تو اس کیلئے مناسب یہی ہے کہ وہ اللہ کا مراقبہ کرے اور اپنے استاذ اور ساتھیوں کے لئے مصیبت نہ بنے محض اس وجہ سے کہ وہ کسی

متعین جماعت کی طرف منسوب ہے، یہ مجرد غیبت نہیں ہے بلکہ تہمت، بہتان اور الزام بھی ہے، اور میں جانتا ہوں کہ اگر کسی کو کسی سے متنفر کرنا ہوتا ہے تو اسکے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں علمانی بد دین اور کمنسٹ ہے۔

میں سمجھتا ہوں اس طالب علم کو علمانیت (سیکولرازم) اور کمیونزم کے بارے میں علم نہیں ہوگا، مگر وہ چاہتا ہے کہ اسے قبول نہ کیا جائے، بعض جامعات میں باقاعدہ وہاں کے ذمیداروں سے یہ جھوٹی شکایت کی گئی ہے کہ فلاں طالب علم سیکولر بد دین ہے اور فلاں کمنسٹ ہے تاکہ اسے اس جامعہ کے اندر قبول نہ کیا جائے، اور عملاً وہ ایسا کر کے اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب بھی ہوئے ہیں چنانچہ بہت سے سلفی طلبہ کو انہیں باطل الزامات کی وجہ سے قبول نہیں کیا گیا۔

یہ اس قدر جھوٹ بولنے میں جری ہوتے ہیں کہ ان کے دلوں میں کچھ بھی اللہ کا خوف نہیں ہوتا، ان کے دل بالکل ویران ہوتے ہیں، اور جب ایک طالب علم اس نچلی سطح پر پہونچ جائے تو پھر اسے طلب علم ترک کر دینا چاہئے آخر اسکے طلب علم کا کیا فائدہ ہے!!

اسی طرح ایک استاذ کو کسی ایسے طالب علم پر زیادہ طعن و تشنیع نہیں کرنا چاہئے جو کسی ایسی جماعت سے منسلک ہو جو اسکی جماعت کے مخالف ہو، کیونکہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک طالب علم کسی جماعت سے اور استاذ کسی دوسری جماعت سے منسلک ہوتا ہے، اور دونوں ایک دوسرے کی برائی کرتے ہیں، یہی مصیبت ہے، اور ایسی مصیبت سے چھٹکارے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہیکہ ایسی نسبتوں سے چھٹکارا حاصل کرلیا جائے، صرف دین اسلام اور منہج پر اکتفا کیا جائے، اور وہ منہج سلف کا منہج ہو، کسی شخصیت کی طرف کوئی نسبت نہ ہو، یہی اصل ہے اور یہی صحیح راستہ ہے، اور یہ جماعتیں جن پر گفتگو کر رہے ہیں یہ وہ راستے ہیں جو جادہ حق سے منحرف ہیں۔

اور منہج سلف پر قائم رہنا حزبیت نہیں ہے، اور نہ ہی نسبت ہے، سلفی کبھی بھی کسی کی طرف خود کو منسوب

نہیں کرتے، انکا صرف ایک ہی امام ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ ہیں، ان کی کوئی متعین جماعت بھی نہیں ہے جسکے کچھ شروط اور ضوابط ہوں اور جن کی طرف یہ دعوت دیتے ہوں۔

اور وہ مجددین جنہوں نے اس منہج کی تجدید کی اور اس پر لگے غبار کو ختم کیا، وہ دین کے حقیقی داعی ہیں، وہ کسی کے امام نہیں ہیں، امام حقیقت میں صرف رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ ہی نے جس منہج کو طے کیا ہے اسی کی طرف مجددین نے دعوت دی ہے، اسی لئے سلفی فرقوں اور جماعتوں کے دوڑ میں نہیں ہوتے ہیں، اور نہ ہی یہ نسبتوں پر فخر کرتے ہیں، بلکہ یہ آج تک اسلام کے اصل منہج پر قائم ہیں۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ مرونت اور نرمی اسی قدر ہو جو آپ کو آپ کے منہج سے نکال نہ سکے، کسی طرح کا تنازل اختیار کرنے پر مجبور نہ ہوں، مقصد دعوت ہو کوئی دوسرا دنیوی مقصد یا دوستی کرنا نہ ہو، بلکہ صرف اصلاح یا دعوت مقصد ہو، تا کہ وہ آپ کے قریب ہوں اور آپ کی بات سن سکیں، اس کے لئے کسی مداہنت اور چاپلوسی کی ضرورت نہیں ہے، یہی نرمی اور مرونت مطلوب ہے اور یہ دعوت کے اسالیب میں شامل ہے۔

۞ ۞ ۞

سوال نمبر ۵۲:

سائل چاہتا ہے کہ وہ شیخ اور داعی بنے، شاید یہی پوچھنا چاہتا ہے کہ وہ اسکے لئے کیا کرے، اور کن اسباب کو اپنائے تاکہ وہ ایک باعمل عالم اور صاحب بصیرت داعیہ بن جائے؟

جواب:

سب سے پہلے دعاء کروں گا کہ اللہ تعالی آپ کی اس آرزو اور بلند ہمتی کو پورا کر دے، اور مجھے امید ہے کہ ہمارے سارے طلبہ اسی طرح باہمت اور حوصلہ مند ہوں گے، راستہ بہت آسان اور سہل ہے ہر اس شخص کیلئے جس کیلئے اللہ آسان کر دے، کتاب اللہ کو یاد کرو اس میں جتنا بھی میسر ہو اسے یاد کرلو، پھر اسکے بعد حدیث نبوی یاد کرو، پھر ہر فن سے اسکے متون کو یاد کرو، اور اگر مذاہب اربعہ سے ایک ایک متن یاد کرلو تو کافی ہے، بطور خاص علم حدیث، مصطلح الحدیث اور عربی زبان پر متون یاد کرو۔

نوجوان طلبہ! آج کل عربی زبان ضائع ہو رہی ہے، پہلے کے لوگ اپنے بچوں کو دیہات میں بھیجتے تھے تاکہ وہ اپنی زبان درست کرلیں، اسلئے کہ دیہات والوں کی زبان فصیح ہوتی ہے، مگر اس وقت عجمہ دیہاتوں تک پہونچ چکی ہے، اسلئے اب آپ لوگوں کیلئے دیہات کا بھی راستہ بند ہو چکا ہے۔ اسلئے کتابوں سے ہی فصیح زبان سیکھ سکتے ہو۔

گھروں میں اور دکانوں پر کام کرنے کیلئے باہر سے لوگوں کو بلاتے ہیں جن کی وجہ سے عربی زبان مزید ضائع ہوئی ہے، چنانچہ ان اجانب کی وجہ سے عربی زبان بالکل نئی بن چکی ہے جسے ہم نہ تو خالص عربی زبان کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی عجمی، مگر کچھ لوگ ہیں جو عربی زبان اسی ٹوٹی ہوئی عمال کی زبان سے سیکھنا چاہتے ہیں، انہیں نہیں پتہ کہ یہ قرآن کی زبان ہے کوئی عام زبان نہیں ہے، اللہ نے اسے چنا ہے اور اسی فصیح زبان میں اپنے کلام کو نازل کیا ہے۔

اجانب اپنی زبانوں کی قدر کرتے ہیں، میں ایک زمانے تک پاکستان میں تھا، چنانچہ جس طرح وہ

عربی زبان کو توڑ کر بولتے ہیں اسی طرح میں نے بھی اردو زبان کو توڑ کر بولنا چاہا تو وہ کہنے لگے: (نہیں نہیں) یعنی وہ انکار کرنے لگے اور میری زبان کی تصحیح کرنے لگے تاکہ میں انکی طرح فصیح اردو میں بات کروں۔

چنانچہ یہ کوئی نہیں چاہے گا کہ اسکی زبان کو توڑا جائے، اور آپ ہیں کہ انکی اصلاح اور تصحیح کی بجائے خود اپنی زبان کو توڑتے ہیں!!

اسلئے ہم پر ضروری ہے کہ ہم اپنے بچوں کو نوجوانوں کو فصیح زبان سکھائیں، قرآن اور اسکی معانی کی لذت اسی وقت ملے گی جب آپ اعراب پر اچھی طرح قادر ہوں گے، اسلئے ضروری ہے کہ کوئی پڑھنے کی چیز ہو خواہ وہ کوئی مجلہ ہو یا اخبارات یا کوئی دوسری چیز اسے اعراب کے ساتھ پڑھیں اور اسی پر عادت ڈالیں۔

ایسے مساکین کی باتیں نہ سنیں جو یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ اعراب سمجھنے میں مشغول ہو جاؤ گے تو اللہ کی محبت کے درمیان یہ اعراب حائل ہو جائے گا، اس محبت سے دراصل صوفیاء کی محبت مراد ہے، اور یہ کوئی شرعی محبت نہیں ہے، اللہ کی محبت صحیح اور نافع علم سے پیدا ہوگی۔

اسلئے پہلے قرآن سے اپنی تعلیم کا آغاز کرو، پھر حدیث، مصطلح الحدیث، علم نحو اور صرف، تجوید کے قواعد یاد کرو، جب تجوید کا کوئی متن یاد کرلو تو اسے تطبیق دو، پھر اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں پڑے گی: اسلئے کہ قواعد محدود ہیں، اسی طرح نحو اور صرف کے بھی قواعد محدود ہیں، پھر اسکے بعد بلاغہ بھی دیکھو اگر بلند ہمتی موجود ہے۔

بلاغہ کی تین قسمیں ہیں: علم المعانی، علم البیان اور علم البدیع، پہلے علم المعانی اور علم البیان کا اہتمام کرو، اور جہاں تک علم البدیع کا تعلق ہے تو یہ صرف کلام کو مزین کرتا ہے اس سے کوئی بہت زیادہ فائدہ نہیں ہے۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ بچپن ہی میں طلب علم کیلئے تیار ہو جاؤ، اور اسی میں لگا دو؛ کیونکہ علم حاصل کرنا ایک واجبی فریضہ ہے، پھر علم کا حصول تمہارے اور قیام اللیل کے درمیان حائل نہ ہونے پائے، اسی طرح پیر اور جمعرات کے روزے کے درمیان بھی یہ علم حائل نہ ہو، اور اسی طرح حرمین جانے کے درمیان بھی حائل نہ ہو، تاکہ وہاں جا کر پہلی صفوں میں نماز ادا کرسکو، بلکہ یہ علم ایسا ہو کہ وہ خود ان خیر کے کاموں پر آپ کو ابھارے۔

پھر ان متون کو یاد کر کے انہیں اہل علم پر پیش کرو، وہ اسکی شرح کریں گے، اور علم کو علماء کی زبان سے یعنی تلقین سے حاصل کرو نہ کی صرف کتابوں سے، اہل علم کی مجلس میں بیٹھ کر، اہل خیر اور حق کے داعیوں کے ساتھ بیٹھ کر، باطل کے داعیوں سے دور ہو کر، اور ان لوگوں سے جو آپ کو شبہات میں مبتلا کرتے ہیں اور جو آپ کو حصول علم سے بے رغبت بناتے ہیں، اور گیت گانوں اور میوزک کی طرف ڈھکیلتے ہیں۔

ایسے لوگوں سے ہمیشہ دور رہو، اور اہل علم و معرفت اور اللہ سے سچی محبت کرنے والے باعمل علماء کی صحبت میں رہو، میں بہت خوش ہوا جدہ میں اس وقت جب دیکھا کہ یہاں کے نوجوان گزشتہ گرمی کی چھٹیوں میں طائف جا کر پیر اور جمعرات کے دن شیخ عبدالعزیز بن باز کے دروس میں حاضری دیتے ہیں، اس چھوٹے سے علمی دورے نے مجھے صنعاء کی طرف سفر کرنے کو یاد دلا دیا جہاں کے علامہ عبدالرزاق صنعانی ہیں۔

چنانچہ طلبہ اگر اپنے علاقے میں حصول علم کے لئے وسائل نہ پائیں تو اسکے لئے سفر کریں، علم کیلئے انتظار نہ کریں کہ وہ آپ کے گھر میں آئے گا، آپ ریاض کا سفر کریں، طائف کا سفر کریں، مکہ اور مدینہ کا سفر کریں، جہاں عبادت کے ساتھ ساتھ علم بھی حاصل کریں، وہاں علم اور عبادت دونوں کیلئے بالکل الگ تھلگ ہو جائیں، اسی چیز کی میں اس باذوق اور باہمت نوجوان کو نصیحت کرتا ہوں، اور اللہ سے دعاء

کرتا ہوں کہ اسکے تمام نیک اور صالح آرزوؤں کو پورا کرے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۵۳:

خطابت اور منبروں پر انہیں کو جانے دیا جائے جو حق کے داعی ہوں، ایسے لوگوں کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے جن کا عقیدہ، سلوک واخلاق اور منہج ومذہب درست نہ ہو؟

جواب:

میں کہوں گا کہ اس طرح کے سوالات ان لوگوں کے پاس بھیجے جائیں جو مساجد کے ذمیدار ہیں جو مساجد میں ائمہ کی تقرری کرتے ہیں، اسلئے کہ جو سوال کیا گیا ہے وہ درست ہے، اور مناسب بھی یہی ہے کہ مساجد کے ائمہ ایسے لوگوں کو چنا جائے جو علم وعمل، اخلاق وفہم کے اعتبار سے بہتر ہوں، اور سب سے پہلے اسکا عقیدہ اور منہج درست ہو، اسکے یہاں اتباع رسول اور عبادت میں اخلاص پایا جاتا ہو، کیونکہ عمل صالح کی قبولیت میں یہ دونوں شرط ہیں، اور یہ دونوں شرطیں لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ سے ماخوذ ہیں۔

ایک خطیب جب کسی معین مقصد اور کسی معین جماعت کیلئے تقریر کرے گا اور اسکا مقصد نقد کرنا اور اپنے مخالفین پر کیچڑ اچھالنا ہوگا تو یہ منبر سے بالکل جائز نہیں ہوگا، مگر یہ کون کہے گا کہ یہ مناسب اور جائز نہیں ہے؟ میں یا آپ نہیں کہہ سکتے۔

جو مساجد کے ذمیدار ہیں جو ائمہ اور موذنین کی تقرری کرتے ہیں، وہی کہہ سکتے ہیں کہ زید امامت اور خطابت کیلئے درست نہیں ہے، اسلئے کہ اسکے اندر ایسی ایسی خرابیاں پائی جاتی ہیں، پھر وہ اسے تبدیل کرکے ایسے لوگوں کی تقرری کرے گا جو اہل علم ومعرفت اور صاحب بصیرت نیز عقیدے میں صحیح وسالم ہوگا۔

❁ ❁ ❁

سوال نمبر ۵۴:

سائل کہتا ہے کہ ڈرامہ بھی دعوت الی اللہ کے میدان میں ایک وسیلہ ہے؟

جواب:

اس قدر جرأت کا مظاہرہ کیوں کر رہے ہیں آپ؟ ہمارے پہلے کے علماء اہل ورع تھے وہ ایسی باتیں کہنے سے ڈرتے تھے کہ یہ اللہ کے راستے میں ہے، یہ واجب ہے، یہ حرام ہے جب تک کہ اس کی تاکید نہیں کر لیتے ایسی بات نہیں بولتے تھے، امام مالک جب محرمات کا ذکر کرتے تو کہتے کہ میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں، اور آپ ایسا کہہ کر اللہ پر جھوٹ کیوں بول رہے ہیں کہ ڈرامہ دعوت الی اللہ کے میدان میں ایک وسیلہ ہے، کم از کم اس کے اندر جھوٹ پایا جاتا ہے، کیا آپ نے دعوت الی اللہ کیلئے جھوٹ بولنے کے سوا کوئی اور وسیلہ نہیں پایا!! اللہ سے ڈرو، یہ جائز نہیں ہے، یہ سب افکار خارجہ سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔

مصلحین کا طریقہ ایسے گھٹیا امور سے دور رہنا ہے، مکارم اخلاق اور بلندیوں کی طرف جانا ہے، دعوت الی اللہ کا طریقہ معروف ہے، دعوت کے طریقے میں سب سے پہلا طریقہ اور وسیلہ علم ہے، پھر عمل ہے، چنانچہ جب آپ علم حاصل کر لیں تو اسے پہلے اپنی زندگی میں عمل کریں پھر لوگوں کو اسکی طرف دعوت دیں، کیونکہ جب آپ لوگوں میں اس طرح معروف ہوں گے کہ آپ ایک باعمل عالم ہیں عبادت گزار ہیں، تو یہ عمل دعوت کے میدان میں مفید ہوگا۔

اور جہاں تک ڈراموں کی بات ہے تو یہ سیاسی دوروں سے تعلق رکھتا ہے، اس اسلوب سے دور رہو، یہ بہت ہی نقصان دہ اسلوب ہے، اس سے بہتوں کو نقصان ہوا ہے، مگر بعض لوگوں کو اللہ نے توبہ کی توفیق دے دی ہے اور وہ اپنے عمل سے تائب ہو گئے ہیں۔ واللہ المستعان۔

سوال نمبر ۵۵:

سائل کو شکایت ہے بعض ان لوگوں سے جو شریعت کی پابند ہیں مگر پھر بھی معاصی ہو ارتکاب کرتے ہیں، اس طرح پابندی کو ترک کر کے معاصی میں چلے جاتے ہیں، آپ اس پر کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب:

سب سے پہلے نصیحت کے طور پر ان کے لئے دعاء کروں گا کہ اللہ تعالی ہم سب کو ثابت قدم رکھے اور ہمارے دلوں کو ہدایت پر قائم رکھے، دوسری بات یہ کہ وہ طالب علم جو سلفی ہو اور شریعت کا پابند ہو اسکے لئے یہ شرط نہیں کہ وہ معاصی میں واقع نہیں ہوگا، یا اس سے گناہ سرزد نہیں ہوں گے، معاصی تو بعض صحابہ سے سرزد ہوئے ہیں، مگر ضروری یہ ہیکہ فوری طور پر توبہ کیا جائے، اور معصیت اور مخالفت کو وہ اپنی عادت نہ بنائے، اگر اس سے گناہ سرزد ہو جائے تو فوری طور پر توبہ کرلے، یہی مومن کی صفت ہے، جسے نیکیاں خوش کریں اور گناہ غم میں ڈال دیں، چنانچہ ایک مومن گناہ سرزد ہوسکتا ہے مگر وہ جلد ہی توبہ بھی کرلیتا ہے۔

شیخ کی طرف سے شاگردوں کو وصیت:

آپ لوگوں میں سے جن کا آخری سال ہوگا یا جو فصل اول کے پہلے ٹرم میں ہیں شاید ان لوگوں میں سے کچھ لوگ باہر کا سفر کریں یا جامعہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائیں، مگر آپ جیسے لوگوں کیلئے بالکل مناسب نہیں ہوگا کہ ان قیمتی اوقات کو یونہی تفریح، غیر ضروری ملاقاتوں اور بے سود امور میں کاٹ دیں، جو دعوت دین سے خالی ہو، بلکہ ان قیمتی اوقات کا استغلا ل کر کے دعوت کا کام کریں اور لوگوں کو صحیح منہج اور صحیح عقیدے کی طرف بلائیں، انہیں وعظ ونصیحت کریں، اور میں یہ تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ جیسے نوجوان طلبہ ہی یہ سارے امور انجام دے سکتے ہیں، لوگوں کو عقیدے اور توحید کی طرف بلانا انہیں وعظ ونصیحت کرنا معمولی کام نہیں ہے۔

اپنے علم کے مطابق یہ کام آپ لوگ ہی کر سکتے ہیں، اگر اسی وقت سے دعوت کو اپنا مشن بنالو گے تو بڑے ہو کر اسکے عادی ہو جاؤ گے، لیکن اگر طالب علمی ہی کے دور سے تنہائی پسند ہو جاؤ گے، صرف پڑھو گے مگر یہ کچھ لکھو گے اور نہ ہی وعظ و نصیحت کرو گے، تو بعد میں چل کر منکر دیکھو گے بھی مگر خاموش رہو گے، حتی کہ گھر میں، گاؤں میں بلکہ اپنے محلے میں منکر دیکھ کر خاموش رہو گے، چنانچہ اگر اسی وقت سے اسی چیز کے عادی ہو گئے تو پھر مرتے دم تک ایسے ہی بے سود انسان بن کر رہو گے لوگوں کیلئے آپ کچھ بھی مفید نہیں رہو گے، اسلئے مشق کرنا اور عادت بنانا اسی وقت سے ضروری ہے، تا کہ دعوت اور وعظ و نصیحت کی عادت بن جائے۔

لہذا مستقبل میں اگر کامیاب داعی بننا چاہتے ہیں تو ابھی نوجوانی ہی میں محنت کریں، اور ہمارے طلبہ میں ایسے نوجوان ہیں جو مستقبل میں ان شاء اللہ ضرور نیک صالح کامیاب داعی بنیں گے، مگر جو ابھی سے ٹھنڈے پڑے رہیں گے وہ کہیں پر نوکری کر کے صرف اپنا فائدہ کریں گے وہ اس دینی علم سے کمائیں کھائیں گے اور بس، اور یہی اصل میں مصیبت ہے، ایک طالب علم دینی علوم حاصل کرے پھر امت کیلئے مفید نہ بنے تو وہ ضائع ہے، اس کے اوپر بڑی ذمہ داری ہے، اسی لئے میں طلبہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ابھی سے دعوت و اصلاح کے میدان کیلئے خود کو تیار کریں اور اس کی عادت ڈالیں، اور اس کے لئے مفید حلقوں اور تربیت گاہوں میں شرکت کریں نہ کہ گیت اور ڈراموں والے پروگراموں اور تفریح گاہوں میں۔

بلکہ ایسے پروگراموں میں جہاں پر علمی اور تربیتی لیکچرز اور بحوث پیش کئے جائیں، جہاں علماء اور طلبہ سے علمی بیٹھک ہو، وہ پروگرام اور دورے علمی اور تربیتی ہوں، علم اور اہل علم ہی کے رابطے میں ہمیشہ رہیں، کبار علماء سے دوری نہ بنائیں، اور اگر کسی مناسبت سے ریاض جانا ہو تو وہاں شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے دروس میں ضرور حاضری دو، اسلئے کہ آپ کے دروس ہمیشہ جاری رہتے ہیں حتی کہ گرمی کی چھٹیوں میں بھی پابندی

سے چلتے ہیں، آپ کے پاس غیر رسمی (غیر رجسٹرڈ) طلبہ بھی آتے ہیں، جیسے جمعرات کے دن، فجر کے بعد کئی کتابیں آپ پڑھاتے ہیں، میں سمجھتا ہوں ہفتے میں چار دنوں تک استمرار کے ساتھ پڑھاتے ہیں، آپ کو وہاں مجرد حاضری دینی ہے، آپ دروس سنیں گے اور استفادہ کریں گے، کتابیں پڑھی جاتی ہیں اور آپ اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔

میں نصیحت کرتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کریں، پھر دعوت و تبلیغ کی کوشش کریں، اور حکمت و دانائی کے ساتھ نصیحت کریں، اس میں کوئی سختی اور تشدد نہ ہو، نہ ہی بھڑکاؤ اور حد سے تجاوز ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں حد معلوم ہے، اور اس وقت آپ اپنے دائرہ اختیار سے باہر نکلیں گے تو زبان اور دل کے مالک ہوں گے، انہیں دونوں درجات میں رہ کر دعوت کو کام کرنا ہے۔

اور جہاں تک ہاتھ سے منکر کو مٹانے کا تعلق ہے تو اسے آپ اپنے دائرہ اختیار ہی میں استعمال کر سکتے ہیں، جیسے اپنے گھر میں اپنے اہل خانہ کے درمیان اور گھر کے ان تمام افراد پر جو آپ کے ماتحتی میں آتے ہوں، چنانچہ اگر گھر میں ایسے افراد ہوں جو آپ کے زیر تسلط نہ آتے ہوں تو پھر انکے ساتھ ہاتھا پائی کر کے گھر میں فتنہ وفساد کا باعث نہ بنیں، صرف زبان اور دل ہی کے درجات کا استعمال کریں، اور اس ملک میں ان شاء اللہ دل کے مرحلے میں جانے کی توقع نہیں ہے، کم از کم زبان سے ہر کوئی آپ کی بات سنے گا۔

میں پھر نصیحت کروں گا کہ آپ اس نعمت کو ہمیشہ یاد رکھیں، کیونکہ ہم سنتے اور دیکھتے ہیں کہ بہت سارے عجیب وغریب حادثات اور امور دوسرے ملکوں میں پیش آتے رہتے ہیں تو اس وقت ہم اللہ کا شکر کرتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں نعمتوں میں رکھا ہے، اور ہم نوجوانوں کو ہمیشہ اس نعمت کو یاد دلاتے رہتے ہیں۔

مگر ہمارے بہت نوجوان اب بھی اس نعمت پر شکریہ ادا کرنے سے غافل ہیں، اور اپنے ملک کی

موجودہ صورت حال پر نالاں اور شاکی ہیں، کہتے ہیں کہ اسلام کہاں ہے؟ سود ہر جگہ پھیلا ہوا ہے، شراب نوشی بھی پائی جاتی ہے، اسلام کیوں ہے؟ سبحان اللہ! آپ نے اسلام کو دیکھا ہی نہیں؟! کسی بھی چیز کو اسکے ضد سے جانا جاتا ہے، غیر اسلام کو جانو پھر اسلام کو جان لو گے، آپ اسلامی جھنڈے تلے ہیں، اسلامی حکومت اور اسلام کی نعمتوں میں ہیں، امن و امان اور سلامتی کی نعمت میں ہیں، علم و عقیدہ اور توحید کی نعمت میں ہیں، دوسرے ملکوں میں جا کر دیکھیں تب سمجھ میں آئے گا کہ اسلام کہاں ہے؟!

بعض متشدد دین کی باتیں سن کر کہنا کہ اسلام کہاں ہے صحیح نہیں ہے، وہ خارجی ذہنیت کے لوگ ہیں کیونکہ وہ کچھ معاصی کو گنا کر یہ بات کہتے ہیں، وہ اسلامی حکومت کا مفہوم ہی نہیں سمجھتے، وہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی حکومت فرشتوں کی حکومت کو کہتے ہیں، ایسی حکومت دنیا میں کبھی نہیں رہی ہے، حتی کہ عہد نبوت جو کہ معصوم ہیں اس وقت بھی معاصی کا صدور رہا، کیونکہ اس وقت صحابہ تھے وہ غیر معصوم ہیں، معصیت کا صدور ان سے ہوا ہے۔

اسلامی حکومت کا مطلب یہ ہیکہ حکومت دین اسلام کو اپنا دستور مانے، حدود قائم کرے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے، اسکا یہ معنی نہیں ہے کہ اس حکومت میں چھوٹے بڑے معاصی کا صدور نہ ہو، معاصی اور گناہوں کا ہونا فطری ہے، انسان فطری طور پر شہوات وشبہات کی طرف میلان رکھتا ہے، صحابی رسول جن کا نام عبد اللہ الحمار ہے وہ شراب نوشی کر سکتے ہیں، جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل رہی انہوں نے تین دفعہ شراب پی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں برابر رہتے تھے، اللہ کی مشیئت آپ نے تین بار شراب پی اور کوڑے کھائے، بعض صحابہ نے کہا: کتنی بار کوڑا کھانے کا کام کر رہا ہے اللہ کی اس پر لعنت ہو، یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں پوری تفصیل وارد ہوئی ہے:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ:" أَنَّ رَجُلًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ اسْمُهُ عَبْدَ اللَّهِ، وَكَانَ يُلَقَّبُ حِمَارًا، وَكَانَ يُضْحِكُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَلَدَهُ فِي الشَّرَابِ، فَأُتِيَ بِهِ يَوْمًا، فَأَمَرَ بِهِ فَجُلِدَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: اللَّهُمَّ الْعَنْهُ، مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتَى بِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَلْعَنُوهُ، فَوَاللَّهِ، مَا عَلِمْتُ إِنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ".

ترجمہ: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص، جس کا نام عبداللہ تھا اور » حمار « کے لقب سے پکارے جاتے تھے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنساتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شراب پینے پر مارا تھا تو انہیں ایک دن لایا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے حکم دیا اور انہیں مارا گیا۔ حاضرین میں ایک صاحب نے کہا: اللہ اس پر لعنت کرے! کتنی مرتبہ کہا جا چکا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو واللہ میں نے اس کے متعلق یہی جانا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

اور معاصی کے ارتکاب کا معنی یہ نہیں ہے کہ آدمی دین اسلام سے خارج ہو گیا، اور کسی ملک میں بعض افراد یا گروپ کا معاصی کے ارتکاب کرنے کی وجہ سے وہاں کی حکومت غیر اسلامی نہیں ہو جائے گی، اور الحمد للہ یہاں پر حدود کا نفاذ ہوتا ہے، احکامات کی تنفیذ کی جاتی ہے، نماز کی ادائیگی ہوتی ہے، یہاں پر یہ نہیں کہا جاتا کہ نماز پڑھنے کیوں نہیں گئے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ فجر میں پیچھے کیوں رہ گئے۔

بیرون ملک کا ایک نوجوان سوال کرتا ہے کہ میرے والد نے والدہ کے طلاق کی قسم کھائی ہے اگر میں فجر کی نماز پڑھنے مسجد گیا، وہ یہ سوال کرتے وقت ڈر رہا ہے کہ کہیں کوئی اسکے ملک کا سن نہ لے اور میری بات نقل کر دے، وہ یہاں مسجد نبوی میں سوال کر رہا ہے، اور اسے ڈر ہے کہ وہ اس سوال پر اپنے ملک میں سزا پا سکتا ہے، اب اسکے بعد کیا آپ لوگوں میں یہ شکوک پھیلائیں گے اور کہیں گے کہ اسلام کہاں

ہے؟ ہمارے یہاں اسلام نہیں ہے۔

میرے بھائی ایسا یہاں بالکل نہیں ہے، آپ اللہ سے ڈریں، اپنے رب کا شکریہ ادا کریں، اگر آپ مصلحین میں سے ہیں تو جہاں کمی پائیں اسے پورا کرنے کی کوشش کریں، یقینا کمیاں ہیں، اب ایک عقلمند کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ وہ اس کمی کو پورا کرنے کیلئے فکر کرے، اصلاح کی کوشش کرے، بدگمانی اور بدشگونی نہ پھیلائے، زیادہ ملامت نہ کرے اور زیادہ مبالغہ سے کام نہ لے کہ لوگ اسلامی ماحول سے بھی نفرت کرنے لگیں اور دین اسلام ہی کے اندر شک کرنے لگیں۔

آپ لوگوں کی فراغت کی قربت کی وجہ سے میں یہ نصیحت کر رہا ہوں اور آپ لوگوں کو سنجیدہ بننے اور تشویش کرنے والے تحریکیوں کی باتوں پر دھیان نہ دیں اس طرح کی آوازیہ اٹھاتے رہیں گے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۵۶:

کیا مسجد کے اندر انگریزی زبان میں بات کرنا جائز ہے؟

جواب:

تعجب ہے! اگر کوئی ایسے ملک سے آئے جہاں انگریزی زبان بولی جاتی ہو اور وہ یہاں مسجد نبوی میں یا مسجد حرام میں اپنی زبان میں بات کرلیں یا انگریزی میں کوئی علمی سوال کرلیں، اور شیخ انگریزی زبان میں جواب بھی دے دیں تو اس میں حرج کیا ہے؟ اس طرح کا تشدد درست نہیں ہے۔

بہرصورت بہتر یہی ہے کہ دروس اور علمی گفتگو کے دوران عربی زبان ہی ہو جو کہ قرآن کی زبان ہے، مگر غیر عربی زبان میں بوقت ضرورت کلام کرنا حرام نہیں ہے، مثلاً وہ حاجی جسے عربی زبان نہ آتی ہو تو وہ اپنی زبان ہی میں دعائیں کرلے گا، کیا اللہ اسکی زبان نہیں سمجھتا ہے؟ اور کیا اسکی دعاء قبول نہیں کرے گا؟ یہ کون کہہ سکتا ہے؟ اللہ ہی نے اسے وہ زبان دی ہے، اسی نے اسے سکھایا ہے اب اسی زبان میں وہ اللہ سے سوال کررہے ہیں، حتی کہ اسی زبان میں وہ کتابیں بھی لکھتے ہیں۔

میں نے دیکھا ہے برصغیر ہندوپاک کے اندر تفسیر، حدیث اور دیگر علمی کتابیں اردو زبان میں ہیں، ہم عربی کے سوا دوسری زبانوں پر پابندی نہیں لگا سکتے، اس پر کوئی دلیل نہیں ہے ہاں مگر افضل عربی زبان ہی ہے، بطور خاص جسے یہ زبان آتی ہو وہ دین کا سارا کام عربی ہی میں کرے، اور اگر اسے ضرورت ہو دوسری زبان سیکھنے کی ہی سے انگریزی زبان، تو وہ بقدر ضرورت اسے بھی سیکھ لے، اجنبی زبان کا سیکھنا حرام نہیں ہے، بلکہ غیر مناسب یہ ہیکہ آدمی مکمل طور پر اسی زبان کی طرف پھر جائے، اور قرآن کی زبان ترک کردے، اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی پھر اسی زبان کے جاننے والوں سے دوستی تک کرلیتا ہے۔

تو یہی چیز جائز نہیں ہے، اور یہی چیز خطرناک ہے، ہاں اگر کام چلانے کیلئے سیکھتا ہے بایں طور کہ

کفار میں بالکل گھل مل نہی جاتا بلکہ ضرورت کیلئے سیکھتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے ان شاء اللہ۔

سوال نمبر ۵۷:

طلب علم کے تعلق سے آپ جیسے تجربہ کار شیخ کی کیا نصیحت ہے؟ ہم آپ سے ان شاء اللہ کچھ استفادہ کرنا چاہتے ہیں، ساتھ ہی یہ معلوم رہے کہ ہم نے تحریکات سے کچھ نہیں سیکھا سوائے ضیاع وقت کے؟

جواب:

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو ان سے نجات دی، اور جب آپ نے مرض کا ادراک کر ہی لیا تو اسکا صحیح علاج ہونا ضروری ہے۔

اور اسکا علاج طلب علم ہے، اور اسی منہج پر علم کو حاصل کیا جائے جسکی طرف میں نے اشارہ کیا، یہاں بہت سے علماء ایسے ہیں جو مجھ سے کہیں زیادہ علم اور تجربے والے ہیں، آپ ان علماء اور مشائخ سے علم سیکھیں اور استفادہ کریں۔

سوال نمبر ۵۸:

کیا طلب علم، متون کا حفظ کرنا اور فقہ اور دیگر علوم کا حصول دعوت الی اللہ کے منافی ہے؟

جواب:

میں سمجھتا ہوں کہ اس سوال کے جواب کی چنداں ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ سب بھی دعوت کے اسالیب اور مقدمات میں سے ہے، اسی طریقے سے آپ علم حاصل کریں کیونکہ آپ اس طرح کے حصول علم سے خود کو دعوت کیلئے تیار کر رہے ہیں، اور دعوت واجب ہے، اور اسی طرح سے آپ کو بصیرت علم اور تجربہ حاصل ہوگا تاکہ آپ دعوت کا کام بآسانی کرسکیں۔

دعوت الی اللہ کا کام کوئی آسان نہیں ہے، ایسا نہیں ہے کہ آپ ابھی آپ نے گھر سے نکلے اور راستے میں تبلیغ کرنے لگے، جبکہ آپ نے علم حاصل ہی نہیں کیا، تو یہ جائز نہیں ہے، پہلے آپ علم حاصل کریں پھر دعوت کا کام کریں۔

سوال نمبر ۵۹:

کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ جن مسائل میں علماء کا اختلاف ہے ان پر نکیر کرنا درست نہیں ہے اگر وہ حرام ہوں یا ایسا کوئی حکم ہو جس سے واجب مراد ہو؟

جواب:

اس طرح کی بات مطلق طور پر نہیں کہہ سکتے ، البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مسائل فقہیہ جو اجتہاد کا محل ہیں، ان میں علمائے مجتہدین کے درمیان پائے جانے والے اختلاف سے کوئی نقصان نہیں ہوسکتا، اگر ہر مجتہد کا مقصد کتاب وسنت پر عمل کرنا ہو، فہم میں اختلاف کر سکتے ہیں لیکن اس تعلق سے تشدد نہیں کر سکتے ، اسی قاعدے کو بیان کر کے امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب کے اندر ائمہ دین کا دفاع کیا ہے، چھوٹی کتاب ہے جس کا نام (رفع الملام عن الائمۃ الاعلام) ہے، امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ مسجد نبوی میں ائمہ مالکیہ ایک زمانے سے تھے، اسلئے کہ امام مالک اہل مدینہ سے تھے، اور آپ کے پیروکار نماز کے اندر اسدال کرتے تھے یعنی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے تھے۔

کہتے ہیں کہ مسجد نبوی میں بہت سے مسلمان ایسے بھی آتے تھے جو اسدال کو جائز نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ نیت باندھ کر نماز پڑھتے تھے، جبکہ امام اسدال کے ساتھ نماز پڑھا رہا ہوتا، اسلئے کہ انہیں پتہ تھا کہ امام اپنے اجتہاد پر عمل کر رہا ہے اسلئے اس سے اس کی نماز میں کوئی نقصان ہیں ہوگا، اور اسے امام اور مقتدی کے درمیان ایسا اختلاف نہیں کہہ سکتے جسکی مثال دی جائے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۶۰:

سائل کہتا ہے کہ نصیحت کریں کہ نوجوانانِ ملت سلفی داعیوں کا احترام کریں اور ان پر طعن و تشنیع نہ کریں؛ اسلئے کہ ان پر طعن و تشنیع کرنا سلفی دعوت پر طعن و تشنیع کرنا ہے؟

جواب:

میں امید کرتا ہوں کہ ایسے لوگ نہ پائے جائیں جو علماء پر طعن و تشنیع کرتے ہوں، اسلئے کہ علماء اور داعیان حق پر طعن و تشنیع کرنا خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ پہلے یہ غیبت ہے، گرچہ اس وقت لوگ اس تعلق سے بہت زیادہ تساہل کا شکار ہو چکے ہیں، اور یہ بہت ہی سنگین معاملہ ہے، علماء پر طعن و تشنیع کرنا ان سے لوگوں کو متنفر کرنا ہے، چنانچہ اگر آپ کسی جلیل القدر عالم پر طعن و تشنیع کر رہے ہیں تو گویا آپ لوگوں کو اسکے علم سے نفرت دلا رہے ہیں اور اس میں عیب نکال رہے ہیں، اس طرح اس سے استفادہ کرنا کم ہو جائے گا اور آپ طلب علم کے میدان میں رہزن مانے جائیں گے۔

خواہ وہ علماء سلفی نہ بھی ہوں بلکہ صوفی اور دوسری جماعت کے علماء ہوں ان پر بھی طعن و تشنیع کرنا درست نہیں ہے، اگر آپ عالم اور داعی ہیں تو انکی غلطیوں کو بیان کر سکتے ہیں اور لوگوں کو ان سے آگاہ کر سکتے ہیں مگر ان پر بیجا الزامات اور طعن و تشنیع نہیں کر سکتے۔

یہ جرح و تعدیل کے باب سے ایک نصیحت ہے، اسلئے کہ ان پر طعن و تشنیع کرنا صرف اسلئے کہ وہ سلفی نہیں ہیں اور عام مجلسوں میں انکا ذکر چھیڑ کر انہیں مذاق بنانا غلط ہے، ایک مسلمان کی غیبت کرنا بالکل جائز نہیں ہے، یہ حرام بلکہ گناہ کبیرہ کے باب سے ہے، پھر آپ کی کیا رائے ہے ایسے داعیان حق کے تعلق سے جن سے اللہ تعالی ملک و ملت کو نفع دیتا ہے، اور آپ ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، لوگوں کو ان سے متنفر کرتے ہیں، اور اس کے لئے جھوٹ بولتے ہیں، اور یہ چیز موجودہ وقت میں رائج ہے، والعیاذ باللہ۔

ہاں کچھ فاضل علماء ہیں جن سے ہم بعض مسائل میں اختلاف رکھتے ہیں اسکے باوجود ہم انکا احترام

کرتے ہیں کیونکہ ان کے علم سے لوگ استفادہ کرتے ہیں۔

۞۞۞

سوال نمبر ۱۶۱:

بعض نوجوان دعوت الی اللہ کا شوق رکھتے ہیں مگر ان کا اسلوب صحیح نہیں ہے، مثلا وہ کہتے ہیں کہ ہم سختی نہیں کرتے ہم لوگوں کا دل جیتنا چاہتے ہیں، ابھی ہم اختلافات کو نہیں چھیڑیں گے، خواہ انکا تعلق عقیدے سے ہو یا اعمال سے یا معاصی کے ارتکاب سے یا دیگر شرعی مخالفات سے؟

جواب:

سوال یہ ہے کہ اگر آپ ان پر نکیر نہیں کریں گے بلکہ ان کا دل جیتنا چاہیں گے تو آخر آپ لوگوں کے کیا کرنا چاہتے ہیں؟ لوگوں کا دل جیت کر دعوت کے میدان میں آپ کون سا تیر ماریں گے؟ کیا آپ نے دعوت کے اسلوب کو سیکھا ہے، کیا آپ یہ حدیث بھول گئے جس کے اندر دعوت کا طریقہ کار اور اسکے مراحل لا بیان ہے؟ چنانچہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ ، وَهَذَا حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرْوَانُ، فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ، فَقَالَ: الصَّلَاةُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ، فَقَالَ: قَدْ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَمَّا هَذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ ".

ترجمہ: طارق بن شہاب سے روایت ہے، سب سے پہلے جس نے عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ شروع کیا، وہ مروان تھا (حکم کا بیٹا جو خلفائے بنی امیہ میں سے پہلا خلیفہ ہے) اس وقت ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: خطبہ سے پہلے نماز پڑھنی چاہیے۔ مروان نے کہا: یہ بات موقوف کر دی گئی۔ سیدنا ابوسعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شخص نے تو اپنا حق ادا کر دیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: "جو شخص تم میں سے کسی منکر (خلاف شرع) کام کو دیکھے تو اس کو مٹا دے اپنے ہاتھ سے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل ہی سے سہی (دل میں اس کو برا جانے اور اس سے بیزار رہو) یہ سب سے کم درجہ کا ایمان ہے۔"

آپ یہاں پر امن وامان سے رہتے ہیں، آپ یہاں عاجز نہیں ہیں بلکہ کھل کر بول سکتے ہیں، معصیت کے مرتکب سے آپ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کے بندے! اللہ سے ڈرو، یہ حرام ہے، اللہ کے بندے! تم نے یہ واجب ترک کر دیا، اے اللہ کے بندے! تم اپنا کپڑا گھسیٹ رہے ہو، تم داڑھی شیو نہ کرو، غیر اللہ کی قسم نہ کھاؤ۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ لوگوں میں محبوب بننے کی کوشش کرنا اور لوگوں کا دل جیتنے کے نام پر انکار منکر نیز امر بالمعروف کو ترک کر دینا غلط طریقہ ہے، یہ دعوت کا طریقہ کار نہیں بلکہ ناجائز اسلوب ہے۔

بلکہ لوگوں کا دل جیتنے کے لئے دوسرے طریقوں کا استعمال کرنا چاہیئے ان کے ساتھ احسان کریں، اچھی بات کریں، سختی نہ کریں، انکے ساتھ بھلائی اور خوش اخلاق سے پیش آئیں ضرور ان کا دل جیتیں گے۔

لیکن لوگوں کو معصیت پر چھوڑ دینا انہیں کسی غلطی پر نہ ٹوکنا دل جیتنے کا آخر یہ کون سا طریقہ ہے؟! یہ تو شیطانی ہتھکنڈا ہے جو دعوت کے میدان میں کبھی بھی جائز نہیں ہوسکتا۔

۞۞۞

سوال نمبر ۶۲:

مسلمان اور اسلام پسند میں کیا فرق ہے؟

جواب:

مسلمانوں سے مراد وہ اللہ کے مومن بندے ہیں جو دین اسلام کے ماننے والے ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول کی پیروی کرتے ہیں۔ اور ان تمام احکام شریعت پر یقین رکھتے ہیں جنہیں لیکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں۔

جبکہ اسلام پسندوں سے مراد وہ غیر مسلم ہیں جو حقیقت پسندی کی بنیاد پر دین سے محبت رکھتے ہیں جیسے بعض مستسرقین جن کا تعلق مغرب سے ہے، مگر وہ مشرقی علوم حاصل کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ ان کی طرح ہو جائیں جبکہ وہ مغربی یعنی یورپین ہونا ہوتا ہے۔

اسی طرح اسلام پسندوں سے وہ لوگ بھی مراد ہیں جو دین اسلام کا نیا مفہوم لانا چاہتے ہیں، چلا آرہا اسلام انکے لئے کافی نہیں ہے، اسی لئے وہ بہت سے جوہری اشیاء پر نکیر کرتے ہیں، وہ توحید کی دعوت اور عقیدے کی پڑھائی پر اعتراض کرتے ہیں، وہ بدعات پر نکیر کرنے پر اعتراض کرتے ہیں، وہ صرف اسلام کے نام کو کافی سمجھتے ہیں، اس طرح وہ اللہ کے نیک بندوں اور برے بندوں میں کوئی فرق نہیں کرتے، اگر کوئی کہتا ہے کہ وہ مسلمان ہے خواہ وہ کمنسٹ ہو، بد دین ہو، رافضی ہو یا سنی، وہ اسکے نزدیک مسلمان ہے، حالانکہ یہ درست معیار نہیں ہے، مسلمان اللہ کے نیک بندوں اور برے بندوں کے درمیان فرق کرتے ہیں، کیونکہ اولیاء اللہ اور اولیاء الشیطان دونوں برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح فاسقین اور مومنین، مجرمین اور محسنین برابر نہیں ہو سکتے، مسلمان مومنوں سے محبت کرتے ہیں اور غیر مومنوں کو ایمان کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ یہی دونوں میں فرق ہے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۶۳:

سائل کہتا ہے کہ اگر میدان جنگ میں کوئی غیر مسلم فوجی زخمی ہو جائے تو کیا مسلمان فوجی جو اسکے بغل میں موجود ہے اس کی مدد کرسکتا ہے، جس طرح کہ اگر وہ زخمی ہوتا تو غیر مسلم فوجی اسکی مدد کرتا؟

جواب:

ہاں، اس لئے کہ اس غیر مسلم فوجی کو ہم نے اپنی مصلحت اور ضرورت کیلئے بلایا ہے، وہ ہمارا اور ہمارے ملک کا دفاع کرتے ہوئے زخمی ہوا ہے، اس وقت اس کا ہم پر حق بنتا ہے کہ ہم اسکا خیال رکھیں، حکمت اور سیاسی مصلحت کا یہ تقاضہ نہیں ہے کہ ہم انہیں تکلیف دیں اور انکے ساتھ نرمی نہ برتیں، اور انکی پریشانی میں کام نہ آئیں۔

آخر کیا فائدہ ہوگا انہیں یہاں بلانے کا اگر ہم ان کے ساتھ اتنا بھی نہیں کرسکتے، اور یہ بی معلوم رہے کہ جب ہم انکی مدد کریں گے تو یہ انکی محبت میں نہیں کریں گے بلکہ اس لئے کہ ہمیں انکی ضرورت ہے، ہم ان سے خدمت لینے کیلئے مجبور ہیں، اسلئے ہم انکا خیال رکھیں گے صحت اور بیماری دونوں حالت میں۔

❁❁❁

سوال نمبر ۶۴:

سائل کہتا ہے کہ اسلام پسندوں سے بعض لوگ وہ مراد نہیں لیتے جو آپ نے بتایا، بلکہ ان لوگوں کو مراد لیتے ہیں جو دعوت دین کا کام کرتے ہیں، اور انکے مقابلے میں وہ لوگ ہیں جو دعوت دین کا کام نہیں کرتے؟

جواب:

میری سمجھ سے یہ تفسیر درست نہیں ہے، اسلئے کہ ہم حقائق دیکھ رہے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ اسلام پسندوں نے اس لقب سے دعوت دین کے بہت سارے مفاہیم کو بدل دیا ہے، کیا اس بات کی تصدیق کروگے اگر میں کہوں کہ ایک طالب علم نے گرمی کی چھٹی میں باہر کا سفر کیا، اور میں جامعہ میں رہتا ہوں، چھٹی میں اس نے بعض اسلامی ممالک کی زیارت کی واپس آنے پر اس نے اپنے مشاہدات کا ذکر کیا۔ اس نے بتایا کہ میں نے ایک مجلس دیکھی جہاں دونوں جنس اکٹھا تھے، اسے وہ اسلامی اختلاط کہتا ہے۔

یہ اسلام کے لفظ کو ہر چیز کیلئے استعمال کر لیتے ہیں حتی کہ گیند کھیلنے کیلئے بھی، چنانچہ یہ اسے اسلامی کھیل کہتے ہیں، سب سے قبیح یہ ہیکہ اختلاط کو بھی یہ اسلامی اختلاط کہتے ہیں، کیا یہ اسلام کے ساتھ بھونڈا مذاق نہیں ہے!! اگر کوئی اسے اسلام سمجھتا ہے تو اس پر ارتداد کا خوف ہے، کیونکہ یہ دین اسلام کے ساتھ بھونڈا مذاق ہے۔

بطور تفریح کے کوئی چیز ایجاد ہوگی تو اسے یہ اسلامی مفہوم میں ڈھال دیں گے، اس سے دراصل نوجوانوں کو اسلام اور اسلامی دعوت کے صحیح مفاہیم سے بھٹکانا ہے، یہی لوگ جب کسی طالب علم کو پابند شریعت دیکھتے ہیں کہ وہ داڑھی چھوڑ کر رکھا ہے، کپڑا ٹخنے سے نیچے ہے، نماز کی پابندی کرتا ہے، خیرخواہی کا جذبہ ہے لوگوں کو دین کی طرف دعوت دیتا ہے تو یہی لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

بلکہ بعض لوگوں نے مجھے لکھ بھیجا کہ یہاں پر آپ کے طلبہ لوگوں کی داڑھی بڑھانے اور کپڑا چھوٹا

کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں، اس نے بطور مذمت کے لکھا مگر یہ میرے لئے بطور مدح تھا جیسا کہ علمائے بلاغہ کہتے ہیں۔

مجھے فخر ہے اپنے طلبہ پر کہ وہ اپنے لباس میں اپنے بالوں میں شریعت کے پابند ہیں، اور مجھے امید ہیکہ دوسری چیزوں میں بھی شریعت کی پابندی کرتے ہوں گے۔

اسلام کا مفہوم صرف یہی نہیں ہے، اور یہی صرف پورا اسلام بھی نہیں ہے، ان اسلام پسندوں نے جو حرکتیں کی ہیں اور جن جن چیزوں کو اسلامی بنادیا ہے اور نوجوانوں کو دین اسلام کے صحیح مفاہیم اور علم نافع اور علماء سے دور کرنے میں جو کردار نبھائے ہیں اگر ہم ان پر تفصیلی گفتگو شروع کردیں تو اس پر لمبی بات ہوجائے گی اور ہمارے پاس اس کی بہت سی مثالیں ہیں، آپ لوگ بھی بہت کچھ جانتے ہوں گے، اسلئے سائل نے جو تفصیل بتلائی ہے اسے میں درست نہیں سمجھتا۔

۞۞۞

سوال نمبر ۶۵:

سائل تمہید کے طور پر کہتا ہے کہ حکومت نے غیر مسلموں کو خلیج میں بلایا ہے مگر کبار اہل علم نے غیر مسلموں سے مدد لینے کو ناجائز بتلایا ہے؟

جواب:

سوال کو میں مکمل کرتے ہوئے کہوں گا کہ کبار علماء ہی نے جائز بھی کہا ہے، اس طرح اس بارے میں علماء کی رائے مختلف ہے کہ ان سے مدد لینا جائز ہے کہ نہیں، اور اس طرح کا اختلاف جائز ہے، اور رہوتا رہا ہے، اسلئے کہ یہ فقہی مسئلہ ہے، دراصل اس سلسلے میں وارد نصوص سے استدلال کرنے میں علماء کے مختلف وجہات نظر ہیں، کچھ لوگ ان نصوص میں تطبیق دیتے ہیں اور ایک نتیجے پر پہونچتے ہیں، اور اس طرح کا اختلاف کوئی نیا نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی عیب کی بات ہے۔

معلوم رہے کہ اس کا اسلام پسندوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ اختلاف صرف علمائے اسلام کے درمیان ہے، کچھ لوگ جائز کہتے ہیں اور کچھ لوگ منع کرتے ہیں۔

سوال کو دو حصوں میں تقسیم کرکے صحیح جواب دے سکتے ہیں، خاص طور پر اسکا دوسرا حصہ جس میں عدم جواز کا فتوی آیا ہے، سوال یہ ہیکہ ناجائز کا فتوی کا نے دیا؟

مجھے بالتحدید نہیں معلوم ہے کہ عدم جواز کا فتوی کس نے دیا ہے کیا اسلام پسندوں نے یہ فتوی دیا ہے یا مجتہد طالب علموں نے؟ آخر وہ کبار علماء کون ہیں جن کا دعوی سائل نے کیا ہے؟

مجھے غالب گمان یہی ہے کہ یہ فتوی انہیں اسلام پسندوں کی طرف ہوگا یہی لوگ اس طرح کا فتوی دے سکتے ہیں، کیونکہ اس طرح کے امور میں یہی لوگ جلدی پڑتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

سوال نمبر ٦٦:

جھوٹی خبروں اور پروپیگنڈوں کے وقت ایک مسلمان کیا کرے؟

جواب:

اگر اسکے پاس علم و بصیرت ہے تو وہ خود سمجھ سکتا ہے، اور اپنے علم و بصیرت کے مطابق عمل کرے، اور اگر علم نہیں ہے تو اہل علم سے اس بارے میں سوال کرے یا جو اس سے زیادہ جانکار ہوں، وہ خود کوئی حکم لگانے میں جلدی نہ کرے جب تک کہ علم و بصیرت والا نہ ہو جائے۔

❁❁❁

سوال نمبر ٦٧:

سائل کہتا ہے کہ اگر کئی مرتبہ نصیحت کرنے کے باوجود کوئی فائدہ نہ ہو تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

جواب:

ایک مزید سوال یہ ہے کہ آخر وہ کون سے کبار علماء ہیں جنہوں نے روئے زمین کے مختلف خطوں پر پیش آرہے حوادث کی خبریں دیتے ہیں اور کیا یہ علماء انقلابی مانے جائیں گے؟

ابھی پہلے سوال کا جواب دیتے ہیں:

اگر کئی مرتبہ نصیحت کرنے کے باوجود کوئی فائدہ نہ ہو تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار منکر کے مراحل بتلا دیئے ہیں، چنانچہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ ، وَهَذَا حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ قَبْلَ الصَّلَاةِ، مَرْوَانُ، فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ، فَقَالَ: الصَّلَاةُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ، فَقَالَ: قَدْ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَمَّا هَذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ ".

ترجمہ: طارق بن شہاب سے روایت ہے، سب سے پہلے جس نے عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ شروع کیا، وہ مروان تھا (حکم کا بیٹا جو خلفائے بنی امیہ میں سے پہلا خلیفہ ہے) اس وقت ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: خطبہ سے پہلے نماز پڑھنی چاہیے۔ مروان نے کہا: یہ بات موقوف کر دی گئی۔ سیدنا ابوسعد رضی

اللہ عنہ نے کہا: اس شخص نے تو اپنا حق ادا کر دیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص تم میں سے کسی منکر (خلاف شرع) کام کو دیکھے تو اس کو مٹا دے اپنے ہاتھ سے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل ہی سے سہی (دل میں اس کو برا جانے اور اس سے بیزار ہو) یہ سب سے کم درجہ کا ایمان ہے۔"

پہلا مرحلہ ان لوگوں کیلئے ہے جو اختیار اور طاقت رکھتے ہیں اور وہ منکر اسکے دائرہ اختیار میں واقع ہوا ہو، جیسے کہ اسکا گھر تو ایسی صورت میں ہاتھ سے اس منکر کو ختم کرنا واجب ہوگا، اور دوسرا مرحلہ زبان کا ہے، یہ ہر اس شخص پر واجب ہے جو ہاتھ سے مٹانے کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ ایسی صورت میں زبان سے نصیحت کرے گا، حق کو واضح کرے گا، نصیحت کرنے میں وہ مخلص ہوگا، اور کوئی ضروری نہیں کہ آپ کی نصیحت قبول کرلی جائے، بلکہ آپ پر جو واجب تھا اسے آپ نے ادا کر دیا، اب آپ اپنے دائرہ اختیار سے باہر نہیں جائیں گے یعنی ہاتھ سے مٹانے کی کوشش نہ کریں کیونکہ اس کے آپ مالک نہیں ہیں آپ صرف زبان کے مالک ہیں۔ اسی پر اپنے رب کا شکریہ ادا کریں۔

بعض علاقے ایسے بھی ہیں جہاں ایک مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ منکر ہے یہ معصیت ہے، یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، بلکہ وہاں وہ صرف عافیت کی دعاء کرتا ہے، وہاں پر وہ صرف دل سے اس منکر کو برا سمجھ سکتا ہے، جبکہ آپ لوگ یہاں پر ہر چھوٹی بڑی چیز پر نکیر کر سکتے ہو، اور جس کو اختیار نہ ہو وہ ان لوگوں کے پاس شکایت کر سکتا ہے جن کے پاس اختیار اور طاقت ہے، اور جو اس خطے کے ذمہ دار ہیں، اور جب نصیحت کارگر نہ ہو تو ایسی صورت میں اللہ تعالی سے دعاء کرے، واللہ اعلم۔

سوال:

بعض طلبہ کچھ ناصحانہ کلمات کی درخواست کررہے ہیں، شاید تعلیم کے آغاز اور عظیم موسم کے استقبال کی مناسبت سے ہو، وہ موسم جسے عالمی کانفرنس کہا جاتا ہے، اور یہ کہ طلبہ ایک نئے تعلیمی سیشن کا استقبال کررہے ہیں، اسلئے انہیں کچھ نصیحت کی ضرورت ہے، ویسے تو ہمارے نوجوان ساتھیوں کو ہمیشہ نصیحت کی ضرورت ہوتی ہے؟

جواب:

اس وقت نوجوانوں کے اندر دینی غیرت اور سرگرمی زیادہ پائی جاتی ہے، وہ اصلاح کی رغبت رکھتے ہیں، وہ دوسروں کو اس پر ابھارتے ہیں پشت ہمت نہیں بناتے، مگر چونکہ یہ خاص تعلیمی مرحلہ ہے اسلئے طلبہ کو اسکے لئے خود کو وقف کردینا چاہیے، اور اپنے سارے اوقات کو حصول علم میں لگا دینا چاہیئے کیونکہ طلب علم عظیم عبادت ہے، بالخصوص علم شرعی کا حصول، اسی طرح وہ فروعی علوم جو شرعی علم کے حصول میں معاون ہوں، اسلئے کہ علم شرعی سے لوگوں کے اندر جہالت پھیل رہی ہے علم کم ہورہا ہے اور قیامت کی نشانی ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ، وَيَثْبُتَ الْجَهْلُ، وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا".

ترجمہ: سیدنا انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔علامات قیامت میں سے یہ ہے کہ (دینی) علم اٹھ جائے گا اور جہل ہی جہل ظاہر ہو جائے گا۔اور (علانیہ) شراب پی جائے گی اور زنا پھیل جائے گا۔

چنانچہ جہالت عام ہے، علم نافع کم ہو چکا ہے، اللہ نے جسے توفیق دی ہے اسے چاہیئے کہ وہ دل لگا کر پورے لگن سے تعلیم حاصل کرے، اور دوسری تمام چیزوں سے کنارہ کش ہو جائے، وہ صرف تعلیم پر

دھیان دے، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد تدریس وتربیت اور دعوت کے میدان میں لگ جائے، حصول تعلیم کے دوران بھی وہ داعی بننے کی کوشش کرے، دین اسلام، عقیدہ اور شریعت کی پابندی کی طرف دعوت دے۔

وہ نوجوان طلبہ جو شریعت کے پابند ہیں بااخلاق اور نرم خو ہیں وہی دراصل اسلام کے صحیح داعی ہیں۔

عملی دعوت کبھی کبھی قولی دعوت کے مقابلے زیادہ کارگر ثابت ہوتی ہے، کیونکہ قولی دعوت کو اگر آپ نے عملی طور پر تطبیق خود نہیں دی تو یہی دعوت آپ کے خلاف حجت بن جائے گی، اور بسا اوقات آدمی تناقض کا شکار ہوسکتا ہے اور ممکن ہے پھر اسکی دعوت پر لوگ توجہ ہی نہ دیں۔

لیکن اگر طالب علم اپنے علم کی تطبیق دیتا ہے، شریعت کا پابند ہے، عقیدہ سالم ہے، لوگوں کے ساتھ معاملات اچھے ہیں، نمازوں کا پابند ہے، تو وہی اسلام کا حقیقی داعی ہے۔

ہم ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں ہر چہار جانب سے لوگ آتے ہیں، مسلم غیر مسلم سب آتے ہیں، چنانچہ جب ہم شریعت کے پابند ہوں گے، اسلامی عقیدے پر گامزن ہوں گے، اور اپنے اخلاق، عقیدے اور عمل میں سلف کی نمائندگی کریں گے تو ایسی صورت میں ہم حق کا داعی ثابت ہوں گے۔

اور جہاں تک قولی دعوت کا تعلق ہے تو میں نصیحت کروں گا کہ ابھی اسے فراغت تک کیلئے موخر کردیں، ابھی دعوت وارشاد اور تعلیم وتوجیہ کیلئے تیاری میں لگے رہیں، کبار علماء سے فتاوے اور سوالات کی شکل میں جڑے رہیں، طلبہ سے فتاوے نہ پوچھے جائیں، ابھی ہمارے پاس کبار علماء موجود ہیں، اور ہر شہر میں انکی بڑی تعداد ہے، اگر کوئی آپ سے فتوی پوچھے تو بلا جھجک کہہ دو کہ ہم ابھی عالم نہیں ہیں ہم فتوی نہیں دے سکتے ہم ابھی طلبہ ہیں، مفتی فلاں عالم ہیں، اس طرح اسے کبار علماء کی طرف احالہ کردو، اور تم ابھی صرف حصول علم کے لئے اپنے آپ کو وقف کردو۔

ہاں اگر کوئی ایسا مسئلہ ہو جو تمہارے دائرہ علم میں ہو اور وہ بہت ضروری ہو تو ایسی صورت میں اسکا جواب دیدو تاکہ کتمان علم نہ ہونے پائے۔ کیونکہ حق بات اگر جانتے ہیں تو آپ بھی بتا سکتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات واجب بھی ہے، مگر کبار علماء کے ہوتے ہوئے فتوی دینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے، یہی چیز غیر مناسب ہے، کیونکہ اس سے غلطیوں میں واقع ہو سکتے ہیں، اور فتاوے باہم متعارض ہو سکتے ہیں، اسی لئے میں طلبہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ کبار علماء کا احترام کریں اور پیچیدہ مسائل اور فتاوے انکی طرف احالہ کر دیا کریں، الا یہ کہ کوئی واضح مسئلہ ہو تو اسکا جواب دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور جہاں عظیم موسم کا تعلق ہے جس کا ہم استقبال کرنے والے ہیں، اور بعض لوگ عمرہ کے نام پر سفر حج کیلئے جانے بھی لگے، یہاں دیکھنے کی بات یہ ہیکہ ان حجاج کرام کے تعلق سے ہمارا کیا موقف ہو جو اعمال حج کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں، بلکہ وہ بہت سارے اسلامی مبادئیات سے بھی واقف نہیں ہوتے حالانکہ ان کا جاننا ہر مسلمان کیلئے واجب ہوتا ہے، ایسی صورت میں علماء اور طلبہ پر واجب ہے کہ وہ اس موقف کی قدر کریں اور اسے اپنی ذمہ داری سمجھ کر اچھی طرح نبھانے کی کوشش کریں۔

کیونکہ ہمارا ملک دعوت کا ملک ہے، یہاں کے جامعات اور بعض موسسات بیرون ملک داعی بھیجتے تھے، تاکہ لوگوں کو دین کی طرف بلائیں اور انہیں دین اسلام کی تعلیم دیں، مگر اس وقت ہمارے ملک میں باہر سے بہت سارے لوگ آتے ہیں، جن میں زیادہ تر عمال ہوتے ہیں، ان میں مسلم اور غیر مسلم سب ہوتے ہیں، غیر مسلم اسلام قبول کرنے کی رغبت رکھتے ہیں، اور جو مسلم ہوتے ہیں وہ اسلام کے نام کے سوا کچھ نہیں جانتے، یک سب ہمارے یہاں موجود ہیں، ہم اللہ کو کیا جواب دیں گے کہ یہ سارے لوگ ہمارے یہاں موجود ہیں ہر جگہ پائے جاتے ہیں خواہ شہر ہو دیہات ہو کوئی بھی جگہ ہو اگر ہم نے انہیں اسلام کی تعلیم نہیں دی تو رب کو کیا جواب دیں گے، اگر ہم نے انہیں دین سکھانے میں کوتاہی

کی تو گویا ہم نے دعوت دین کا حق ادا نہیں کیا، کیونکہ یہی سب سے زیادہ دعوت کے محتاج ہیں، انکی تعلیم اور دعوت کے تعلق سے ہم عند اللہ مسوؤل ہوں گے، یہاں تک کہ اگر ایک عام آدمی جو کسی موسسہ کا مالک ہے وہ بھی انہیں جو جانتا ہو سکھائے خواہ ارکان نماز ہی کیوں نہ ہو، اس کے شروط اور صفات ہی کیوں نہ ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ سکھائیں، یہ آپ کے تعلق سے حسن ظن رکھتے ہیں، آپ کو اپنا قدوہ اور نمونہ مانتے ہیں، اسلئے ہم پر ضروری ہے کہ ہم اس موقف کی قدر کریں انکے وجود کو غنیمت سمجھیں، بطور خاص جب موسم حج میں اجانب کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے تو اسی اعتبار سے طلبہ پر ذمہ داری بڑھ جاتی ہے بلکہ کبار علماء اور حکام سب پر ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، سب کو دعوت کا احساس ہونا چاہئیے اور اس موقع کو غنیمت سمجھنا چاہیئے ۔ یہ کچھ ضروری باتیں تھیں جنکی روشنی میں میں بار بار نصیحت کرتا رہتا ہوں ۔

❁ ❁ ❁

قرة عيون السلفية

یعنی سوالات وجوابات کا

ایک سلفی مجموعہ

فقہی فتاوے اور سوالات:

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن والاه، وبعد:

درس کے آخر میں ایک فقہی مسئلے پر گفتگو کریں گے جس کے اندر اہل علم کا کافی اختلاف ہے، یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے جس کا تعلق نماز کی صحت سے ہے، اور یہ فاتحہ خلاف الامام کے پڑھنے کا مسئلہ ہے خواہ وہ نماز جہری ہو یا سری، میرے نزدیک اس میں جو راجح قول ہے میں وہی بیان کروں گا۔

نماز کے اندر سورہ فاتحہ کا پڑھنا ارکان نماز میں سے ہے، مگر اہل علم کے نزدیک اختلاف اس بات میں ہے کہ اگر امام جہری نماز پڑھائے تو کیا مقتدی مجرد سماعت پر اکتفا کرے اور یہی اسکے لئے کافی ہو جائے گا یا اس پر بھی پڑھنا واجب ہے؟

یہی وہ نقطہ ہے جس میں خود علمائے حدیث کا بھی اختلاف ہے، ایسے مسائل میں ایک طالب کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ترجیح سے پہلے جمع وتطبیق دینے کی کوشش کرے، اور اگر اسکے پاس نسخ کی دلیل ہے تو یہ سب سے پہلے دیکھے گا، بشرطیکہ وہ ناسخ کی دلیل صحیح اور صریح ہو، کیونکہ صحیح اور صریح دلیل کے بغیر نسخ ثابت نہیں ہوگا۔

چنانچہ جو یہ کہتے ہیں کہ جہری نمازوں میں فاتحہ کا پڑھنا منسوخ ہو چکا ہے، اسکے لئے صحیح اور صریح دلیل کی ضرورت ہے۔

اور نسخ پر کوئی دلیل نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں طالب علم ترجیح سے پہلے تمام دلیلوں کے درمیان تطبیق کی کوشش کرے، کتاب وسنت کی ان دلیلوں کے درمیان جو مجرد سماعت اور خاموش رہنے پر دلالت کرتی ہیں اور ان دلیلوں کے درمیان جو مطلق طور پر وجوب قرات پر دلالت کرتی ہیں جیسے کہ یہ حدیث:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، يَبْلُغُ بِهِا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا صَلَاةَ لِمَنْ

لَمۡ يَقۡرَأۡ بِفَاتِحَةِ الۡكِتَابِ".

ترجمہ: سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کوئی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔"

اس مسئلے میں اولی اور بہتر یہی ہے کہ پہلے جمع وتطبیق پر عمل کیا جائے، اور وہ تطبیق یہ ہیکہ مقتدی پر بھی قرات اسی طرح واجب ہے جس طرح امام اور منفرد پر واجب ہے، امام خواہ جہری نماز پڑھائے یا سری۔

تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ خاموش رہنا اس وقت کیلئے خاص ہے جب فاتحہ پڑھنے کا وقت نہ ہو، یعنی سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد خاموش رہو، اور فاتحہ پڑھنے کیلئے کوئی وقت محدود نہیں ہے، اسے آپ دل میں امام کے ساتھ ساتھ پڑھ سکتے ہیں، امام جب سکتہ کرتا ہے اس وقت بھی پڑھ سکتے ہیں، اگر اسکی گنجائش ہو، اور اگر اس کی گنجائش نہ ہو تو ایسی صورت میں انتظار کریں یہاں تک کہ امام مکمل کرلے پھر آپ پڑھ لیں۔

بہر صورت سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، البتہ اسکے لئے وقت محدود نہیں ہے، اس طرح دونوں طرح کی دلیلوں میں تطبیق ہوجائے گی، اور انسان محفوظ بھی ہوجائے گا، اور ایک مسلمان کا دل بھی مطمئن رہے گا، کہ اس پر جو واجب تھا اسے ادا کردیا۔

یہ مسئلہ بہت ہی طوالت کا محتاج ہے بطور خاص ایسے طالب علم کیلئے جو دلیلوں کا مناقشہ کرنا چاہتا ہو، البتہ عام مسلمانوں کی نصیحت کی خاطر بس اتنا کافی ہے تاکہ وہ سورہ فاتحہ پڑھنے میں غفلت اور سستی سے کام نہ لیں اور یہ جان لیں کہ رکوع وسجود کی طرح یہ ارکان نماز میں سے ہے، خواہ امام جہری نماز پڑھائے یا سری، اسلئے آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے دین کے تعلق سے محتاط رہے بالخصوص ارکان اسلام کے دوسرے رکن نماز کے تعلق سے، چنانچہ وہ سورہ فاتحہ مطلق طور پر پڑھنے کی عادت ڈالے، وباللہ التوفیق، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ وسلم۔

سوال نمبر ۱:

مقتدی کے سلام پھیرنے کی کیا کیفیت ہوگی؟ کیا امام اگر پہلا سلام پھیر دے تو اسکے بعد فوراً اسکی متابعت میں اسے بھی پہلا سلام پھیر دینا ہے یا یہ کہ وہ دوسرا سلام بھی پھیر دے پھر یہ دونوں ایک ساتھ پھیرے؟

جواب:

یہ بھی دیگر فقہی مختلف فیہ مسائل کی طرح ہے، اور ہر ایک کے پاس اپنے اپنے استدلال ہیں، اور ایسے میں طلبہ کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ شدت سے کام نہ لیں، اسلئے کہ ایسے مسائل میں ہر ایک سنت ہی سے دلیل پکڑتا ہے، چنانچہ یہاں پر جس نے یہ اجتہاد کیا کہ امام کی متابعت کا مفہوم یہ ہیکہ وہ اگر ایک سلام پھیر دے تو اسکے بعد فوراً اس سلام کو پھیرا جائے، اور جس نے دونوں سلام کو ایک ہی کے حکم میں مان لیا اس نے کہا کہ مقتدی دونوں سلام پھیرنے تک امام کا انتظار کرے گا، اس کی مثال رکوع کے بعد سینے پر نیت باندھنے کی ہے کہ کیا اسے قیام مانا جائے گا یا نہیں؟ ایسے مسائل میں نرمی برتنا چاہیئے، اگر حدیثوں پر نظر ڈالنے سے آپ کو ایسا لگتا ہے کہ پہلے ہی سلام کے بعد متابعت میں سلام پھیر دینا چاہیئے تو آپ ایسا کریں اور اگر لگے کہ دونوں سلام پھیرنے تک امام کا انتظار کرنا چاہیئے تو بھی آپ ایسا کر سکتے ہیں، اور جو الگ ہے خلاف ہو اس پر سختی نہ کریں، جس طرح کہ آپ نے رکوع پر کو اعتدال مان کر ہاتھ چھوڑ دیا اور نیت باندھی تو اس پر آپ کی کوئی ملامت نہیں، اور اگر آپ نے قیام کو عام مانتے ہوئے رکوع کے بعد کے وقفے کو بھی قیام مان لیا اور نیت باندھ لی جیسا کہ بہت سارے مشائخ کا ماننا ہے، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے مگر یہ فہم اجتہاد پر مبنی ہو نہ کہ تقلید پر، تو آپ ان شاء اللہ یہاں بھی سنت پر عمل مانے جائیں گے اور آپ کی کوئی ملامت نہیں ہوگی۔

مگر ایک بات یاد رکھیں، تقلید سے بچنا، یہ نہ کہنا کہ میں ایسا کرتا ہوں اس لئے فلاں ایسا کرتا ہے،

کیونکہ آپ مقلدین کو صحیح اسی لئے نہیں سمجھتے کہ وہ تقلید کرتے ہیں اگر آپ بھی ایسا کریں گے تو آپ کو بھی ویسا ہی مانا جائے گا، ہاں اگر آپ اپنے فہم کو بنیاد بنا کر اس پر عمل کر رہے ہیں تو اسے سنت پر عمل کیا جائے گا اور آپ پر کوئی حرج نہیں ہوگا، یہ نصوص کی روشنی میں اجتہاد کرنے کی ایک قسم ہے، واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۲:

اگر کوئی مغرب سے کچھ وقت پہلے تک سویا رہا یہاں تک کہ اسکی ظہر اور عصر دونوں وقت کی نماز چھوٹ گئی تو کیا وہ مغرب پڑھ لے گا اور ان دونوں کو دوسرے دن قضا کر لے گا؟

جواب:

جتنا جلدی ہو سکے وہ وضو بنا کر پہلے ظہر کی نماز پڑھے پھر عصر کی، گرچہ مغرب کی اذان ہو جائے اور مغرب کا وقت داخل ہو جائے، بلکہ وہ عصر ہی کی نماز پڑھے گا گرچہ اس امام کے ساتھ پڑھنا پڑے جو مغرب کی نماز پڑھ رہا ہو، تو بھی یہی جائز ہے، پھر وہ مغرب کی نماز پڑھے گا۔ واللہ اعلم۔

۞ ۞ ۞

سوال نمبر ۳:

سائل کہتا ہے کہ اقامت سے پہلے مسواک کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ ہوسکتا ہے منہ سے خون یا گوشت کا ٹکڑا نکل جائے؟

جواب:

میں نہیں سمجھتا کہ سوال کرنے والا اپنے سوال میں سنجیدہ ہے یا نہیں؟!!! بہرصورت اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ وہ عادات وتقالید ہیں جو ماحول کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں، اور اس وقت لوگ چھوٹا کپڑا اس لئے پہنتے ہیں کیوں کہ انہیں اسکی ضرورت ہے جیسے گھوڑسوای کیلئے، اور موجودہ ماحول بھی اسی کا متقاضی ہے، اگر کوئی ایسا سوچتا ہے تو یہ غلط سوچ ہے؛ کیونکہ تکبر کی وجہ سے اگر کوئی اپنے کپڑے کو گھسیٹتا ہے تو وہ جہنمی ہے، یا جس کا کپڑا ٹخنے سے نیچے ہے وہ جہنمی ہے، یا ایسے شخص کیلئے سخت وعید ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں دیکھے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن شخص کی طرف جو اپنا کپڑا زمین پر کھینچے گا غرور سے۔"

اور صحیح بخاری کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَفِي النَّارِ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہو وہ جہنم میں ہوگا۔"

اور جہاں تک عادات وتقالید کا مسئلہ ہے تو یقیناوہ ماحول کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں، ہم اسکا انکار نہیں کر سکتے کہ عرب چھوٹے کپڑے پہنتے تھے کیونکہ ان کا ماحول اسی کا تقاضہ کرتا تھا مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اب ماحول بدل گیا ہے، اور ہم گاڑیوں اور ہوائی جہازوں میں سفر کرنے لگے ہیں، اسلئے اب ہم لمبے اور ٹخنے سے نیچے والا لباس زیب تن کریں گے۔

اگر کہنے والے کا یہی مطلب ہے اور وہ جان بوجھ اور سمجھ کر ایسی بات کہہ رہا ہے اور کپڑا گھسیٹنے اسے متعلق جو وعید وارد ہوا ہے اسے بھی سمجھا ہے مگر تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے اور نصوص کے ساتھ کھلواڑ کر رہا ہے تو ایسی صورت میں اسے اپنے ایمان کا مراجعہ کرنا چاہیئے؛ کیونکہ اس میں احکام دین اور اس تعلق سے وارد نصوص کا مذاق ہے، مزید اس تعلق سے کہ جو اپنا کپڑا زمین پر گھسیٹ کر چلے اس پر سخت وعید آئی ہے، اب ایسی صورت میں اگر کوئی اس حکم کو سرے سے بدل دے تو اس کا حکم وہی ہے جو غیر وحی کے مطابق فیصلہ کرنے والے کا ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، ہمیں اس آیت کا مفہوم اچھی طرح سمجھنا ہوگا: (وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ) ترجمہ: اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔

یہ غیر وحی کے مطابق فیصلہ کرنا صرف وضعی قوانین کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، بلکہ یہ عام ہے خواہ کوئی تحلیل وتحریم کا فیصلہ کرے یا عادات وتقالید اور عرف پر مبنی احکامات کے مطابق فیصلہ کرے سب اس میں شامل ہیں، کیونکہ یہ سب تحلیل وتحریم کے تابع ہیں، نیز انکے اندر شریعت سے اعراض ہے اور شریعت پر انہیں مقدم کرنا پایا جاتا ہے، چنانچہ ان سب کا بھی حکم وہی ہے جو غیر وحی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، اور جیسے وہ کافر ہوگا ویسے یہ بھی ہوگا۔

اسی طرح ان لوگوں کا بھی حکم ہے جو کہتے ہیں کہ وراثت مردوں کے ساتھ خاص ہے اس میں عورتوں کا کوئی حق نہیں ہے، اسی طرح جو کہتے ہیں کہ وراثت بڑی اولاد کے ساتھ خاص ہے بشرطیکہ وہ بیٹا

ہو، اور جو اس سے چھوٹے ہوں گے ان کا وراثت میں کوئی حق نہیں ہے، تو ایسے لوگ بھی اس حکم میں شامل ہیں جو غیر وحی کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

چنانچہ یہی حکم ان لوگوں کا بھی جو نصوص شریعت کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انکا وعید سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، بلکہ عرب ویسا اسلئے کرتے تھے کیونکہ اس وقت کا ماحول اسی کا متقاضی تھا، جبکہ ہمارا آج کا ماحول عادات وتقالید اور سواریاں اسکے موافق نہیں ہیں، آج کا ماحول اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم لمبے کپڑے پہنیں، لہذا ایسا، اگر کوئی کہتا ہے تو اسکا بھی حکم وہی ہوگا جو مذکور ہو چکا، اسے چاہیئے کہ یہ اپنے ایمان کا مراجعہ کرے اور دوبارہ کلمہ شہادت پڑھ لے: لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ۔ اور یہ جان لے کہ چھوٹا کپڑا پہننا ہی دین سے ہے اور جو کپڑا زمین پر گھسیٹنا حرام ہے، گناہ کبیرہ ہے، اسی پر ایمان رکھے۔

یہی معاملہ داڑھی کا بھی ہے، چنانچہ جو لوگ کہتے ہیں کہ داڑھی لوگ اسلئے بڑھاتے تھے کیونکہ انہیں گھوڑسوای کرنا تھا، تو یہ بھی داڑھی کے ساتھ کھلواڑ ہے، سبحان اللہ! اگر کوئی ایسا کہتا ہے کہ داڑھی بڑھانا عربوں کی عادت اور ماحول کے حساب سے تھا، اسکا تعلق دین اور سنت سے نہیں ہے تو ایسے شخص پر کفر وارتداد کا خوف ہے۔

فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو سنت کا مذاق اڑائے خواہ وہ مسواک ہی کیوں نہ ہو، اب اگر کوئی کہے کہ یہ فقہاء کے نزدیک ہے اس وقت ہمارے نزدیک ایسا نہیں ہے۔

یعنی اس وقت اگر کوئی مسواک کا مذاق اڑائے تو وہ کافر نہیں ہوگا، اگر ایسا کوئی سمجھتا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ کتب فقہ میں ابواب الردہ کا مطالعہ کرے۔

آج علماء جسے نواقض اسلام کہتے ہیں یہی پہلے فقہاء کے یہاں اسباب ارتداد سے جانا جاتا تھا، الاصول الثلاثہ کو کتب فقہ ہی کے لمبے لمبے باب کا خلاصہ کیا گیا ہے، یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔

نواقض اسلام اور اسباب ارتداد بہت ہیں، چنانچہ اگر کسی نے روٹی کو حرام کر دیا تو وہ کافر ہو جائے گا، اگر کسی نے ٹھنڈے پانی حرام کر دیا تو وہ کافر ہو جائے گا، جس طرح کہ اگر کسی نے شراب کو حلال کر دیا تو کافر ہو جائے گا، یہ ساری چیزیں طلبہ کے یہاں معروف ہیں، اور انہیں ایسی چیزوں کے بارے میں اچھی جانکاری ہے، چنانچہ جو داڑھی سے اور چھوٹے کپڑے سے مذاق اڑائے تو اسکا معاملہ بہت ہی سنگین ہوگا۔

اگر سوال کرنے والا یہاں سے چلا گیا ہے تو جس نے یہ سوال پیش کیا ہے اس پر واجب ہے کہ وہ اس تک یہ جواب پہونچائے اور بتائے کہ وہ اپنے ایمان کا مراجعہ کرلے کیونکہ اسکا معاملہ بہت سنگین ہے۔

(نماز میں مسواک کرنا صحیح نہیں ہے) لگتا ہے ایسا کہنے والا کوئی عام آدمی ہے، کیونکہ یہ ایک طالب علم کی تعبیر نہیں لگ رہی ہے، یعنی وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ آدمی جس وقت نماز کی تیاری کر رہا ہو اقامت سے پہلے مسواک کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے منہ سے خون نکل جائے، چنانچہ جسکو یہ شبہ ہو کہ مسواک کرنے سے مسوڑھے سے خون نکل سکتا ہے تو وہ وضوء کے وقت مسواک کرلے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۴:

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ مسجد میں جو آئے وہ نہ بیٹھے جب تک کہ دو رکعات تحیہ المسجد نہ پڑھ لے، لیکن اگر ممانعت کا وقت ہو تو کیا کرے؟

جواب:

اگر داخل ہوتے وقت کراہت کا وقت ہو تو بھی پڑھ لے، علماء کے نزدیک راجح قول یہی ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص فجر کے بعد یا عصر کے بعد مسجد کے اندر قرآن پڑھنے، درس سننے یا سبق کا مراجعہ کرنے کیلئے جائے تو اسکے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ دو رکعات پڑھ کر ہی بیٹھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر عمل کرتے ہوئے جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ، أَنّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ".

ترجمہ: سیدنا ابو قتادہ سلمی رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔

جیسا کہ آپ لوگ دیکھ رہے ہیں اس حدیث کے اندر حکم اور ممانعت دونوں ہے: نماز کا حکم ہے اور نماز پڑھنے سے پہلے بیٹھنے کی ممانعت ہے، چنانچہ یہ حدیث اس بات پر صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ نماز پڑھنے سے پہلے بیٹھنا جائز نہیں ہے گرچہ وہ فجر یا عصر کی نماز کے بعد ہی کیوں نہ ہو، اور صحیح قول وہی ہے جس میں دلیلیں جمع ہو جائیں، اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا صَلَاةَ بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ".

ترجمہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے اور فجر کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔“

مزید صحیح بخاری کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَكَانَ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً، قَالَ: سَمِعْتُ أَرْبَعًا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْجَبْنَنِي، قَالَ: " لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ مَسِيرَةَ يَوْمَيْنِ إِلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا، أَوْ ذُو مَحْرَمٍ، وَلَا صَوْمَ فِي يَوْمَيْنِ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ، وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى، وَمَسْجِدِي هَذَا ".

ترجمہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ جہادوں میں شریک رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چار باتیں سنی ہیں جو مجھے بہت ہی پسند آئیں۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی عورت دو دن (یا اس سے زیادہ) کے اندازے کا سفر اس وقت تک نہ کرے جب تک اس کے ساتھ اس کا شوہر یا کوئی اور محرم نہ ہو۔ اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے اور صبح کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے تک کوئی نماز جائز نہیں اور چوتھی بات یہ کہ تین مساجد کے سوا اور کسی جگہ کے لیے « شد الرحال » سفر نہ کیا جائے ”مسجد الحرام، مسجد الاقصیٰ اور میری یہ مسجد (مسجد نبوی)۔

تو اس حدیث کا تعلق ان مطلق نوافل سے ہے جن کا کوئی سبب نہیں ہوتا، مگر وہ نمازیں جو اسباب والی ہوتی ہیں جیسے جنازہ کی نماز، کسوف اور خسوف کی نماز اگر عصر کے ہوتا ہے، اسی طرح قضاء کی نماز، فجر

کی دوسنتیں جوفرض سے قبل نہیں پڑھ سکا، اسی طرح تحیہ المسجد، وضوء کی نماز، طواف کی نماز، یہ ساری نمازیں اسباب والی ہیں، صحیح قول کے مطابق انہیں اوقات مکروہہ میں بھی پڑھ سکتے ہیں، یعنی فجر اور عصر کے بعد بھی، اور تحیہ المسجد تو بدرجہ اولی پڑھیں گے؛ کیونکہ اس دلیل کے علاوہ بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ اگر کوئی خطبہ کے دوران بھی داخل ہو وہ بھی بغیر نماز پڑھے نہ بیٹھے۔

چنانچہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا تو آپ نے اسے نماز پڑھنے کیلئے کہا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: "أَصَلَّيْتَ يَا فُلَانُ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: قُمْ فَارْكَعْ".

ترجمہ: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک شخص آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے فلاں! کیا تم نے (تحیۃ المسجد کی) نماز پڑھ لی۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا اٹھ اور دو رکعت نماز پڑھ لے۔

اور صحیح مسلم میں آیا ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: جَاءَ سُلَيْكٌ الْغَطَفَانِيُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَجَلَسَ، فَقَالَ لَهُ "يَا سُلَيْكُ قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ، وَتَجَوَّزْ فِيهِمَا"، ثُمَّ قَالَ: "إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا".

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: سلیک آئے جمعہ کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے اور وہ آکر بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے سلیک! اٹھو اور دو رکعت پڑھ لو، اور مختصر پڑھ لو، پھر فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی آئے جمعہ کے دن اور امام خطبہ پڑھتا ہو تو ضروری ہے دو

رکعت مختصر ادا کرے۔"

ان حدیثوں کی روشنی میں مناسب یہی ہے کہ انسان جب بھی مسجد میں آئے جب تک دو رکعات تحیۃ المسجد نہ پڑھ لے نہ بیٹھے۔

سوال:

اسی مفہوم میں ایک سوال یہ ہیکہ اگر کوئی مسجد میں آتا ہے تو کیا وہ پہلے بیٹھ کر پانی سکتا ہے پھر اسکے بعد تحیہ المسجد پڑھے یا پہلے تحیہ المسجد پڑھ لے پھر پانی پیئے؟

جواب:

مسجد میں داخل ہونے کے بعد پہلا کام تحیہ المسجد ہے، اسلئے وہ پہلے تحیہ المسجد پڑھ لے پھر کوئی بھی کام کرے، پانی پیئے یا کچھ اور کرے، اس طرح دونوں کام ہو جائے گا۔

۞ ۞ ۞

سوال نمبر ۵:

اس شخص کے بارے میں اسلام کیا کہتا ہے جو زنا کے خوف استمناء بالید یعنی مشت زنی کرتا ہے؟

جواب:

بالکل جائز نہیں ہے، اگر کسی کو اپنے اوپر فتنے کا خوف ہے تو وہ اس تعلق سے وہ عمل کرے جسکی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی فرمائی یے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کو ایسی صورت میں کثرت سے روزہ رکھنے کی ہدایت کی ہے جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ عَلْقَمَةَ والْأَسْوَدِ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَبَابًا لَا نَجِدُ شَيْئًا، فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ ".

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن یزید نے بیان کیا، کہا کہ میں علقمہ اور اسود (رحمہم اللہ) کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے ہم سے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نوجوان تھے اور ہمیں کوئی چیز میسر نہیں تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ نوجوانوں کی جماعت! تم میں جسے بھی نکاح کرنے کے لیے مالی طاقت ہو اسے نکاح کر لینا چاہئے کیونکہ یہ نظر کو نیچی رکھنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا عمل ہے اور جو کوئی نکاح کی بوجہ غربت طاقت نہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کی خواہشات نفسانی کو توڑ دے گا۔

چنانچہ وہ نوجوان جسے فتنے میں مبتلا ہونے کا خوف ہو اسے چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ روزہ رکھے اور اس لئے قطعا مناسب نہیں ہے کہ وہ مشت زنی کرے۔

سوال نمبر ٦:

ایک شخص پوچھ رہا ہے کہ اس نے ابھی جلد ہی شادی کی ہے مگر ابھی وہ نہیں چاہتا کہ بچہ پیدا ہو تو کیا وہ بیوی کی رضامندی کے ساتھ تین سال کیلئے روک سکتا ہے اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو کیا اس پر گناہ ہوگا؟

جواب:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی عورت سے شادی کرنے پر ابھارا ہے جو زیادہ محبت کرنے اور زیادہ بچہ پیدا کرنے والی ہو جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي أَصَبْتُ امْرَأَةً ذَاتَ حَسَبٍ وَجَمَالٍ وَإِنَّهَا لَا تَلِدُ، أَفَأَتَزَوَّجُهَا؟ قَالَ: "لَا"، ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ، فَنَهَاهُ، ثُمَّ أَتَاهُ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: " تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ، فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ ".

ترجمہ: سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا: مجھے ایک عورت ملی ہے جو اچھے خاندان والی ہے، خوبصورت ہے لیکن اس سے اولاد نہیں ہوتی تو کیا میں اس سے شادی کرلوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں"، پھر وہ آپ کے پاس دوسری بار آیا تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا، پھر تیسری بار آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خوب محبت کرنے والی اور خوب جننے والی عورت سے شادی کرو، کیونکہ (بروز قیامت) میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا"۔

پتہ چلا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ایسے عورت سے شادی کرنے پر ابھارا ہے جو زیادہ بچہ پیدا کرنے والی ہو، اور اسکا پتہ اسکے گھر والوں اور خاندان سے چلے گا، اور ایسی عورت جو شوہر

سے زیادہ محبت کرنے والی ہوتا کہ زیادہ بچہ پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کا یہ مقصد بتلا دیا ہے تو اس سے انحراف کرنا کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے، اور یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ شادی کو مجرد شہوت کا ذریعہ بنا لے، اسکا جو اصلی مقصد ہے بچے کا ہونا اور امت کو بڑی تعداد میں لے جانا اسے وہ بھول جائے تو ایسی صورت میں یہی کہا جائے گا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے اعراض کر رہا ہے اور اس میں کوتاہی سے کام لے رہا ہے، اس لئے ایک مسلمان کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ اس حدیث پر عمل کرے اور ایسی عورت کی تلاش کرے جو بچہ زیادہ جننے والی ہو جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اور معاملہ اللہ پر چھوڑ دے، وہ چاہے گا تو اولاد سے نوازے گا خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ، اسی پر راضی رہے، اپنی طرف سے تنظیم اوقات نہ بنائے، اور نہ ہی تحدید کرے کہ کہے ہم صرف دو ہی بچہ چاہتے ہیں خواہ وہ دونوں لڑکے ہوں یا ایک لڑکا اور ایک لڑکی، پھر اسکے بعد وہ رزق وغیرہ کا بہانہ بنا کر پیدائش پر روک لگا دے، پھر وہ صرف اپنی خواہش کو پوری کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر عمل نہ کرے، اور اللہ کی رزاقیت پر یقین نہ کرے، یہ مناسب نہیں ہے، بلکہ شادی کے بعد معاملے کو اللہ پر چھوڑ دے اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرے کیونکہ جو بھی پیدا ہوتا ہے وہ اپنا رزق اپنے ساتھ لیکر آتا ہے، اسلئے رزق کا خوف نہ کرے اور نہ ہی ضبط تولید کی کوشش کرے اور نہ ہی عدد متعین کرے، یہ غیر مسلموں کی تقلید ہے، یہ کبھی مسلمانوں کی عادت نہیں رہی ہے، اور نہ ہی یہ اللہ کی شریعت کے مطابق ہے۔

ہاں کچھ ضروری استثنائی حالات ایسے آسکتے ہیں کہ ایسا کرنے پر مجبور ہونا پڑے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے مگر ضرورت کی حد تک، جیسے کہ ماں بیمار ہو اس طرح کہ بار بار بچہ پیدا ہونے سے اسکو کافی نقصان ہوگا تو ایسی صورت میں علماء نے فتوی دیا ہے کہ تاخیر کر سکتے ہیں۔

البتہ اس تاخیر کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ وہ ضبط تولید کروا لے اور ہمیشہ کیلئے بند کر دے، چنانچہ جس طرح

عورت کیلئے ضرورت پر یہ جائز ہے کہ اپنے ماہوار کو موخر کر لے، جیسے کہ رمضان کا مہینہ یا موسم حج کے آنے پر، اسی طرح تولید کے عمل کو بھی بوقت ضرورت موخر کیا جا سکتا ہے، بہر دونوں حالت میں یہ خیال رہے کہ دینی مصلحت پر آنچ نہ آنے پائے۔ جیسا کہ ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا ہے۔

اور اگر کوئی اس طرح کی ضرورت نہ ہو وہ فقط اپنی خواہش اور رغبت پوری کرنے کیلئے ایسا کر رہا ہے کہ وہ یا تو ہمیشہ کیلئے تولیدی عمل کو روک رہا ہے یا کچھ سالوں کیلئے موخر کر رہا ہے تو یہ بالکل مناسب نہیں ہے، واللہ اعلم۔

۞۞۞

سوال نمبر ۷:

امام جب (اياك نعبد و اياك نستعين) کہتا ہے تو بعض لوگ (استعنا باللہ) کہتے ہیں، تو کیا یہ جائز ہے؟ اسی طرح امام جب تکبیر تحریمہ کے وقت اللہ اکبر کہتا ہے تو بعض لوگ (عز و جل) کہتے ہیں؟

جواب:

اس طرح بعض لوگ کہتے ہیں، یہ دراصل ایسے جاہل لوگ ہوتے ہیں جنہیں نماز کے احکام کا علم نہیں ہوتا، اصل یہ ہیکہ جب آپ نماز میں داخل ہو گئے تو اب انہیں امور میں مقید ہو گئے جن کے کرنے کا آپ کو حکم دیا گیا ہے چنانچہ آپ حالت قیام میں قرآن کی تلاوت کریں گے، پھر رکوع وسجود میں مشروع اذکار پڑھیں گے، اور جہری نمازوں میں فاتحہ پڑھنے کے بعد خاموشی سے سنیں گے۔

رکوع کے بعد اعتدال کے وقت اور رکوع وسجود میں جو مسنون دعائیں اور اذکار وارد ہیں انہیں کو پڑھا جائے گا جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: " كَشَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السِّتَارَةَ، وَالنَّاسُ صُفُوفٌ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ، فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ، إِلَّا الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ، يَرَاهَا الْمُسْلِمُ، أَوْ تُرَى لَهُ، أَلَا وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا، أَوْ سَاجِدًا، فَأَمَّا الرُّكُوعُ، فَعَظِّمُوا فِيهِ الرَّبَّ عَزَّ وَجَلَّ، وَأَمَّا السُّجُودُ، فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ، فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مرض الموت میں) پردہ اٹھایا اور لوگ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے صف باندھے کھڑے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لوگو! اب نبوت کی خوشخبری دینے والوں میں کچھ نہیں رہا (کیونکہ مجھ پر

نبوت کا خاتمہ ہوگیا) مگر نیک خواب جس کو مسلمان دیکھے یا اسے دکھایا جائے اور تم کو معلوم رہے کہ مجھے رکوع اور سجدہ میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے ۔ رکوع میں تو اپنے رب کی بڑائی بیان کرو (یعنی «سُبْحَانَ رَبِّيَ العظيمِ »...کہو) اور سجدہ کے اندر دعا میں کوشش کرو تو تمہاری دعا قبول ہو ۔"

لیکن اگر کوئی ایسا ہے جو اپنے من سے جو دل میں آیا پڑھتا رہا یا امام کی کسی بات پر کچھ بھی بولتا رہا تو یہ جہالت ہے مناسب نہیں ہے کہ ایسی حرکت کی جائے ۔ اور اگر ہم اسے جہالت پر محمول نہ کریں تو پھر کہنا پڑے گا کہ اس کی نماز باطل ہوگئی ۔ لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہاں پر جہالت ہی کا مسئلہ ہے اور مقصد استغفار رہے ہے، اسلئے اسکی نماز باطل تو نہیں ہوگی البتہ ایسی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیئے اور صرف انہیں مسنون اوراد واذکار پر اکتفا کرنا جو مشروع ہیں ۔

چنانچہ کسی چیز کا اضافہ کرنا خواہ وہ تکبیر تحریمہ کے وقت (عزوجل) کا کہنا ہو یا اس وقت جب امام (اياك نعبد واياك نستعين) کہے تو بعض لوگ (استعنا باللہ) کہیں ، یہ سب درست نہیں ہے اور نہ ہی انکی کوئی اصلیت ہے اسلئے انہیں ترک کر دینا چاہیے، واللہ اعلم ۔

یہاں ہر نماز کے تعلق سے کچھ فقہی مسائل بیان کرنا چاہیں گے:

پہلا مسئلہ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا وائل رضی اللہ عنہ کی معروف حدیث میں خود اہل حدیث کا اختلاف ہے اور وہ حدیث اس طرح ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے

کوئی شخص سجدہ کرے تو اس طرح نہ بیٹھے جیسے اونٹ بیٹھتا ہے بلکہ اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے پہلے (زمین پر) رکھے"۔

اگر حدیث کا آخری ٹکڑا چھوڑ دیں جس میں کہ علماء کا اختلاف ہے، تو اس بات پر سب کو اتفاق ہے کہ اونٹ کی طرح بیٹھنا منع اور مکروہ ہے، لیکن اسکا معنی یہ بھی نہیں ہے کہ اگر انسان اس طرح بیٹھ جائے تو اسکی نماز باطل ہو جائے گی ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے سنت کی مخالفت کی ہے اور ایک ممنوع عمل کا مرتکب ہوا ہے۔

(علامہ ابن القیم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو مقلوب کہا ہے اور کہا ہے کہ اصل حدیث یوں ہے (ولیضع رکبتیه قبل یدیه) (یعنی وہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھے) لیکن محدث عبدالرحمن مبارک پوری، علامہ احمد شاکر، شیخ البانی وغیرہ نے ابن القیم کے اس خیال کی تردید کی ہے اور ابن خزیمہ کا کہنا ہے کہ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھنے والی روایت کو منسوخ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت (کنا نضع الیدین قبل الرکبتین فأمرنا بالرکبتین قبل الیدین) (پہلے ہم گھٹنوں سے قبل ہاتھ رکھتے تھے پھر ہمیں ہاتھوں سے قبل گھٹنے رکھنے کا حکم دیا گیا) انتہائی ضعیف ہے قطعاً قابل استدلال نہیں۔مترجم)

آپ سب لوگ جزیرہ نما عرب کے ہیں، اونٹ والے، کسی کا اس بات میں اختلاف نہیں ہوگا کہ اونٹ چار پاؤں والا ہے، چنانچہ اونٹ جب بیٹھتا ہے تو سب سے پہلے اپنے گھٹنوں کو زمین پر رکھتا ہے، اور جو اونٹوں کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں انہیں اسکا علم ہے، اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں اونٹوں کا علم نہیں ہے بلکہ میرے ساتھ جامعہ الامام میں ہندوستان کے علاقے ملیبار سے کچھ طلبہ پڑھتے تھے انکا کہنا تھا کہ ہم نے اونٹ دیکھا ہی نہیں ہے، یہیں سعودی عرب میں آکر دیکھا، اب ایسے لوگ اگر بروک یعنی اونٹ کے بیٹھنے کا معنی طے کرنے لگیں اور اس میں اختلاف کرلیں تو یہ اختلاف انکی عدم

معرفت کی وجہ سے ہوگا،لیکن ہم لوگ اختلاف کیوں کرتے ہیں؟ ہمیں اونٹ کی طرح بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے، اور ہمیں معلوم ہیکہ اونٹ کے اگلے دونوں پیر سب سے پہلے زمین پر پڑتے ہیں، اس طرح وہ بیٹھتے وقت سب سے پہلے اپنا گھٹنا زمین پر رکھتا ہے، مگر انسان جب اسے پڑھتا ہے تو تعجب کرتا ہے کہ یہ اختلاف کیسے ہوسکتا ہے یہاں تک بعض بڑے علماء نے یہ دعوی کر دیا کہ حدیث مقلوب ہے؛ اسی لئے جب مسجد نبوی کے اندر میں اپنے طلبہ سے مناقشہ کرتا ہوں تو کہتا ہوں کہ حدیث کے آخری جملہ کو چھوڑ کر اپنی معرفت کی بنیاد پر حدیث پر عمل کر کے دیکھتے ہیں تو معاملہ بالکل واضح ہو جاتا ہے، کیا حاضرین میں کوئی ایسا ہوگا جو ہماری مخالفت کر کے یہ کہے کہ اونٹ اپنے دونوں گھٹنوں کو پہلے نہیں رکھتا ہے؟ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی ایسا ہوگا کیونکہ معاملہ بہت واضح ہے۔

دوسرا مسئلہ:

تورک اور افتراش کا مسئلہ جس میں طلبہ کا اختلاف ہے:

تورک ورک سے ماخوذ ہے، جس کا مفہوم یہ ہیکہ آپ اپنے بائیں پیر کو اپنے دائیں پیر کے نیچے سے نکال کر اپنے سرین پر بیٹھ جائیں، اسی کو تورک کہتے ہیں، اور یہ مناسب نہیں ہے کہ دونوں پیر کو ایک ساتھ دائیں جانب نکال دو یہاں تک کہ قبلہ سے مائل ہو جاؤ، اور جو آپ کے دائیں جانب ہوں انہیں اپنے قدم سے اور جو بائیں جانب ہیں انہیں اپنے کندھوں سے تکلیف بھی دو، ایسا بعض ان لوگوں کی طرف سے ہوتا ہے جو باہر سے آتے ہیں، یک مبالغہ ہوگا کہ دونوں پیر کو دائیں جانب نکال کر سرین پر بیٹھا جائے، جس کی وجہ سے قبلہ سے مائل ہو جاؤ اور کبھی کبھی سینہ بھی قبلہ سے ہٹ جائے۔

بلکہ تورک یہی ہے کہ اپنے دائیں قدم کو کھڑا کر لو اور بائیں قدم کو دائیں قدم کے نیچے سے نکال کر سرین پر بیٹھ جاؤ، اور یہ آخری تشہد میں کیا جاتا ہے، یعنی اب متمکن ہو کر بیٹھ جائیں، نماز میں اب صرف

سلام کے سوا کچھ نہیں بچا ہے۔

اور جہاں تک افتراش کا تعلق ہے تو افتراش کہتے ہیں کہ اپنے بائیں پیر کو بچھا کر اسی پر بیٹھ جائیں اور دائیں پیر کو کھڑا کرلیں، اسی کو افتراش کہتے ہیں؛ کیونکہ آپ اپنے ایک پیر کو بچھا کر اسی پر بیٹھ گئے ہیں، اور یہ گویا تیاری آخری تشہد کیلئے جو اسکے بعد آئے گا۔

اور ان دونوں کے علاوہ ایک تیسرا جلسہ بھی ہے جسے اکڑو کہتے ہیں اور اسکی دو قسمیں ہیں:

ایک کتے کی طرح بیٹھنا کہتے ہیں اور یہ منع ہے، جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں آیا ہے:

عَنْ عَلِيٍّ ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ:" لَا تُقْعِ إِقْعَاءَ الْكَلْبِ".

ترجمہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے علی! کتے کی طرح اکڑو نہ بیٹھو۔

اس طرح نماز میں بیٹھنا ہمیشہ مکروہ ہے، کیونکہ اس میں ستر کھلنے کا ڈر رہتا ہے، اگر یہ ڈر نہ ہو تو نماز کے باہر مکروہ نہیں ہے۔

اس میں آدمی اپنی سرین پر بیٹھتا ہے اور پیر اور ہاتھ کو زمین پر بچھا لیتا ہے، جس طرح کہ کتا بیٹھتا ہے، اور یہ منع ہے، کیونکہ یہ کتے کی بیٹھک کے مشابہ ہے، لیکن اگر آپ اپنے دونوں پیر اور دونوں گھٹنوں کو نصب کرلیتے ہیں اور اور اپنے دونوں قدم پر اسی طرح بیٹھ جاتے ہیں جس طرح دونوں سجدوں کے درمیان جلسے میں بیٹھتے ہیں تو یہ جائز ہوگا گرچہ یہ بھی اکڑو کی ایک قسم ہے۔

❁❁❁

سوال نمبر ۸:

سائل کہتا ہے کہ میں لوگوں کی امامت کرتا تھا، کہ ایک بار پہلا تشہد بھول کر ترک کر دیا تو آخر میں سجدہ سہو کر لیا، مگر بعض لوگ کہنے لگے کہ پوری ایک رکعت پڑھیں گے یہ دعوی کرتے ہوئے کہ تشہد اول رکن ہے، اس پر کیا فرمائیں گے؟

جواب:

تشہد اول بعض اہل علم کے نزدیک سنت ہے، مگر صحیح یہ ہیکہ یہ واجب ہے رکن نہیں ہے، کیونکہ رکن چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، جیسے فاتحہ کا پڑھنا، قیام، رکوع وسجود اور آخری تشہد۔

چنانچہ اگر امام پہلا تشہد بھول جائے اور کھڑا ہو جائے اور اسے یاد بھی نہ دلائی جائے، بلکہ وہ نماز پوری کرلے تو ایسی صورت میں اسکے لئے جائز ہے کہ وہ سلام سے پہلے سجدہ سہو کر لے یا بعد میں، اختلاف اس بات میں ہے کہ افضل کون سا ہے سلام سے پہلے یا سلام کے بعد۔

اسکا ضابطہ یہ ہیکہ اگر سجدہ سہو کا سبب زیادتی ہے تو ایسی صورت میں افضل اور بہتر ہے سجدہ سہو سلام کے بعد ہو اور اگر کمی ہے تو سلام سے پہلے ہو۔

اور جہاں تک پہلے تشہد کو رکن کہنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں مجھے نہیں معلوم کہ اہل علم میں سے کسی نے ایسا کہا ہو، بلکہ بعض اہل علم نے اسے سنت کہا ہے اور بعض نے اسے واجب کہا ہے۔

اور اگر امام رباعی نماز میں پانچویں رکعت کیلئے کھڑا ہو جائے تو ایسی صورت میں اسکی متابعت جائز نہیں، بلکہ اسے یاد دلایا جائے گا، اگر واپس بیٹھ گیا تو ٹھیک ورنہ آپ تشہد ہی میں بیٹھے رہیں گے، دعاء کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں گے، یہاں تک کہ وہ واپس آکر تشہد میں بیٹھ جائے گا اور سلام پھیرے گا۔

اسلئے اسے یقین نہیں تھا اسی لئے اس نے پانچویں رکعت پوری کی، تو اب اسکے لئے عذر ہے، اسکی

نماز باطل نہیں ہوگی، لیکن اگر آپ نے جان بوجھ کر پانچویں رکعت پڑھ لی گرچہ امام کی متابعت میں تو آپ کی نماز باطل ہوجائے گی۔

سوال نمبر ۹:

میت کی طرف سے عمرہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:

میت کی طرف سے عمرہ اور حج کرنا جائز ہے اگر وہ قریبی ہے جیسے والدین، بھائی، بہن اور چچا وغیرہ، اسی طرح انکی طرف سے جائز ہے اگر وہ مالی اعتبار سے یا مالی اور بدنی اعتبار سے حج اور عمرہ کرنے سے عاجز ہوں، لیکن اگر بدنی اعتبار سے عاجز ہیں مگر مالی اعتبار قادر ہیں تو ایسی صورت میں واجب ہے کہ وہ اپنی طرف مالی اعتبار سے حج کرے۔

❁❁❁

سوال نمبر ۱۰:

آپ نے درس کے دوران ایک عورت کا واقعہ بتلایا جو حجۃ الوداع میں لیٹ ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جاسکی تھی، مدینہ واپسی پر وہ آپ کے پاس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور افسوس کا اظہار کرنے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ وہ رمضان میں عمرہ کیلئے چلی جائے کیونکہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہوگا، سائل کا کہنا ہے کہ ایسا عمرہ اسی عورت کیلئے خاص ہے؟

جواب:

خصوصیت کیلئے کوئی دلیل نہیں ہے، اور اس سبب ورود کو اسکے لئے خصوصیت کی دلیل نہیں بنا سکتے، کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ سبب کی خصوصیت کا، چنانچہ آیتوں کے نزول اور احادیث کے ورود کے اسباب نصوص کو ان واقعات کے ساتھ خاص نہیں کرسکتے، کیونکہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ سبب کی خصوصیت کا یہاں تک کہ کوئی ایسی خاص دلیل ہو جو اس نص کو اس واقعے کے ساتھ خاص کر رہی ہو، اس بنیاد پر رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہونا صرف اسی عورت کیلئے خاص نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۱۱:

سائل کہتا ہے کہ وہ زیارت کے بعد عمرہ کرنا چاہتا تھا، اسکی چھٹی بہت کم ہے، مگر کسی نے فتوی دیا ہے کہ یہاں اس مسجد میں 80 / فرض نمازوں کی ادائیگی ضروری ہے، اور ایک روایت کے مطابق 40 / فرض نمازوں کی ادائیگی ضروری ہے، تو کیا اب وہ چالیس فرض نمازوں کی ادائیگی پوری کرے یا پھر کیا کرے؟

جواب:

یہ فتوی صحیح نہیں ہے، ایسی بات کوئی طالب نہیں کہہ سکتا، چنانچہ اگر کوئی مسجد نبوی کی زیارت کیلئے آیا ہے تو سب سے پہلے وہ تحیہ المسجد پڑھے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام کہے، اور اگر زیادہ گنجائش ہے تو اہل بقیع پر جا کر سلام کرلے، اور شہدائے احد پر سلام کرنے بھی چلا جائے اگر گنجائش ہو، پھر یہاں سے نکل جائے، راستے میں مسجد قباء کے اندر چاشت کی نماز پڑھ لے، پھر وہیں سے مکہ کیلئے روانہ ہو جائے اسکی زیارت مدینہ مکمل ہوگئی، اور یہ اسکی گنجائش پر ہے ورنہ اگر وہ تحیہ المسجد پڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور صاحبین پر سلام پڑھ کر سفر کر جاتا تو بھی اسکی زیارت مکمل ہو جاتی، کہیں کسی چیز کی تحدید نہیں ہے نہ ہی ایام کی تحدید ہے اور نہ ہی گھنٹوں کی، یہ آدمی کی اپنی سہولت پر منحصر ہے، مگر چالیس فرض نمازوں کو لازم سمجھ لینا ایسا کسی صحیح حدیث میں وارد نہیں ہوا ہے۔

اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں آیا ہے:

(مَنْ صَلَّى فِي هذا الْمَسْجِدِ جَمَاعَةً أَرْبَعِينَ لَا تَفُوتُهُ صَلَاةٌ، كَتَبَ اللَّهُ لَهُ براءة مِنَ النَّارِ وبراءة من النفاق) ترجمہ: جس شخص نے مسجد میں چالیس دن تک نماز پڑھی، اور ان میں کوئی نماز فوت نہ ہوئی، تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کے لیے جہنم سے نفاق سے براءت لکھ دے گا۔

تو اس حدیث کی صحت اور ضعف کے تعلق سے اہل علم کا اختلاف ہے، اور اگر ہم اسے صحیح بھی مان لیں تو اسکا زیارت سے کوئی تعلق نہیں ہے، ایک دوسری جگہ سنن ابن ماجہ کے اندر یہ حدیث اس طرح وارد ہوئی ہے:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: "مَنْ صَلَّى فِي مَسْجِدٍ جَمَاعَةً أَرْبَعِينَ لَيْلَةً لَا تَفُوتُهُ الرَّكْعَةُ الْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ، كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِهَا عِتْقًا مِنَ النَّارِ".

ترجمہ: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "جس شخص نے مسجد میں چالیس دن تک جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، اور نماز عشاء کی پہلی رکعت فوت نہ ہوئی، تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کے لیے جہنم سے آزادی لکھ دے گا"۔

یہ حدیث تمام مساجد کیلئے عام ہے، خواہ وہ کراچی میں ہو یا قاہرہ میں یا کہیں بھی ہو، بس اس کے اندر ابھارا گیا ہے کہ آدمی جب جماعت کے ساتھ مسجد میں پابندی سے نماز پڑھتا ہے تو اللہ اسکے لئے براءت لکھ دیتا ہے۔

چنانچہ اس حدیث کا زیارت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور یہ حدیث زائرین مدینہ کیلئے نہیں ہے بلکہ تمام نمازیوں کیلئے ہے خواہ وہ اپنے محلے کی مسجد ہی میں کیوں نہ ہو، اسلئے سائل کو چاہیئے کہ اللہ کا نام لیکر عمرہ کیلئے سفر پر نکل جائے۔

سوال نمبر ۱۲:

سائل کہتا ہے کہ جو لوگ کتب سنہ کی پڑھائی کرتے ہیں انکا فقہ سطحی ہوتا ہے اور جو کتب فقہ کی پڑھائی کرتے ہیں انکا فقہ بہت دقیق ہوتا ہے؟

جواب:

یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ عربی میں ایک مثل مشہور ہے (رمتنی بدائها وانسلت) یعنی وہ اپنی بیماری مجھ پر تھوپ کر نکل گئی۔ اور یہ بندہ کہہ رہا ہے کہ جو لوگ کتب سنہ کی پڑھائی کرتے ہیں انکا فقہ سطحی ہوتا ہے اور جو کتب فقہ کی پڑھائی کرتے ہیں انکا فقہ بہت دقیق ہوتا ہے، میں سائل سے یہی کہوں گا کہ وہ اللہ سے ڈرے اور اس طرح کا سوال نہ کرے جس سے کتب حدیث کی تحقیر لازم آتی ہو، سنت رسول پر طعن و تشنیع اور جو واقع حال کے خلاف ہو۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم ایک لمبے عرصے تک دار الحدیث مکیہ میں تھے جہاں فقہ پڑھا کرتے تھے، یہ ستر کی دہائی کی بات ہے جب ہم الاربعین النوویہ، عمدۃ الأحکام اور بلوغ المرام پڑھتے تھے، یہاں تک کہ کتب ستہ شروحات کے ساتھ ہم نے وہیں پر پڑھا ہے، جیسے سبل السلام اور نیل الاوطار وغیرہ، اور آخر میں فتح الباری، وہاں سے لوگ چاروں مذاہب کے اندر فقیہ بن کر نکلتے ہیں، بلکہ چاروں کے علاوہ بھی دیگر مذاہب کی جانکاری ہو جاتی ہے، وہاں پتہ کچھ مشائخ کتب فقہ ہی پڑھاتے ہیں، ان میں کچھ کتابیں امام ابوحنیفہ کے مذہب پر ہوتی ہیں جیسے القدوری، اور اس کتاب کا متن انکے یہاں ویسے ہی معروف ہے جیسے ہمارے یہاں زاد المستقنع کا متن، صاحب قدوری کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ حدیث کو گھما پھرا کر اپنے مذہب کے موافق کر دیں۔

اس پر میں صرف ایک مثال دوں گا: جمعہ کا غسل ہر مسلمان پر واجب ہے، اس تعلق سے کہتے ہیں کہ واجب کا مطلب ساقط کے ہوتا ہے یعنی جمعہ کا غسل ہر مسلمان سے ساقط ہے۔

اس طرح جو قدوری، اسکی شروحات اور قدوری جیسی فقہ کی کتابیں پڑھے گا وہ سنت کا مخالف بن جائے گا، چنانچہ جو بھی حدیث اس کے خلاف ہوگی اسکے اندر تحریف کردے گا اور کہے گا کہ اس کا معنی ایسا نہیں ویسا ہے۔

کیا ہم نے کبھی نوجوان طلبہ سے اس طرح کا مطالبہ کبھی کیا؟ ہم تو فقہ السنہ پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں، حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ اصل فقہ دین ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ خَطِيبًا، يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي، وَلَنْ تَزَالَ هَذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى أَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ".

ترجمہ: ابن شہاب سے روایت ہے کہ حمید بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے معاویہ سے سنا۔ وہ خطبہ میں فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرے اسے دین کی سمجھ عنایت فرما دیتا ہے اور میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا تو اللہ ہی ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا، انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے (اور یہ عالم فنا ہو جائے)۔

اور دین کے اندر فقہ اور سمجھ بغیر کتاب اللہ اور کتب سنہ کی پڑھائی کے آ نہیں سکتی۔ دین کے اندر فقہ اور سمجھ شخصیات کے آراء سے نہیں آئے گی، کیونکہ آراء رجال کو کتاب وسنت پر پیش کیا جائے گا، جو موافق ہوگا اسے لے لیا جائے گا اور جو مخالف ہوگا اسے پھینک دیا جائے گا۔ جس طرح کہ امام شافعی نے کہا ہے کہ جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے، اور اگر میرا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مخالف ہو تو میرے قول کو دیوار پر مار دو۔

ائمہ اربعہ نے علی الاعلان لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلایا اور انہیں نصیحت کی کہ انکی تقلید نہ کی جائے، خود امام ابوحنیفہ جنکی طرف یہ لوگ اپنی نسبت کرتے ہیں کہتے ہیں: ہماری تقلید کرنا حرام ہے، کیونکہ ہم ایک انسان ہیں، آج ہم کوئی بات کہتے ہیں کہ اس سے رجوع کر لیتے ہیں۔

اس طرح امام ابوحنیفہ تقلید کو حرام کہتے ہیں مگر انکے پیروکار سختی اور تعصب کے ساتھ انکی تقلید کرتے ہیں، بلکہ دوسرے مذاہب کے مقابلے میں زیادہ ہی سختی کرتے ہیں۔

اور یہ تجربے کی بات ہے کہ ہم جب کلیہ الشریعہ کے اندر فقہ پڑھ رہے تھے، اس وقت ابن رشد کی البدایہ پڑھایا جاتا تھا جس کے اندر تمام مذاہب کا مناقشہ کیا گیا ہے، اور نصاب میں یہ مقرر ہے کہ کسی بھی مسئلے میں راجح اسی قول کو کیا جائے گا جس کے ساتھ ترجیح کی دلیل ہوگی، خواہ وہ کسی بھی مذہب کے موافق ہو۔

مجھے اس وقت بڑی پریشانی ہوتی جب امام ابوحنیفہ کے مذہب کو ترجیح دی جاتی تھی؛ کیونکہ اس وقت ہندوپاک کے طلبہ بہت خوش ہوتے تھے اور جس دن دوسرے مذہب کو ترجیح دی جاتی تھی اس دن وہ بہت غصہ ہوتے تھے اس طرح میں ان سے بہت پریشان ہوتا، اسلئے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ لوگ اپنے مذہب کے تئیں کس طرح متعصب ہوتے ہیں، ان کے ساتھ میں ایم عرصے تک رہا ہوں، اسلئے طلبہ سے میری نصیحت ہے کہ اس طرح کی بیکار باتوں میں نہ پڑیں، دقیق فقہ اور صحیح فقہ وہی ہے جو کتاب وسنت کے مطابق ہو، اسکا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ آپ مذاہب کا دراسہ نہ کریں، اگر آپ کے پاس فرصت ہے تو حنبلی مذہب میں زاد المستقنع پڑھیں، حنفی مذہب میں القدوری پڑھیں، مالکی مذہب میں الرسالہ یا مختصر الخلیل پڑھیں، اور شافعی مذہب میں المنہاج پڑھیں، جب ان کتابوں کو پڑھ لیں پھر انہیں کتاب وسنت پر پیش کریں اس وقت آپ صحیح معنوں میں فقیہ ہوں گے، کیونکہ آپ نے آرائے رجال کو اصل پر پیش کیا ہے، چنانچہ جن کے پاس وقت اور فرصت ہو وہ اسی منہج کو اپنائے۔

تمام مذاہب کا فقہ پڑھو مگر کتب سنہ کے بعد، یہی صحیح فقہ ہے، کیونکہ جب معیار آپ کے ہاتھ آجائے گا تو پھر دوسروں کے آراء اسی پر وزن کرلو گے ۔

اور یہی وہ صحیح فقہ ہے جسے آپ دقیق فقہ کہہ سکتے ہیں، مگر کتب سنہ کی پڑھائی کو فقہ شمار نہ کرنا اسی کی طرف سے ہوسکتا ہے جو کسی معین مذہب کا شکار ہو، اور وہ یہی گمان رکھتا ہو کہ حق اسی کے مذہب میں منحصر ہے چنانچہ وہ اسی کو دقیق فقہ کہے گا، یہ تجربے کی بات ہے، چنانچہ ایک طالب علم جب کسی معین مذہب کی پڑھائی کرے گا تو وہ یہی سمجھے گا کہ سارا حق اور خیر اسی کے اندر ہے، کیونکہ اس کے علاوہ اسے کچھ علم ہی نہیں ہے، اور یہ جہالت ہے حتی کہ اسے ایک چوتھائی بھی فقیہ نہیں کہہ سکتے ،اسلئے میں نصیحت کرتا ہوں کہ تمام مذاہب کو پڑھیں ۔

اور کتب سنہ سے اعراض کر کے یہ اعتقاد کرنا کہ فقہ السنہ سطحی فقہ ہے ایک فاسد اور برا اعتقاد ہے، ایسا کہنے والے کو چاہیے کہ وہ اللہ سے توبہ کرے، کیونکہ وہ سنت کا دشمن ہے، دین کا دشمن ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے ۔

اور یہ کہنا کہ فقہی متون ہی سے فقہ حاصل کرنا شرعی ضرورت ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بڑی جراءت ہے کہنے والے کو اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں، شرعی ضرورت اسکو کہتے ہیں جس سے اللہ کی، اس کے دین کی اور رسول اللہ کی معرفت حاصل ہو پھر اسی کے مطابق عمل کیا جائے، سوال یہ ہے کہ القدوری پڑھنا کون سی شرعی ضرورت ہے؟ اس کے پڑھنے میں کیوں سے شرعی ضرورت آگئی؟ ہاں اسے مجرد جواز کی حد تک کہہ سکتے ہیں ۔

ہم نے زاد المستقنع کی پڑھائی کی کتنی حدیث اور آیتیں ہیں؟ کتاب الطہارہ سے لیکر آخر تک ہم پڑھ چکے ہیں، اسی طرح ہم نے ایک چھوٹا سا رسالہ الاصول الثلاثہ پڑھا ہے کتنی آیتیں اور حدیثیں اس میں گزری ہیں؟

اسی کو فقہ اور اسی کو دین کہتے ہیں، اور مقدمہ سے خاتمہ تک صرف آراء ہی پیش کر دیئے جائیں کسی آیت یا حدیث سے گزر ہی نہ ہو تو ایسی کتاب سے کیا فائدہ؟ یہی بات علماء نے کہی ہے، اور یہی میرے نزدیک صحیح بھی ہے، اسلئے کتب فقہ کو پڑھو مگر انہیں کتاب وسنت پر پیش کرو، اور وہی منہج اختیار کرو جسے امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے اپنے چھوٹے سے رسالے (الاصول الثلاثہ) کے اندر اختیار کیا ہے، یہی صحیح منہج ہے۔

سوال نمبر ۱۳:

سائل کہتا ہے کہ وہ بروقت عمرہ کرنا چاہتا ہے مگر بروقت اس کے پاس پیسے نہیں ہیں بلکہ اس کے ملک میں پیسہ موجود ہے، وہ چاہتا ہے کہ قرض لیکر عمرہ کرلے پھر اپنے ملک جا کر اس قرض کو ادا کر دے گا؟

جواب:

یہ جائز ہے، مگر جو چیز جائز نہیں ہے وہ یہ کہ کسی سے قرض لیکر اسے یونہی ضائع کر دیا جائے پھر اسکی ادائیگی کیلئے پاس میں پیسے ہی نہ ہوں، البتہ اگر قرض اس مقصد کیلئے لیا جائے تا کہ اس کے ذریعے اللہ کے حقوق کی ادائیگی کی جائے یا اسکے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کی جائے پھر اس قرض کو ادا کر دیا جائے تو یہ جائز ہے۔

❁❁❁

سوال نمبر ۱۴:

سائل کہتا ہے کہ آپ نے کہا تھا کہ قرابت دار کیلئے حج اور عمرہ کر سکتے ہیں، تو قرابت دار کی کیا تفصیل ہے؟

جواب:

اس پر وہ حدیث پیش کرتا ہوں جو مجھے یاد ہے، اس سے قرابت داری کا مطلب سمجھ میں آجائے گا، وہ حدیث شبرمہ سے مشہور ہے، وہ اس طرح ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا، يَقُولُ: لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ، قَالَ:" مَنْ شُبْرُمَةُ؟" قَالَ: أَخٌ لِي، أَوْ قَرِيبٌ لِي، قَالَ:" حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ"، قَالَ: لَا، قَالَ:" حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ، ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کہتے سنا: (لبیك عن شبرمة) "حاضر ہوں شبرمہ کی طرف سے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: "شبرمہ کون ہے؟"، اس نے کہا: میرا بھائی یا میرا رشتے دار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "تم نے اپنا حج کر لیا ہے؟"، اس نے جواب دیا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پہلے اپنا حج کرو پھر (آئندہ) شبرمہ کی طرف سے کرنا"۔

وضاحت: بعض علماء کے نزدیک حج بدل (دوسرے کی طرف سے حج کرنا) درست ہے، خواہ اپنی طرف سے حج نہ کر سکا ہو، بعض ائمہ کے نزدیک اگر وہ اپنی طرف سے حج نہیں کر سکا ہے تو دوسرے کی طرف سے حج بدل درست نہ ہو گا، اور یہی صحیح مذہب ہے، اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو (لبیك عن شبرمة) کہہ رہا تھا حکم دیا: (حج عن نفسك ثم حج عن شبرمة): "پہلے اپنی طرف سے حج کرو پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرو"۔

سوال نمبر ۱۵:

ایک شخص یہاں زیارت کرنے آیا ہے وہ چاہتا کہ یہاں سے جہاز کے ذریعے عمرہ کرنے جائے، تو کیا وہ تنعیم سے احرام باندھ سکتا ہے یا پھر کہاں سے احرام باندھے؟

جواب:

اس پر واجب ہے کہ وہ جب اہل مدینہ کے میقات سے قریب ہوگا اسی وقت احرام باندھ لے گا، مکہ بغیر احرام کے جانا جائز نہیں ہے، وہ اس طرح کرے کہ احرام پہن کر جہاز میں بیٹھے اور جب جہاز ائیر پورٹ سے پانچ منٹ دوری پر نکل جائے تو ضرور کوئی یہ خبر کرے گا کہ اب ہم میقات کے مقابل میں پہونچ چکے ہیں اس وقت وہ عمرے کی نیت کر کے تلبیہ پکارنا شروع کر دے۔

سوال نمبر ۱۶:

سائل کلونیا کے بارے میں پوچھ رہا ہے کہ کیا اسکی خرید وفروخت جائز ہے؟ اور کیا اس سے علاج کر سکتے ہیں؟

جواب:

اگر اسکے اندر نشہ آور اشیاء کا وجود ہے تو اسکی خرید وفروخت جائز نہیں ہے، اسکا حکم اس صورت میں بالکل شراب جیسا ہوگا۔

لیکن اگر اس کے اندر نشہ آور کوئی مادہ نہیں پایا جاتا تو ایسی صورت میں اسکی خرید وفروخت جائز ہے، اور اس سے علاج بھی کر سکتے ہیں۔

اور جہاں تک علاج کرنے کا مسئلہ ہے تو گرچہ اس چیز میں کچھ نشہ آور مادہ پایا جاتا ہو وہ مختلف فیہ ہے، کیونکہ یہ تو طے ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے، مگر کیا ہر نشہ آور چیز نجس ہے ایسی بات نہیں ہے، اور نہ ہی یہ اتفاقی مسئلہ ہے، بلکہ اتفاقی مسئلہ یہ ہیکہ ہر نشہ آور چیز کا استعمال حرام ہے، مگر اسکی نجاست پر اتفاق نہیں ہے جیسے پنگ کہ وہ گرچہ نشہ آور ہے مگر نجس نہیں ہے، اور یہ کلونیا بھی محل نظر ہے۔

سوال نمبر ۱۷:

ایک شخص نے کسی کو قرض دیا، قرض لینے والا فقیر ہے، ایک سال ہو گئے قرض دینے والے کو زکات نکالنا ہے، تو کیا اسکا مال جو اس فقیر کے ذمہ میں ہے اسے زکات مان سکتا ہے اور اسے زکات کا حصہ تصور کر سکتا ہے؟

جواب:

اہل علم کا اس مسئلے میں اختلاف ہے، کیونکہ اس میں نہ ہی زکات کا نکالنا لازم آتا ہے اور نہ ہی کسی کو دینا، بلکہ اس میں ایک طرح کا تسامح ہے تا کہ مال اس کے پاس آجائے اور وہ اسے بطور زکات استعمال کر سکے۔

❁❁❁

سوال:

اسی سے ملتا جلتا ایک سوال یہ ہیکہ وہ قرض شدہ مال جوکہ زکات کے نصاب کو پہونچا ہوا ہے کیا اس میں زکات نکالے گا یا نہیں؟

جواب:

اس میں تفصیل ہے، اگر وہ مسل کسی ایسے شخص کے پاس ہے جس سے آپ لینے پر ہمہ وقت قادر ہیں، اگر آپ اس سے کہہ دیں گے تو وہ نکال دے گا تو ایسی صورت میں نکال دیں، اور اگر وہ قرض کسی فقیر کے پاس ہے تو جب تک وہ مال آپ کے قبضے میں نہ آجائے اور اس پر سال پورا نہ ہو جائے تب تک اس میں زکات نہ نکالیں۔ واللہ اعلم۔

۞۞۞

سوال نمبر ۱۸:

اہل مدینہ کے میقات سے اس نے ایک عمرہ کرلیا ہے، اب وہ چاہتا ہے کہ دوسرا عمرہ اپنے کسی قریبی رشتہ دار کیلئے کرلے، تو کیا وہ فوری طور پر تنعیم سے جا کر احرام باندھ لے یا پھر دونوں عمروں کے درمیان کسی فاصلے کا ہونا ضروری ہے؟

جواب:

انتظار کرنا شرط نہیں ہے کہ عمرہ سے فارغ ہوں اور فوری طور پر تنعیم جا کر احرام باندھیں۔ساتھ ہی یہ بھی معلوم رہے کہ تنعیم کسی انسان یا کسی شہر کیلئے میقات نہیں ہے، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیلئے اسے اختیار کیا گیا تھا کیونکہ وہ حل سے سب سے قریب تھا، اور عمرہ کیلئے ضروری ہے کہ حرم سے باہر جائے اور جب دیکھا گیا تو پتہ چلا کہ تنعیم ہی حرم سے قریب ترین جگہ ہے، اس طرح وہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیلئے میقات بن گیا۔

یہ سائل جو عمرہ کرنے گیا ہے اگر وہ جدہ سے گیا ہے تو وہیں سے احرام باندھ سکتا ہے، اور اگر طائف سے باندھ لے تو بھی صحیح ہے، میرا کہنے کا مطلب یہ ہیکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہمیشہ تنعیم ہی سے احرام باندھے بلکہ ضروری یہ ہیکہ حرم سے باہر ہو، خواہ وہ تنعیم ہو یا کوئی اور جگہ۔

۞ ۞ ۞

سوال نمبر ۱۹:

سائل کہتا ہے کہ تارک صلاۃ کی تکفیر ہم کیسے کر سکتے ہیں جبکہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دے وہ جنت میں جائے گا، اور یہ تارک صلاۃ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے پھر ہم اسکی تکفیر کیسے کر سکتے ہیں؟

جواب:

پہلی بات:

تارک صلاۃ کی تکفیر علماء نے نہیں کی ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے نماز ترک کر دی اس نے کفر کیا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ بُرَيْدَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ ".

ترجمہ: سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمارے اور منافقوں کے درمیان نماز معاہدہ ہے!، جس نے نماز ترک کر دی اس نے کفر کیا"۔

اور ایک مسلمان اور کافر کے درمیان ترک صلاۃ سے فرق کیا جاتا ہے جیسا کہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس شخص کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے جس نے نماز کو ترک کر دیا، اور اس تعلق سے احادیث بہت ہیں جن میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تارک صلاۃ کو کافر کہا ہے، اور یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ کوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے کہے کہ نہیں وہ مومن ہے، اسلئے کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے!!

میں یہ کہہ چکا ہوں کہ لا الہ الا اللہ کے کچھ نواقض ہیں، چنانچہ اسکے نواقض میں سے شرک ہے، اسی طرح اس کے نواقض میں سے کسی ایسے واجب کو ترک کر دینا ہے جسکا واجب ہونا بدیہی طور پر معلوم ہو، اور

ترک صلاۃ لا الہ الا اللہ کے نواقض میں سے ہے، اسلئے کہ لا الہ الا اللہ کے کچھ حقوق ہیں۔

اسلئے دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، دراصل لا الہ الا اللہ کنجی ہے، اور کنجی کام اس وقت تک نہیں کرتی جب تک اس میں دندانے نہ ہوں، جیسا کہ وہب بن منبہ سے جب سوال کیا گیا کہ لا الہ الا اللہ تو جنت کی کنجی ہے؟ تو آپ نے کہا کہ ٹھیک ہے مگر اس میں دندانے پہلے لگا لو، کیونکہ بغیر دندانے کے کوئی کنجی کام نہیں کرتی، اور اس کنجی کا اب سے بڑا دندانہ نماز ہے، اسلئے تارک صلاۃ کافر ہے اسکا دیگر نصوص سے کوئی تعارض نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد میں کہوں گا کہ جو نماز کو ترک کردے سستی اور کاہلی کی بنیاد پر مگر اسکے وجوب کا انکار نہ کرے، تو اسکے کفر کی نوعیت میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ آیا وہ کفر عملی ہے یا اعتقادی؟ جمہور کے نزدیک وہ عملی ہے جب تک کہ وہ اسکے وجوب کا انکار نہ کرے، اور بہت سے علمائے محققین کہتے ہیں کہ وہ کفر صریح ہے، پھر ایک مسلمان اس بات پر کیسے راضی ہوگا کہ وہ محل خلاف بنا رہے کوئی اسکے بارے میں کافر کہے تو کوئی فاسق کہے؟!

اسلئے ہمیں چاہیئے کہ نمازوں کی پابندی کریں، جس نے انہیں ترک کیا اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے ساتھ کفر کیا۔

❁❁❁

سوال نمبر ۲۰:

سائل کا کہنا ہے کہ فقہ کے اندر اجماع صرف صحابہ اور تابعین کے دور میں منحصر ہے، اور جیسا کہ معلوم ہے کہ جمہور صحابہ مدینہ سے نکل چکے تھے؛ ان میں کچھ ملک شام چلے گئے اور وہیں پر آخر تک رہ گئے، سائل سوال کرتا ہے اور جواب بھی دیتا ہے، جزاہ اللہ خیرا؟!

جواب:

جو اجماع معروف ہے وہ اجماع صحابہ ہے اور اسکے بعد اجماع تابعین ہے، اسلئے کہ اس وقت مسلمانوں کے درمیان زیادہ اختلاف نہیں تھا، کیونکہ اس وقت مسلمان حجاز اور مدینہ کے آس پاس تھے، جس میں اس بات کا امکان تھا کہ ان کے اقوال اور اجماع کو نقل کرلیا جائے، اس وقت اختلاف بھی کم تھا، کتاب وسنت کے بعد تیسرا ماخذ یہی اجماع ہے، اسکے بعد کوئی معتبر اجماع نہیں ہے۔

اور وہ اجماع جو اسکے بعد کا ہے جب کہ مسلمان بکھر گئے، جیسا کہ سائل نے کہا کہ لوگ شام وعراق میں بس گئے، اور مختلف علاقوں میں چلے گئے، فتوحات کی کثرت ہوگئی، مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ گھل مل گئے، جسکی وجہ سے ان کے اندر نفس پرستی آگئی، اختلاف بڑھ گیا، انکے اندر علم کلام اور تصوف در آیا، اسلئے اب اجماع کا ضبط کرنا مشکل ہوگیا، چنانچہ جب اجماع کی بات کہی جاتی ہے تو اس سے مراد اسلام کے اندر یہ اجماع مراد نہیں ہوتا بلکہ صحابہ اور تابعین کا اجماع مراد ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۲۱:

سائل کہتا ہے کہ اسے اکثر یہ خیال آتا ہے کہ ہوا خارج ہوئی ہے، پھر وہ جا کر وضوء کرتا ہے، واپسی پر پھر وہی خیال آتا ہے، ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟

جواب:

ہم اسے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کی نصیحت کریں گے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی صورت حال کیلئے فرمایا ہے کہ وہ جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو محسوس نہ کرلے تب تک وضوء کیلئے نہ جائے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، أَنَّهُ شَكَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ الَّذِي يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ. فَقَالَ:" لَا يَنْفَتِلْ أَوْ لَا يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا".

ترجمہ: عباد بن تمیم سے روایت کرتے ہیں، وہ اپنے چچا (عبداللہ بن زید) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ ایک شخص ہے جسے یہ خیال ہوتا ہے کہ نماز میں کوئی چیز (یعنی ہوا نکلتی) معلوم ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (نماز سے) نہ پھرے یا نہ مڑے، جب تک آواز نہ سنے یا بو نہ پائے۔

یعنی جسے یہ خیال آئے کہ اس کی ہوا خارج ہوئی ہے تو وہ جلدی نہ کرے یہاں تک کہ وہ یقین کرلے کہ اس نے کوئی آواز سنی ہے یا بدبو محسوس کی ہے یا نہیں۔

بہر حال وہ یقین کرلے کیونکہ شیطان ابن آدم کے ساتھ اس طرح کا کھلواڑ کرتا ہے، وہ نماز میں آ کر اسے تشویش میں مبتلا کرتا ہے، چنانچہ وہ یہ احساس دلاتا ہے کہ ہوا خارج ہوگئی ہے جس ست وضوء ٹوٹ گیا ہے، یا کبھی یہ تشویش دلاتا ہے کہ تم تکبیر تحریمہ کے وقت نیت کرنا بھول گئے ہو، حالانکہ وہ درمیان نماز میں

ہوتا ہے، پھر بھی وہ نماز چھوڑ کر نئے سرے سے نیت کرتا ہے، اور تکبیر کہہ کر نماز شروع کرتا ہے، اس طرح کے بہت سے لوگ مل جائیں گے جو وسوسے کا شکار ہوتے ہیں، اسی مناسبت سے واضح کرتا چلوں کہ امام شافعی کے مذہب پر فروعی مسائل میں فقہ پڑھنے والے کثرت سے وسوسوں کا شکار ہوتے ہیں، کیونکہ وہ یہاں تک بولتے ہیں کہ لفظ جلالہ اللہ کے ہمزہ اور اکبر کے راء کے درمیان نیت کرنا واجب ہے، اسی لئے ان میں سے بعض کو پائیں گے کہ وہ کسی چیز کی تلاش میں ہے، جبکہ وہ اسی لمحے کے انتظار میں ہوتا ہے تا کہ نیت کر سکے۔

جبکہ یہ غلط ہے، بلکہ غلط محض ہے، اللہ نے ہمیں اس بات کا مکلف نہیں بنایا ہے کہ ہم فلاں کے مذہب پر نماز پڑھیں، یہ تکلیف مالا یطاق میں آئے گا، اسلئے کہ نیت تو آپ نے اسی وقت کر لی جب آپ اپنے گھر سے مسجد کیلئے نکلے ہیں، صف میں آ کر کھڑے ہوئے اور قبلے کا استقبال کیا، اس وقت آپ نیت اور عمل کے ساتھ ہیں، ہاں کبھی کبھی فرض اور سنت مین فرق کرنے کیلئے نیت کرنی ہوتی ہے، ایسے ہی حالات کیلئے انما الاعمال بالنیات والی حدیث ہے۔

بہت سے علماء کے نزدیک نیت سے مراد اخلاص ہے، یعنی آپ اپنے عمل سے اللہ کی رضا جوئی چاہتے ہوں اور یہی چیز مشکل ہے، البتہ مجرد عمل کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ آدمی ایسے خیال اور وسوسوں کو پال کر شیطان کے سامنے ہتھیار نہ ڈالے، خواہ اسکا تعلق وضوء کے ٹوٹنے سے ہو یا تکبیر تحریمہ سے ہو، بلکہ وہ شیطان کی نافرمانی کرتے ہوئے اپنی نماز کو جاری رکھے، اور بہت ممکن ہے کہ اگر ایک یا دو بار آپ نے شیطان کی نافرمانی کر دی تو وہ پھر دوبارہ وسوسہ دلانے نہ آئے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۲۲:

سائل کا کہنا ہے کہ وہ ایک سودی بینک میں کام کرتا ہے، تو کیا اسکے لئے یہ جائز ہے؟

جواب:

نہیں، ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے دین کا خیال کرے، اور جو لوگ سودی بینک میں کام کر رہے ہوں وہ اسے اللہ کی خاطر چھوڑ کر کوئی دوسرا عمل تلاش کریں اللہ ضرور کوئی بدل اور سبیل پیدا کرے گا، اور جب یہ پتہ ہے کہ تمام بینک سودی کاروبار کرتے ہیں تو ایسی صورت میں ان بینکوں میں کام کر کے وہاں سے پیسہ لینا جائز نہیں ہے۔

۞ ۞ ۞

سوال نمبر ۲۳:

بغیر کسی شرعی عذر کے اگر کوئی ایک فرض چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ وقت نکل جائے تو اسکا کیا حکم ہے؟

جواب:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ) ترجمہ: ہمارے اور منافقین کے درمیان نماز کا معاہدہ ہے تو جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔

یعنی جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں گے ہم ان پر اسلام کے احکام جاری رکھیں گے، اور جب نماز چھوڑ دیں گے تو کفار کے احکام ان پر جاری ہوں گے، کیونکہ ہمارے اور ان کے درمیان معاہدہ نماز ہے، اور جب نماز چھوڑ دی تو گویا معاہدہ ختم ہو گیا۔

اور اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے کچھ لوگوں نے کہا کہ جس نے ایک بھی فرض جان بوجھ کر بغیر کسی عذر کے ترک کر دیا اس پر کفر کا اطلاق ہو گا، مگر ان کا اختلاف اس بات میں ہے کہ اس کفر سے کیا مراد ہے آیا اس سے کفر عملی یعنی کفر اصغر مراد ہے یا کفر اعتقادی یعنی کفر اکبر؟

ائمہ ثلاثہ مالک، شافعی اور احمد کے نزدیک ایسی صورت میں اسے توبہ کرایا جائے گا، کرلیا تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیا جائے گا، امام ابو حنیفہ کے نزدیک اسے قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ توبہ کر لے، ایسی صورت میں کہ جس نے ایک فرض چھوڑ دیا ہو اس پر کفر اکبر کا حکم لگانا مشکل ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تارک صلاۃ پر زبردست علمی مناقشہ کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے جو نماز کو کبھی ترک کر دے اور کبھی ادا کرے تو اس پر کفر اکبر کا حکم نہیں لگا سکتے؛ کیونکہ ایمان کی لہر اس کے اندر موجود ہے گرچہ ٹوٹی ہوئی ہے، اس لئے کہ کفر دل کے ویران ہونے کو کہتے ہیں، اور کسی پر کفر اکبر کا حکم اسی

وقت لگا سکتے ہیں جب وہ نماز کو ترک کر دے اور اس سے کلی طور پر اعراض کر لے کچھ دنوں تک یا کچھ مہینوں تک یا کچھ سالوں تک، جیسا کہ ہم بہت سے حجاج کے بارے میں سنتے ہیں کہ وہ دس دس بیس بیس سال تک نماز کو ترک کر دیئے ہیں، تو ایسے لوگوں پر کفر اکبر کا حکم لگا سکتے ہیں کہ انکا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے، مگر جو نماز کو کبھی کبھی ترک کر دیتا ہو اس کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا ہی سلوک کیا جائے گا، اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، کیونکہ اس کا ضمیر کبھی کبھی اسے ملامت کرتا تھا اور وہ نما، پڑھ لیتا تھا، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسکا دل کلی طور پر فاسد اور ویران نہیں ہوا ہے، بہر حال ایک مسلمان یہ نہیں چاہے گا کہ اسکا ایمان اہل علم کے درمیان محل خلاف بنے اور ائمہ دین اس پر حکم لگائیں کہ وہ مسلم آن ہے کہ کافر؟ ایک عقلمند شخص ایسے موقف سے راضی نہیں ہوگا۔

۞۞۞

سوال نمبر ۲۴:

ایک سرگرم نوجوان کا کہنا ہے کہ اسے ہر ہفتہ عمرہ کرنے کی خواہش ہے لہذا وہ اپنی خواہش کو پورا کرتا ہے کیونکہ اسے مکہ سے محبت ہے، وہ کبھی اپنی طرف سے کبھی والدہ کی طرف سے اور کبھی ساتھیوں کی طرف سے عمرہ کرتا ہے؟

جواب:

مکہ سے یہ محبت مبارک عمل ہے، اور یہ عبادت ہے، بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو مالکیہ کی طرح تکرار عمرہ کو مکروہ سمجھتے ہیں، کیونکہ ان کے یہاں سال میں ایک سے زیادہ مرتبہ عمرہ کرنا مکروہ ہے، اور اس کراہت کی کوئی اصل نہیں ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کرنے پر ابھارا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک عمرہ سے دوسرا عمرہ کفارہ ہو جاتا ہے بیچ کے گناہوں کا اور حج مقبول کا بدلہ جنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔"

یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ آپ ہر ہفتے عمرہ کر سکتے ہو، ایک ہفتے میں جو صغیرہ گناہ ہوں گے وہ دوسرے عمرے سے ختم ہو جائیں گے، پھر یہ کہ یہ نوجوان اپنی ماں کو بھی بھولا؛ کیونکہ جو اقارب فوت ہو چکے ہیں انکی طرف سے عمرہ کرنا چاہیئے، اسی طرح ان لوگوں کی طرف سے بھی جو عاجز ہوں، اللہ آپ کے حرص میں اضافہ فرمائے، اور اسے بابرکت بنائے اور قبولیت کا درجہ عنایت کرے۔

۞۞۞

قرة عيون السلفية

یعنی سوالات وجوابات کا

ایک سلفی مجموعہ

عام فتاوے:

سوال نمبر ا:

شادی کے موقع پر گانے بجانے والوں کو بلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہیکہ یہ خوشی کا موقع ہے صرف ایک ہی رات کا مسئلہ ہے، اس پر کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب:

ارشاد باری تعالی ہے: (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا) ترجمہ: بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ) ترجمہ: کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھیں تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک فرقے کے، جب اسکے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا وہ الجماعہ ہے، اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے منہج پر ہوں گے۔ جیسا کہ سنن ترمذی کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ، حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ، وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً

وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کے ساتھ ہو بہو وہی صورت حال پیش آئے گی جو بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آچکی ہے، (یعنی مماثلت میں دونوں برابر ہوں گے) یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اگر اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس فعل شنیع کا مرتکب ہوگا، بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے"۔

اللہ تعالی ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم اسکی اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، صحابہ کرام کی اقتداء کریں، اور ایسے لوگوں کو جو اس راستے سے منحرف ہوتا ہے انہیں عذاب نار کی وعید سناتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ ترجمہ: اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔

اور سنت میں دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی اور آپ کی زندگی ہی میں بہت سے صحابہ نے شادی کی، اور اس تعلق سے جو مناسب باتیں تھیں انکی ہدایت بھی کی، کیا کرنا مستحب ہے کیا مکروہ ہے اور کیا حرام ہے سب واضح کر دیا، چنانچہ ہم میں جو نوجوان ہوں انہیں شادی کا حکم دیا کہ دیندار

لڑکی کو پسند کریں، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَطَاءٍ، أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَقِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: " يَا جَابِرُ، تَزَوَّجْتَ "، قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: " بِكْرٌ أَمْ ثَيِّبٌ "، قُلْتُ: ثَيِّبٌ، قَالَ: " فَهَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا "، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ لِي أَخَوَاتٍ، فَخَشِيتُ أَنْ تَدْخُلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُنَّ، قَالَ: " فَذَاكَ إِذَنْ إِنَّ الْمَرْأَةَ تُنْكَحُ عَلَى: دِينِهَا، وَمَالِهَا، وَجَمَالِهَا، فَعَلَيْكَ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ ".

ترجمہ: عطا رحمہ اللہ نے کہا: مجھے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ میں نے نکاح کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کہ اے جابر! تم نے نکاح کیا۔“ میں نے کہا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”باکرہ سے یا بیوہ سے؟“ میں نے عرض کی کہ بیوہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”باکرہ سے کیوں نہ کیا کہ تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی۔“ میں نے عرض کی کہ یارسول اللہ! میری کئی بہنیں ہیں سو مجھے خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے ان کی پرورش سے مانع ہو جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کہ اگر یہ خیال ہے تو خیر۔“ پھر فرمایا: ”عورت سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے دین کے لیے، مال کے لیے، جمال کے لیے سو تو دین کو مقدم رکھ تیرے دونوں ہاتھ میں خاک بھرے۔“

اسی طرح سر پرستوں کو بھی ہونا چاہیے کہ وہ اپنی لڑکیوں کیلئے ایسے لڑکے تلاش کریں جو دیندار اور بااخلاق ہوں جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ، إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ

عَرِيضٌ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تمہیں کوئی ایسا شخص شادی کا پیغام دے، جس کی دین داری اور اخلاق سے تمہیں اطمینان ہو تو اس سے شادی کر دو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد عظیم برپا ہوگا"۔

پھر یہ بھی واضح کر دیا کہ شادی میں اسراف اور فضول خرچی کرنے کا انجام ندامت اور خسارہ ہے اور اپنی حیثیت کے اعتبار سے میانہ روی اختیار کرنے والے کیلئے باعث خیر و برکت ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (أقلهن نفقة أعظمهن بر كة) ترجمہ: خرچہ جس میں زیادہ کم ہوگا اس میں برکت سب سے زیادہ ہوگی۔

اور بلاشبہ اسراف کرنا یا بخالت سے کام لینا شادی کرنے والے کی حالت پر منحصر ہے، چنانچہ اگر آدمی اچھی حیثیت والا مالدار ہے اور وہ مہر میں بڑی رقم ادا کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر دوسرا شخص ایسا ہے کہ اس کے مقابلے میں ایک چوتھائی بھی ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو اسکے لئے وہ مقدار مناسب نہیں ہے، بلکہ وہ اپنی حیثیت سے خرچ کرے گا، البتہ یہ گنجائش ہے کہ اگر کوئی مہر کی رقم زیادہ دینا چاہتا ہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا، اگر اسکی طاقت ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا ہے:

(وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا [20] وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا) ترجمہ: اور اگر تم کسی بیوی کی جگہ اور بیوی بدل کرلانے کا ارادہ کرو اور تم ان میں سے کسی کو ایک خزانہ دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح گناہ کر کے لو گے۔ [20] اور تم اسے کیسے لو گے جب کہ تم ایک دوسرے

سے صحبت کر چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کے اعلان کرنے کا حکم دیا ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اس کے ولیمے میں شرکت کریں تا کہ اس شادی کی تشہیر ہو، اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ دف بجا کر خوشی منائیں جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ".

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس نکاح کا اعلان کرو، اسے مسجدوں میں کرو اور اس پر دف بجاؤ"۔

سنن ابن ماجہ کے اندر اس طرح وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ، وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالْغِرْبَالِ".

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس نکاح کا اعلان کرو اور اس پر دف بجاؤ"۔

مگر اس حدیث میں اعلان کرنے والا جملہ ضعیف ہے۔

دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ: أَنْكَحَتْ عَائِشَةُ ذَاتَ قَرَابَةٍ لَهَا مِنَ الْأَنْصَارِ، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ:" أَهْدَيْتُمُ الْفَتَاةَ"، قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ:" أَرْسَلْتُمْ مَعَهَا مَنْ يُغَنِّي"، قَالَتْ: لَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" إِنَّ الْأَنْصَارَ قَوْمٌ فِيهِمْ غَزَلٌ، فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مَنْ يَقُولُ أَتَيْنَاكُمْ، أَتَيْنَاكُمْ، فَحَيَّانَا،

وَحَيَّاكُمْ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے انصار میں سے اپنی ایک قرابت دار خاتون کی شادی کرائی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے، اور فرمایا: "تم لوگوں نے دلہن کو رخصت کر دیا"؟ لوگوں نے کہا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کے ساتھ کوئی گانے والی بھی بھیجی"؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انصار کے لوگ غزل پسند کرتے ہیں، کاش تم لوگ دلہن کے ساتھ کسی کو بھیجتے جو یہ گاتا: (أتينا كم أتينا كم فحيانا وحيا كم) "ہم تمہارے پاس آئے، ہم تمہارے پاس آئے، اللہ تمہیں اور ہمیں سلامت رکھے"۔

یہاں گانے سے مراد اس طرح ہو کہ جس میں بے پردگی نہ ہو، غزلیہ اشعار نہ ہوں اور نہ زیادہ پھوہڑ پنا ہو، اور بجانے کے نام پر صرف دف بجا سکتے ہیں، اگر ان سے زیادہ ہوا تو حرام ہوگا۔

شادی اللہ کی ایک نعمت ہے، اور اللہ کا شکریہ ادا کریں گے تو اس نعمت میں پائیداری رہے گی، اور اللہ کا شکریہ اسکی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہے، نیز معاصی سے اجتناب کرنے میں ہے، چنانچہ وہ گانے اور میوزک جو ہم آج کل شادیوں میں سنتے ہیں کسی طرح جائز نہیں ہے، شادی میں بطور خوشیاں منانے کے صرف مشروط گیت اور بجانے کے نام پر صرف دف کی اجازت ہے، اس سے آگے بالکل جائز نہیں ہوگا۔

اور میں امید کرتا ہوں کہ ہمارا یہ اجتماع اسلامی اجتماع ہوگا یہاں شرعی حدود سے باہر کوئی کام نہیں ہوگا۔

اور جہاں تک خرچ کرنے کی بات ہے تو یہ آدمی کی حیثیت پر مبنی ہے، اپنی حیثیت اور اوقات سے زیادہ خرچ نہ کرے، اگر اپنی اوقات سے زیادہ خرچ کرے گا تو یہ اسراف اور فضول خرچی میں آئے گا، کچھ لوگ اسراف کی حد متعین کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے وہ کسی کے حق میں اسراف ہو

مگر کسی کے حق میں اسراف نہ ہو، اور یہ بھی ممکن ہے وہی خرچ کسی کے حق میں بخالت ہو جبکہ دوسرے کے حق میں بخالت نہیں ہے، اور ممکن ہے وہی خرچ کسی کے حق میں اعتدال اور میانہ روی ہو، اسلئے اسراف کا کوئی محدود پیمانہ نہیں ہے یہ آدمی کی حیثیت پر مبنی ہے۔

دعاء ہیکہ اللہ تعالی ہم سب کو شریعت کی پابندی کرنے، ہر چیز میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے نیز افراط وتفریط سے دور رہنے کی توفیق دے۔

۞۞۞

سوال نمبر ۲:

سائل کہتا ہے کہ دین میں مصیبت کیسے ہوتی ہے؟

جواب:

اللہ سے دعا ہے کہ ہمارے دین میں مصیبت نہ پیدا کرے، دین میں مصیبت یہی ہے کہ آدمی منحرف ہو جائے صحیح راہ سے بھٹک جائے جیسے ملحد، لادینی، بعثی، کمنسٹ اور اس طرح کے تمام ملحدین جو دین ہی سے منحرف ہوں، اسی طرح جو عقیدے میں منحرف ہوں اور اسی طرح جو بدعات کو ایجاد کر کے عبادت میں منحرف ہوں۔

یہ وہ دینی مصائب ہیں جن سے ایک مسلمان کو ہمہ وقت اللہ کی پناہ مانگتے رہنا چاہیے؛ اسلئے کہ دینی مصیبت سب سے بڑی مصیبت اور آزمائش ہے، انسان اس مصیبت سے بہت مشکل سے نکل پاتا ہے، مگر جو دنیاوی مصیبت ہوتی ہے اگر آپ اس پر صبر کریں گے تو اللہ اس پر اجر بھی دے گا جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ صُهَيْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ ".

ترجمہ: سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مومن کا بھی عجب حال ہے اس کا ثواب کہیں نہیں گیا۔ یہ بات کسی کو حاصل نہیں ہے اگر اس کو خوشی حاصل ہوئی تو وہ شکر کرتا ہے اس میں بھی ثواب ہے اور جو اس کو نقصان پہنچا تو صبر کرتا ہے اس میں بھی ثواب ہے۔“

سوال نمبر ۳:

سائل ایک نحوی سوال کر رہا ہے کہ عربی میں ایک مثل ہے: (مکره أخاك لا بطل)، اخاک منصوب کیونکہ ہے جبکہ اسے مرفوع ہونا چاہیئے یعنی (مکره اخوک لا بطل) کہنا چاہیئے، امید ہیکہ اس اشکال کو دور فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

جواب:

میں اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ہمارے طلبہ میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں یہ ادراک حاصل ہے، دراصل یہ ایک مثل ہے، اسمائے خمسہ میں یہ ایک لغت ہے، جبکہ انہیں حالت رفع میں واو کے ساتھ اور نصب میں الف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، مگر کچھ لوگ ہیں جو ہر حال میں الف ہی کو لازم پکڑ لیتے ہیں، یہی حال یہاں ہے، انہیں کی لغت پر یہ مثل ہے، حتی کہ یہ مثنی میں بھی الف ہی کو لازم پکڑتے ہیں، آپ آجرومیہ، الفیہ ابن مالک وغیرہ پڑھیں گے تو اعراب کا صحیح علم ہو جائے گا، اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ لغت بھی فصیح ہے، خطا نہیں ہے، یہ ان لوگوں کی لغت ہے جو الف کو ہر حال میں لازم پکڑتے ہیں۔

فہرست موضوعات

موضوعات	صفحہ

عام فتاوے: ۵۱۷

تمت بالخير